آئینہ نما
[6]
(پھلجھڑیاں)
مرتب
قرۃ العین

[6]
(پھلجھڑیاں)
مرتب
قرۃ العین

آئینہ نما
{ 6 }
(پھلجھڑیاں)

مرتب
قرۃ العین

نام کتاب	:	آئینہ نما (6)
مرتبہ/ناشر	:	قرۃ العین
پتہ	:	باغات برزلہ، نزدیک بون اینڈ جوئینٹ ہسپتال برزلہ سرینگر کشمیر، فون: 2433795 موبائل: 9419015745
کمپیوٹر کتابت	:	T F C سنٹر مدینہ چوک گاؤ کدل سرینگر فون: 2473818
سرورق	:	شجاع سلطان
سال اشاعت	:	2007ء
صفحات	:	298
قیمت	:	غیر مجلد =/200 مجلد =/300
مطبوعہ	:	اصیلا آفسٹ پریس، دہلی

ترتیب

●●●

اپنی بات

آئینہ نُما کا چھٹا شمارہ پیشِ خدمت ہے پہلے پانچ شمارے، تیسرا صفحہ شخصیات، ہفتہ وار اداریے، پارلیمنٹ اور اسمبلی کی تقریروں، اور ادبی فن پاروں پر مشتمل بالترتیب منظرِ عام پر آچکے ہیں اور سیاسی وادبی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ گذشتہ اشاعت میں، میں نے ''آئینہ'' میں ادب، سماج اور سیاست سے متعلق مختلف عنوانات کے تحت شائع ہونے والے ادبی فن پاروں کو ترتیب دینے کا وعدہ کیا تھا اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں اپنے اس ارادے میں کامیاب ہوئی ہوں۔ اس کامیابی میں آپ سب لوگوں کا خلوص اور نیک دعائیں شامل ہیں جس کے لیے میں آپ کی بے حد ممنوں ہوں۔

اب کے ان فن پاروں کا انتخاب خاصا مشکل تھا، متعدد عنوانات کے تحت ڈھیروں موضوعات میں سے انتخابات کرنا تھا جب کہ ہر موضوع اپنی جگہ دلچسپ اور اہم ہے۔ ''مشغلے''، ''مشورے''، ''بے پر کی''، جیسے عنوانات ریاست کی نامور سیاسی، ادبی، اور سماجی شخصیات کا بھرپور اور مکمل احاطہ کیے ہوئے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ یہ ''تیسرا صفحہ'' اور قلمی خاکوں کا مختصر روپ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں طنز و مزاح کا عنصر غالب ہے۔

''اُلجھنیں''، ''انکشافات''، پیشین گوئیاں، اندیشے، پرچۂ امتحان، مزاح کی چاشنی اور طنز ولطافت میں ڈوبے فن پاروں میں اُس دور کی سیاسی، سماجی، تاریخی اور ثقافتی صورت حال کا مفصل اور مدلل تجزیہ ہے۔ اِس کا انتخاب سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی ایک کوشش ہے۔

''اسمبلی نامہ''، ''نوک جھونک''، اس وقت کے سیاسی ماحول کے آئینہ دار ہیں اور اس حقیقت کے عکاس بھی کہ سیاسی اختلافات کے باوجود بحیثیت مجموعی مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے آپسی تعلقات خوشگوار اور ہموار تھے جس کے نتیجے میں اسمبلی کی کاروائی بڑی جاندار اور دلچسپ ہوا کرتی تھی۔

ادب، سیاست، صحافت اور ثقافت جیسے سنجیدہ اور اہم موضوعات کے علاوہ روزمرہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے اور ہلکے پھلکے واقعات پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ لوگ سوچتے ہیں، یک نہ شد دو شد، دلچسپ اطلاعات، اس بات کے مظہر ہیں کہ بظاہر معمولی واقعے کو بھی وہ اپنے قلم کی گرفت میں لاکر اس کی اہمیت کو اُجاگر کر کے عوام الناس کی ترجمانی کا حق ادا کرتے تھے۔

''قلی مستان کی کہانی اور پاکستانی ایجنٹ، ہندوستانی سیاست اور سیکولرازم پر کھلی چوٹ ہے اور جدید تاریخ کشمیر میں کشمیر کے کئی ادوار کی تاریخ مرتب ہے جس میں تاریخ کے علاوہ زبان وبیان پر ان کی قدرت نمایاں ہے۔

سال ۱۹۷۵ء میں ''ہفتہ وار آئینہ'' روز نامے میں تبدیل ہوا اور چراغ بیگ کی جگہ کوہ کن نے سنبھال لی، چراغ بیگ کے نقشِ قدم پر چل کر کوہ کن نے بھی اہم اور سنجیدہ موضوع کے علاوہ آئے دن کے واقعات وحادثات کو

ترتیب دے کر اس دور کی تاریخ قلمبند کر کے مورخ کا کام آسان بنا دیا۔

ش، احمد نے اپنے مختصر مگر بصیرت افروز اور بے لاگ کالموں اور اداریوں کی بدولت زبردست مقبولیت حاصل کی تھی۔

خدا کا فضل اور آپ کا تعاون شاملِ حال رہا تو آئینہ نما کا سفر جاری رہے گا۔

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا مجھے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔
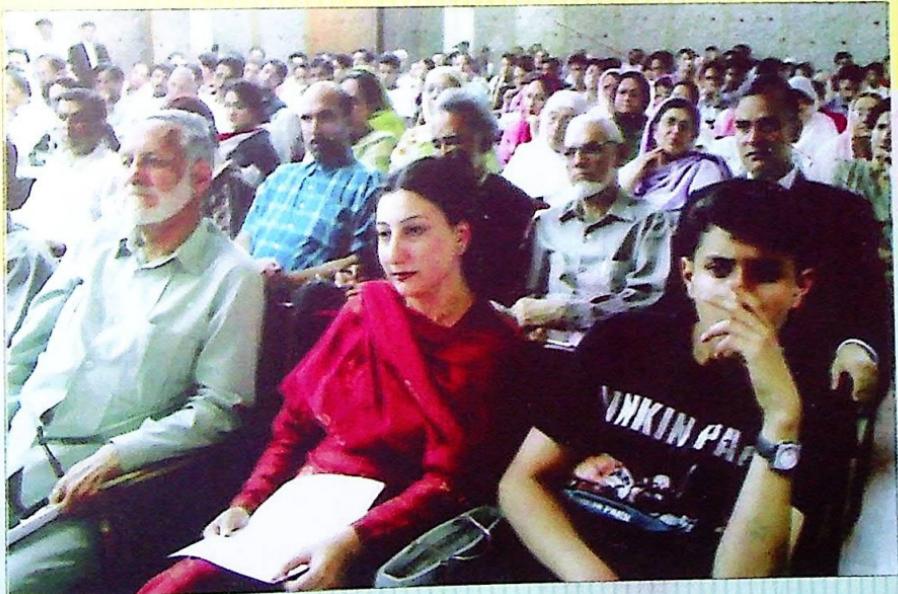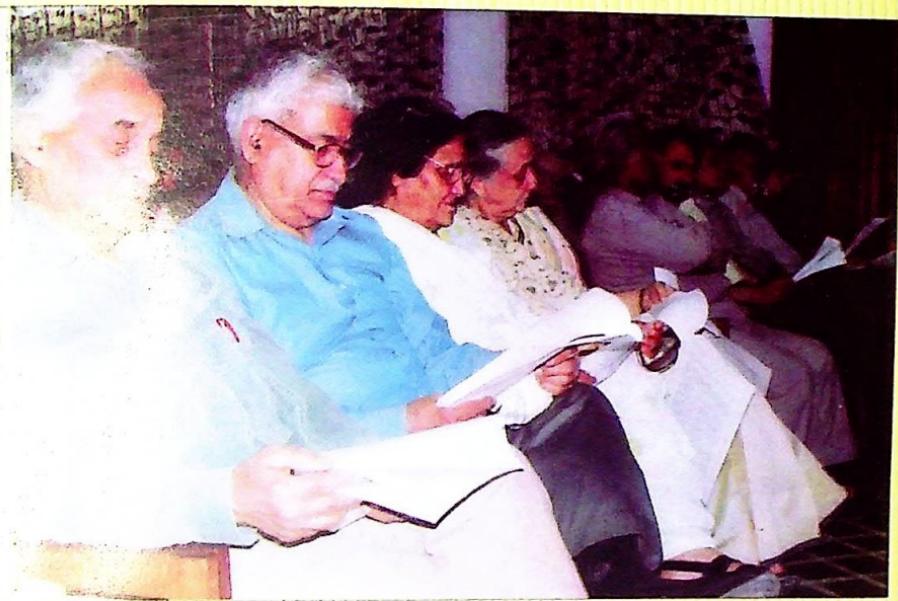
قرۃ العین
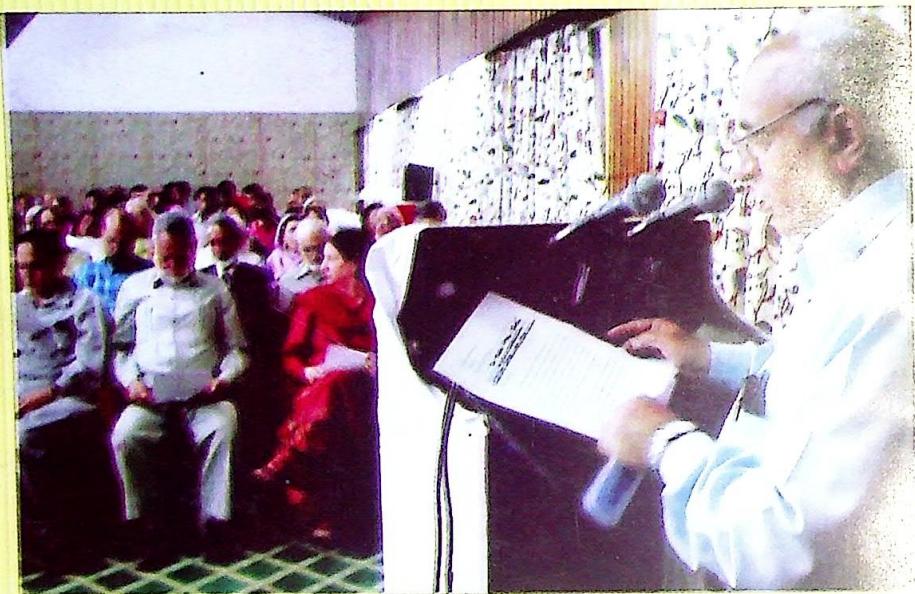
آئینہ نما (5) کے شمارے کی رسمِ اجراء (چند جھلکیاں)

آئینہ نما (5) کے شمارے کی رسمِ اجراء (چند جھلکیاں)

آئینہ نما (5) کے شمارے کی رسمِ اجراء (چند جھلکیاں)

عندلیب اندرابی (ماس کمونکیشن) شمیم احمد شمیم ایوارڈ لیتی ہوئی

فاروق کی کہانی

"فاروق کی کہانی " جس صورت حال کے پس منظر میں لکھی گئی ہے وہ آج بھی برابر قائم ہے ، اس لیے اس کی اشاعت بر محل بھی ہے اور موزوں بھی -

یہ مصر کے شاہ فاروق یا کشمیر کے میر واعظ فاروق کی کہانی نہیں ہے۔ میرے چچازاد بھائی کیپٹن فاروق کی کہانی ہے۔نہیں، یہ صرف فاروق کی نہیں، ان ہزاروں نوجوانوں کی کہانی ہے جو جنگ کے شعلوں میں جھلس کر زندگی بھر زندگی کا ماتم کرتے رہتے ہیں۔ یہ ان لاکھوں ماؤں کا المیہ ہے کہ جن کے بیٹے آگ برسانے والے جہازوں اور موت اگلنے والی توپوں کی زد میں آکر لولے لنگڑے ، اندھے اور مفلوج ہو جاتے ہیں۔ یہ ان لا تعداد بیواؤں کا افسانہ ہے کہ جن کے شوہر سہاگ رات سے پہلے ہی جنگ کے محاذ پر بُلا لیے جاتے ہیں اور جو پھر کبھی نہیں لوٹتے ، یہ ان لاکھوں بچوں کی حکایت ہے کہ جن کے باپ ان کی توتلی زبان سے "ابا" سننے سے پہلے ہی مشین گنوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔

فاروق میرے چچا ایم ، اے صابر کا سب سے کم عمر بیٹا ہے اور میں اُس سے ۱۴ سال بڑا ہوں۔آج سے چوبیس سال پہلے جب وہ سرینگر میں پیدا ہوا

تو ہم ان دنوں شوپیان میں رہ رہے تھے، اس لیے شروع میں اُسے دیکھنے کا مجھے زیادہ موقع نہیں ملا، لیکن ایک بات مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ فاروق کی پیدائش پر چچا صابر اور چچی جان بے حد مسرور تھے، دونوں ہی اس پر جان چھڑکتے تھے اور فاروق تھا بھی اتنا پیارا اور بھولا کہ اُسے دیکھ کر ہر شخص کو اُس پر پیار آتا تھا۔ اسی دوران ملک تقسیم ہو گیا، برصغیر میں خون کی ہولی کھیل جانے لگی اور کشمیر پر قبائلی حملہ ہوا۔ چچا صابر کئی بار گرفتار ہو کر رہا ہوئے اور بالآخر قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں پاکستان بھیج دیے گئے، فاروق، اس کے دوسرے بھائی بہن اور اس کی ماں یہیں رہ گئے، اب میں بھی شوپیان چھوڑ کر سرینگر آگیا اور کالج میں داخلہ لے کر اپنے چچا کے ہاں رہنے لگا۔ اُس وقت فاروق چار سال کا ہو گیا تھا، اور اپنی دل چسپ حرکات اور باتوں سے سارے گھر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ پاکستان سے صابر صاحب کے متواتر خط آرہے تھے کہ سب لوگ یہیں چلے آؤ اور اگر تم نہیں آنا چاہتے تو فاروق کو اکیلے بھیجدو، کیوں کہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ فاروق کی والدہ پاکستان جانے پر رضا مند نہیں تھی، لیکن جب صابر صاحب کا اصرار بڑھ گیا تو ایک دن وہ فاروق اور دوسرے بچوں کو لے کر پاکستان روانہ ہو گئیں، اس وقت فاروق کی عمر پانچ اور چھ سال کے درمیان تھی اور میری نظروں میں آج بھی اس کا پیارا معصوم اور بھولا چہرہ گھوم رہا ہے۔ وہ مجھ سے اور میں اُس سے کچھ اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ اُسے رخصت کرتے وقت میری آنکھیں ڈبڈبائیں اور اس نے میرے آنسو پونچھتے ہوئے کہا کہ، آپ کیوں رو رہے ہیں، میں جب واپس آؤں گا، تو آپ کے لیے بہت سی مٹھائیاں لیتا آؤں گا۔ آنکھوں سے دور دل سے دور۔ نہ فاروق کو کبھی میری یاد آئی اور نہ میری یاد میں وہ شدت

رہی۔ پاکستان سے کبھی کبھار خطوط آتے رہتے جن میں بر سبیل تذکرہ فاروق کا بھی ذکر ہوتا۔ ایک دن صابر صاحب کا خط آیا کہ فاروق فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں اور تربیت کا ابتدائی کورس مکمل کرتے ہی وہ کیپٹن ہو جائیں گے۔ اُنہوں نے جس فخر اور مسرت سے اپنے بیٹے کے فوج میں افسر ہو جانے کا ذکر کیا تھا اس سے یہ معلوم ہوتا کہ کہ فاروق کیپٹن نہیں کمانڈر انچیف ہونے جا رہے ہیں۔ ان کے خط کے ایک ایک لفظ سے پدرانہ شفقت اور غرور ٹپک رہا تھا، اس خط کا ایک جملہ اب بھی میرے ذہن میں گونج رہا ہے۔ ''فاروق سے میری بہت سے امیدیں وابستہ ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ وہ میرا نام روشن کرے گا''۔......... فاروق فوجی وردی میں کیسے لگتا ہوگا! وہ اب کتنا بڑا ہوگا؟ اس کی شکل وصورت میں کیا کیا تبدیلیاں آئی ہوں گی؟ وہ اب باتیں کیسی کرتا ہوگا؟ یہ اور اسی قسم کے بہت سے سوالات میرے ذہن میں ابھر کر ڈوب گئے .... اور پھر جنوری ۱۹۶۹ء میں پاکستان پہنچ گیا۔ راولپنڈی کے ریلوے سٹیشن پر میرے بہت سے عزیز اور ہم وطن میرا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے۔ ان میں ایک سفید ریش، کمر خمیدہ، مگر آن بان والے بزرگ بھی تھے۔ یہ میرے چچا ایم، اے صابر تھے کہ جن کو میں بیس برس بعد دیکھ رہا تھا۔ بیس برس میں ان کی حالت کیا ہوگئی تھی؟ اس دن راولپنڈی میں صدر ایوب کے خلاف ایک زبردست مظاہرہ ہو رہا تھا، اس لیے سٹیشن سے گھر پہونچنے میں بڑی دقت آئی، لیکن گھوم گھام کر ہم گھر پہونچ ہی گئے......... گھر پہونچ کر معلوم ہوا کہ فاروق پشاور کے قریب کوہاٹ میں فوجی تربیت لے رہے ہیں، انہیں میرے آنے کی اطلاع کر دی گئی ہے، لیکن وہ سنیچر سے پہلے نہ آسکیں گے، فاروق کی والدہ نے مجھے فوجی وردی میں ملبوس اس کی کئی تصویریں دکھائیں، جن میں وہ

بڑا بانکا اور سجیلا نظر آ رہا تھا، میں نے فاروق کے حسُن اوراس کے سجیلے پن کی تعریف کی ،تو اس کی ماں کی آنکھوں میں فخر اور غرور کی چمک آ گئی ۔اس نے تصویر میں فاروق کے ماتھے کو چومتے ہوئے کہا۔ میری امیدوں اور میری زندگی کا مرکز یہی تو ہے۔ بیٹے کے تئیں ماں کی اس والہانہ محبت کے مظاہرے نے میرے دل میں فاروق کوجلد سے جلد دیکھنے کی خواہش کو تیز سے تیز کر دیا۔ سنیچر کی صبح سے ہی سب کو فاروق کا انتظار تھا، لیکن وہ شام سے پہلے نہ آ سکا، شام کو فوجی وردی میں ملبوس جب اس نے گھر میں قدم رکھا تو میں کچھ لمحوں کے لیے اسے سر سے پیر تک گھورتا رہا، یہی وہ فاروق ہے کہ جسے گود میں لیے پھرتا تھا، یہی وہ فاروق ہے کہ جس کے بہتے ہوئے ناک کو صاف کرنے کے لیے میں نے کئی بار اپنی قمیض کا دامن استعمال کیا ہے۔ یہی وہ فاروق ہے کہ جس نے پندرہ برس پہلے مٹھائی لے کر لوٹنے کا وعدہ کیا تھا۔ پندرہ برس میں فاروق کا قدوقامت، اس کی شکل وصورت اور وضع قطع اتنی بدل گئی تھی کہ وہ اگر مجھے کہیں سڑک پر مل جاتا تو میں اسے کبھی پہچان نہ پاتا۔ لیکن فوجی وردی میں بھی اس کے چہرے کی معصومیت اور بھولا پن برقرار تھا۔ میں نے اُسے بے اختیار گلے لگا کر بہت زور سے بھینچا اور بہت دیر تک اسے سینے سے لگائے رکھا۔ چچا جان اور چچی برادرانہ محبت اور شفقت کے اس مظاہرے سے بہت متاثر ہوئے اوران دونوں کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پھر اس کے بعد فاروق اور میری باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو رات گئے تک جاری رہا۔ میں اُسے اپنے بچپن کی یاد دلاتا، لیکن معلوم ہوا کہ اکثر باتیں اس کے ذہن سے اُتر چکی ہیں، میں نے اندازہ کیا کہ وہ عام لڑکوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی شرمیلا ، کم گو تابعدار اور فرماں بردار قسم کا لڑکا ہے، اتوار کا پورا دن ہم نے گھر پر ہی گزارا

اور اسی شام وہ واپس کوہاٹ روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے ہفتے اس سے پھر ملاقات ہوئی۔ اب کی بار وہ میرے لیے منڈی کوتل سے ایک قمیض اور بیٹری پر چلنے والا ایک شیور لایا تھا۔ شام کو چچی جان ہم دونوں کو اپنے ایک دور کے رشتے دار سے ملانے کے لیے لے گئیں جہاں ہماری ملاقات ایک انتہائی خوبصورت اور صحت مند لڑکی سے ہوئی۔ اس لڑکی کو چچی نے فاروق کے لیے چُن لیا تھا اور وہ ہم سے اپنی پسند کی داد چاہتی تھیں۔ گھر لوٹتے ہوئے جب میں نے فاروق کو اس حسین انتخاب کے لیے مبارک باد دی تو اس پر جیسے گھڑوں پانی گر گیا۔ وہ ایک بار بھی آنکھ اُٹھا کر میری طرف نہ دیکھ سکا۔ میرے بار بار چھیڑنے سے اس کا چہرہ لال ہو گیا، اور وہ گھر پہونچتے ہی میری چھیڑ سے بچنے کے لیے چھپ گیا۔ یہ تین سال پہلے کی بات ہے، اس کے ایک سال بعد اس خوبصورت اور تندرست لڑکی کی شادی بانکے اور سجیلے فاروق سے ہو گئی۔

فاروق کی شادی کے ایک سال بعد دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور کیپٹن فاروق صابر کو محاذ جنگ پر بھیج دیا گیا، اب اُدھر سے فاروق میرے ملک کے خلاف لڑ رہے تھے اور اِدھر میں اپنے جوانوں کا لہو گرمانے کے لیے دھواں دھار تقریریں کر رہا تھا۔ تاریخ نے بچپن کے ساتھیوں اور دو بھائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کر دیا تھا، یہ جانتے ہوئے کہ دوسری جانب سے میرا بھائی لڑ رہا ہے میں اپنے ملک کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگ رہا تھا اور فاروق یہ جان کر بھی کہ ہندوستان میرا وطن، میرا ملک اور میرا مستقبل ہے اسے تباہ کرنے کی جدو جہد میں مصروف تھا۔ ملک کی تقسیم نے صرف زمین ہی کا

بٹوارہ نہیں کیا ہے، ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت کو بھی تقسیم کر دیا ہے،۔ کون تھے وہ شقی القلب کہ جنہوں نے اس بہمیت کو حقیقت کے طور پر تسلیم کرنے پر رضامندی ظاہر کی؟۔

۱۰ دسمبر کو جب میں اپنے ملک کی فتح کا جشن منا رہا تھا، تو عین اُس وقت میرا بھائی فاروق زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر اپنی ماں، میری ماں کو پکار رہا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ بُری طرح زخمی ہو گئی تھی اور اسے بطور جنگی قیدی کے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ چند دن بعد اسے ہزاروں جنگی قیدیوں کے ہمراہ ہندوستان لایا گیا۔ سترہ برس بعد فاروق نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا لیکن قیدی بن کر، اس نے مٹھائی لے کر لوٹنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ زخم لے کر آیا۔ جس ملک میں اس نے جنم لیا اور جہاں اُس کے بچپن کی یادیں بکھری ہوئی ہیں وہاں وہ آج قیدی بن کر آیا تھا!۔

میں نے فاروق سے ملنے کی کوشش کی، لیکن ممکن نہ ہو سکا۔ محترم ڈی، پی صاحب کی مدد سے صرف اتنا ممکن ہو سکا کہ اُس تک میرا خط پہنچ گیا، ادھر پاکستان سے فاروق کی والدہ کے دل گداز اور سوگوار خط آنا شروع ہو گئے۔ وہ فاروق کے لیے تڑپ رہی تھیں اور اس کی خبر خیریت جاننے کے لیے اتنی مضطرب اور بے چین کہ یہ خط پڑھ کر مجھے وحشت ہونے لگی، پچھلے ماہ شدید طور زخمی جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں کیپٹن فاروق صابر کو بھی پاکستان بھیج دیا گیا۔ لیکن اس کی زخمی ٹانگ کو اس کے بدن سے علیٰحدہ کر کے! زخم بہت شدید اور مہلک تھا اور ٹانگ کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ پچیس چھبیس برس کا خوبرو اور سجیلا فاروق بیساکھی کے سہارے لنگڑاتا ہوا جب اپنی ماں کے پاس پہونچا ہوگا تو اس ماں پر کیا گزری ہوگی؟ جس باپ کی یہ اُمید تھی

کہ وہ اس کا نام روشن کرے گا، اس نے اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر کیا سوچا ہوگا؟ جن بہنوں نے اپنی دعاؤں کی شبنم سے اپنے بھائی کو پال پوس کر جوان کر دیا تھا، ان پر کیا قیامت گزری ہوگی؟ اور جس خوبصورت لڑکی نے فاروق کے حُسن اور جوانی سے متاثر ہو کر اُسے اپنی ساری زندگی سونپ دی تھی وہ کیا سوچ رہی ہوگی۔؟ یہ سب ایسے سوالات ہیں کہ ان کا جواب دیتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور جو کچھ فاروق اور اس کے لواحقین پر گزر رہی ہے، یہ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں پر گزر رہی ہوگی۔ اس طرف بھی ہزاروں نوجوان جنگ کی آگ میں جھلس کر اپنے حسین خوابوں، اپنی جوان آرزؤں اور معصوم تمناؤں سے ہاتھ دھو چکے ہیں، وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے ماں باپ کا سہارا بننے کی بجائے زندگی بھر ان کے لیے ایک بوجھ بن گئے ہیں۔ ہزاروں نوجوان اندھے، اپاہج، لولے، لنگڑے ہو کر اب عمر بھر کے لیے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوں گے۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان یہ تیسری جنگ ہے اور ہر جنگ نے ہزاروں ماؤں سے ان کے بیٹے، بچوں سے اُن کے باپ اور بیویوں سے اُن کے شوہر چھین کر ان کی زندگیوں کو جہنم بنا دیا ہے۔ ابھی پہلی جنگ کے زخمیوں کے زخم بھی بھرنے نہ پائے تھے کہ دوسری جنگ چھڑ گئی اور ابھی دوسری جنگ کے زخموں سے خون بہہ ہی رہا تھا کہ تیسری جنگ ہوگئی۔ ہر جنگ کا خاتمہ ایک نئی جنگ کے بیج بوتا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے ۱۹۷۱ء کی جنگ دونوں ملکوں کے درمیان آخری جنگ ہوگی اور ان تین جنگوں سے دو ملکوں کے درمیان کون سا مسئلہ حل ہوا؟۔ یہ وہ سوال ہے کہ جس کا جواب دینے کی کسی کو فرصت نہیں۔ لیکن آج نہیں تو کل ہمیں اس سوال کا جواب دینا ہی ہوگا، ورنہ بہت سے

فاروقوں کی ٹانگیں کٹیں گی اور بہت سے لاڈلے اپاہج بن کر اس خوبصورت دُنیا کو اتنا بدصورت بنا دیں گے کہ اس سے گھن آنے لگے گی۔ یہ جنگ کی منطق بھی ہے اور فلسفہ بھی!۔

۱۹۷۲ء

مصنفہ: چراغ بیگ عرف کلہن ثانی

"جدید تاریخ کشمیر"

☆ جسے محکمہ تعلیم کی منظوری کے لیے پیش کیا جارہا ہے

☆ اور جو جلد ہی نامنظور کی جائے گی۔

پیش لفظ

کشمیر کی جدید تاریخ لکھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہو رہی ہے کہ نئی نسل کے لیے ابھی تک کوئی مُستند، معتبر اور مصدقہ تاریخ نہیں لکھی گئی ہے۔ کلہن کی "راج ترنگنی" اتنی قدیم ہے کہ اس کے جھوٹ یا سچ کو پرکھنے کے لیے نہ کوئی ذریعہ ہے اور نہ ہمارے پاس وقت۔ بعض غیر ملکی سیاحوں (جاسوسوں؟) کے لکھے ہوئے تذکرے یا سفرنامے موجود ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ انگریزی میں ہیں اور نئی نسل انگریزی سے ناآشنا ہے، اس لیے ان سے اِستفادہ کرنا ممکن نہیں۔ ویسے بھی غیر ملکیوں کی بات کا کیا بھروسہ؟ "تاریخِ حسن" کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس قدر طویل ہے کہ اسے پڑھنے کے لیے بے پناہ فرصت چاہیے اور نئی نسل چونکہ بڑی جلدی میں ہے اس لیے اس کے پاس اتنا وقت نہیں کہ طویل طویل کتابوں کے مطالعہ میں اپنا قیمتی وقت صرف کرے۔ ویسے بھی اس کی کتابت وطباعت اتنی پھٹیچر ہے کہ اس کو پڑھنے سے

نہ پڑھنا بہتر ہے۔ صوفی کی لکھی ہوئی ''کشیر'' تاریخ کم اور افسانہ زیادہ ہے۔ اس لیے اس کے مطالعے میں وقت صرف کرنے کی بجائے کوئی افسانوی مجموعہ پڑھنا زیادہ بہتر رہے گا۔ ادھر مسٹر پریم ناتھ بزاز اور پی، این، کے بامزئی نے بھی حالیہ تاریخ کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ بزاز صاحب کی کتاب کی خامی یہ ہے کہ اس میں بزاز صاحب زیادہ ہیں اور تاریخ کم۔ مسٹر بامزئی کی تاریخ اس قدر فرضی ہے کہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ الغرض کوئی ایسی تاریخ موجود نہیں جو نئی نسل کے تقاضوں کو پُورا کر سکے۔ اسی لیے ادارہ'' آئینہ'' نے کلہن ثانی جناب چراغ بیگ سے درخواست کی کہ وہ کشمیر کی تاریخِ جدید مُرتب فرمائیں۔ چراغ بیگ صاحب نے بڑی محنت اور ریاضت کے بعد یہ تاریخ مرتب کر لی ہے۔ اس تاریخ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں واقعات کی صحت کا'' خاص'' خیال رکھا گیا ہے۔ یہ وہ تاریخ ہے جس کو صرف ٹائن بی لکھ سکتا تھا لیکن اسے لکھ کر چراغ بیگ نے ثابت کیا ہے کہ وہ بھی ٹائن بی سے کم نہیں۔

وجہ تسمیہ

کشمیر بغیر کسی معقول وجہ کے وجود میں آیا ہے، اسے اس لیے کشمیر کے نام سے پُکارا جانے لگا کہ شعراء کو شمشیر، زنجیر، نکسیر اور تقریر کا قافیہ باندھنے میں آسانی ہو۔

آباد کار

کشمیر کو کِس نے آباد کیا، اس کے متعلق کوئی معتبر شہادت دستیاب نہیں ہوتی، البتہ اس کو برباد کرنے کی مکمل فہرست ہمارے پاس موجود ہے۔ اِس کو

آباد کرنے کا الزام عام طور پر پنڈت کیشپ بندھو کو، جو کہ سونا واری میں چیف پروجکٹ آفیسر ہیں، دیا جاتا ہے۔ لیکن سرکاری طور پر مشہور کانگریسی لیڈر شری تریلوچن دت جموں اور کشمیر کے آباد کار ہیں۔ کچھ کتابوں میں بعض بُزرگوں، ریشیوں اور مُنیوں کو بھی اس الزام میں ماخوذ کیا گیا لیکن یہ سب کچھ قیاس پر مبنی ہے اس لیے ہمیں اس پر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

ماخذ

کشمیر کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہیں:

[الف] دریائے جہلم، شیر کشمیر اور لال چوک

[ب] کشمیر پوسٹ، خالد کشمیر اور ٹورسٹ سنٹر۔

[ج] خواجہ شمس الدین، لال بہادر شاستری اور اصلی مُجرم

[د] کانگرس، غلام محمد صادق اور مداخلت کار، اس کے علاوہ بہت سے اور بھی چھوٹے ماخذ موجود ہیں جن کا تذکرہ طوالت اور خجالت کا باعث ہوگا۔

ابتدائی تاریخ

بعض ناعاقبت اندیشوں کو یہ وہم ہے کہ کشمیر کی تاریخ کا آغاز 1931ء سے ہوتا ہے۔ ہم اِس کی پُرزور تردید کر کے ایسے لوگوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی غلطی سے باز آئیں۔ کشمیر کی اصلی تاریخ کا آغاز اکتوبر 1947ء سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے تاریخ کے نام پر جو کچھ ہوا ہے وہ دراصل اُس ڈرامے کی ریہرسل تھی جو اکتوبر 1947ء کے بعد سے کھیلا جارہا ہے۔

اکتوبر 1947ء میں پاکستان نامی ایک ملک نے ہماری ریاست کی

ٹورسٹ انڈسٹری کو فروغ دینے کے لیے مظفر آباد کی جانب سے بھاری تعداد میں سیاح روانہ کیے۔ یہ سیاح اپنی ضروریات پُوری کرنے کے لیے ہر طرح کے ساز وسامان سے لیس تھے۔انھوں نے مُرغیوں، بھیڑوں اور بکریوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کا شکار بھی کھیلنا شروع کیا۔ یہ مکانوں کو جلا کر اس آگ سے گوشت بھونتے تھے اور سفر کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے انسانوں کو ہلاک کر کے ان کی جیبیں صاف کرتے تھے۔ بارہ مولہ تک پہنچتے پہنچتے یہ سیاح اتنے مقبول ہو گئے کہ انہیں مقبوؔل شیروانی کو بھی شہید کرنا پڑا۔ یہ جہاں بھی پہنچتے ان کے آنے کی خوشی میں لوگ پہلے سے ہی وہاں سے بھاگ جاتے۔ پاکستانی سیاحوں کو جہاں جہاں موقعہ مِلا، انہوں نے بلا لحاظ مذہب و ملّت (بہ طرزِ سیکولرازم) عورتوں کی عصمت کا شکار بھی کھیلا کئی مقامات پر ہمارے ٹورسٹ افسروں نے ان کی پیش قدمی روکنے کی کوششیں کی، لیکن بالآخر ہمارے افسروں کو بڑی بہادری سے پیچھے ہٹنا پڑا اور سیاح لوگ آگے بڑھتے گئے۔اس مرحلے پر رُستم زماں مہاراجہ بہادر کو ایک ضروری کام کے سلسلے میں جموں جانا پڑا۔ جموں پہنچ کر انہیں یاد آیا کہ کشمیر کو پاکستانی سیاحوں کے ہاتھوں خطرہ لاحق ہو گیا ہے، اس لیے انہوں نے ہندوستان نامی ہمسایے سے اِمداد کی درخواست کی۔ ہندوستان نے کہا کہ نہ جان نہ پہچان، میں تیرا مہمان، ہم تو آپ کو نہ جانتے ہیں اور نہ مانتے ہیں۔ اِس دستاویز پر کسی ایسے آدمی کی تصدیق کرائیے جسے ہم جانتے ہوں۔ مہاراجہ بہادر نے شیخ محمد عبداللہ نامی ایک شخص کو حکم دیا کہ اس دستاویز پر اپنے دستخط کردو۔ شیخ محمد عبداللہ ایک سکول ماسٹر تھے جو اپنی قابلیت کی بناء پر اُن دنوں پُوری ریاست کے ہیڈ ماسٹر سمجھے جاتے تھے۔ وہ ہرگز ہندوستان سے اِمداد کے حق میں نہ تھے۔ انہوں نے

دستخط کرنے سے اِنکار کر دیا، مہاراجہ بہادر نے بڑی دھمکیاں دیں لیکن شیخ صاحب نہ مانے۔آخر شیخ صاحب کو بذریعہ پولیس زبردستی دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا پھر شیخ صاحب کو ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کا ناظمِ اعلیٰ بنانے کی پیش کش کی گئی۔انہوں نے کہا کہ مجھے اقتدار سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ میں تو دُنیا چھوڑ کر کسی جنگل کی راہ لوں گا۔حکُم ہوا کہ اگر ناظمِ اعلیٰ نہ بنو گے تو گرفتار کر لیے جاؤ گے۔چار و ناچار شیخ محمد عبداللہ کو ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کا سربراہ بننا پڑا اس کے بعد پاکستانی سیاحوں کی سرکوبی کے لیے ہندوستان سے فوجیں آنا شروع ہوگئیں۔شیخ صاحب بالکل اس کے حق میں نہ تھے۔انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ہندوستانی فوج نے کشمیر کی سرزمین پر قدم رکھا تو وہ استعفیٰ دیں گے لیکن اس کے باوجود ہندوستانی فوج کشمیر میں داخل ہو کر سیدھے شالہ ٹینگ کی طرف گئی جہاں پاکستانی سیاح ان کا استقبال کرنے کے لیے تیار تھے۔غرض سیاحوں اور فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا، اور سیاحوں نے اُسی طرف بھاگنا شروع کیا جس طرف سے وہ نازل ہوئے تھے۔ اُدھر شیخ محمد عبداللہ نے ایڈمنسٹریشن میں انقلاب برپا کر دیا۔شہری آزادیاں عام کر دیں، جیلوں کے دروازے کھول دیے، ہر انسان کو اپنے من کی بات کہنے کی اجازت تھی ......

درجنوں اخبارات وجود میں آگئے۔آزادیٔ تحریر و تقریر کا یہ عالم تھا کہ لوگ کھلم کھلا شیخ صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے خلاف تقریریں کرتے تھے، مضمون لکھتے تھے، آزادیٔ ضمیر کی حفاظت کے لیے ایک سپیشل پولیس قائم کی گئی جس کا افسرِ اعلیٰ غلام قادر گاندربلی کو مقرر کیا گیا۔سپیشل پولیس اور گاندربلی کا کام لوگوں کو آزادانہ طور پر سوچنے کے لیے مجبور کرنا تھا۔شیخ صاحب نے ایک نہایت ہی نیک، بُزرگ اور آسُودہ حال شخصیت بخشی غلام محمد کو اپنا نائب مقرر کیا۔

بخشی صاحب ریاست کے اُن صاحب ثرّوت لوگوں میں تھے جو دُنیاوی
خواہشات اور مال و جائیداد کے لالچ سے بالکل بلند تھے۔ ان کا خاندان
ریاست کا متمول ترین خاندان تھا، ان کے پاس درجنوں عالی شان مکانات،
موٹریں، کاریں اور باغات وغیرہ تھے۔ شیخ صاحب نے بخشی صاحب کو اپنا
نائب مقرر کر کے ایڈمنسٹریشن کو مستحکم اور اپنے مستقبل کو محفوظ بنا لیا۔ اُدھر شیخ
صاحب عوام میں روز بروز مقبول ہوتے گئے۔ وہ جہاں سے گُذرتے، لوگ
بچھ بچھ جاتے۔ شیخ صاحب تقریباً ہر روز پبلک جلسوں میں تقریر کرتے جن
میں وہ صاف کہتے کہ ہم نے نہ فوجی امداد مانگی ہے اور نہ کسی کے ساتھ الحاق کیا
ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی دوران پاکستانی
سیاح بھاگتے بھاگتے اوڑی کے اُس پار پہنچ گئے۔ ہندوستانی افواج کو کسی پیر
بُزرگ نے یہ مشورہ دیا کہ بس یہیں رُک جاؤ، آگے نہ بڑھو! فوجیں رُک گئیں
اور اس طرح ایک ''آزاد کشمیر'' وجود میں آیا۔ جس کی تاریخ لکھنے کے لیے ابھی
تک کوئی مورخ پیدا نہیں ہوا ہے۔ ادھر کشمیر میں آزادی کے جشن منانا شروع
ہو گئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے جواب خالص شیر کشمیر ہو گئے تھے، عوام کی تائید اور
حمایت حاصل کیے بغیر حکومت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لیے انہوں نے
ایک نمائندہ اسمبلی کے لیے انتخابات کرنے کا اعلان کر دیا۔ ریاست کی تاریخ
میں ان انتخابات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان انتخابات سے
آزادانہ، دیانت دارانہ اور غیر جانب دارانہ انتخاب کی وہ صحت مند روایت
قائم ہو گئی جسے شیر کشمیر کے جانشینوں نے بڑی وفا داری کے ساتھ آگے
بڑھایا۔ اس انتخاب میں شیر کشمیر کی جماعت نیشنل کانفرنس نے ۷۵ اُمیدار
کھڑے کیے۔ ہر نشست پر مخالفوں نے زبردست مقابلہ کیا لیکن شیخ صاحب

کی بے پناہ مقبولیت اور نیشنل کانفرنس کے جادُو کے آگے کس کی پیش چل سکتی تھی! اکثر مخالفوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں اور ۷۵ کے ۷۵ اُمیدوار ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔ دُنیا کی تاریخ میں کسی جماعت کو اتنی عظیم کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے اور بقول شاعر ؎ یہ سب رنگ لایا میاں شیر کشمیر! اسمبلی کے اکثر ممبران بہت ہی نیک، شریف، عالم، فاضل اور دیانت دار آدمی تھے۔

آئینی دور

آئین ساز اسمبلی کے قیام کے بعد سے ریاست کی تاریخ کا آئینی دور شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس ریاست میں جو کچھ ہوا، اُسے آئین اور قانون کی ضمانت حاصل ہوگئی۔ شیخ صاحب نے اسمبلی میں صاف صاف کہہ دیا کہ ہم ہندوستان کے ساتھ الحاق کو توڑ کر ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے ممبروں نے اس پر زور وشور سے تالیاں بجائیں، پھر کسی من چلے ممبر نے کھڑے ہو کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شیخ صاحب اور ان کے ایک اور ساتھی مرزا محمد افضل بیگ نے (جن کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا) اُسے آنکھیں دِکھائیں اور اُسے بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔ اُن ہی دنوں کچھ انگریز اور امریکن کشمیر آئے اور اُنہوں نے شیخ صاحب کو ورغلایا کہ تم اپنے کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کے چکر میں نہ پھنساؤ بلکہ اسے امریکہ لے آؤ، تم اور تمہارے کشمیری خوب عیش کریں گے۔ شیخ صاحب کو یہ خیال پسند آیا، لیکن ان کے نائب بخشی غلام محمد نے اس کی سخت مخالفت کی۔ ان دِنوں اسمبلی کے صدر بتہ مالنہ سرینگر کے کوئی غلام محمد تھے جو بعد میں صادق کے نام سے مشہور ہوئے، فیصلہ ہوا کہ اس سوال کا فیصلہ اسمبلی میں ہوگا۔ جو اکثریت سے

جیتے گا، اسی کی بات مانی جائے گی۔ پھر ایک دن اسمبلی کا اجلاس بڑے زور و شور سے ہوا۔ پہلے شیخ صاحب نے ایک آزاد اور خود مختار کشمیر کی تجویز پیش کی، یہ تجویز سنتے ہی ممبران نے زور زور سے تالیاں پیٹنا شروع کیں۔ چشم دید گواہ یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ ان تالیوں کا مقصد تجویز کی پُر زور حمایت تھا یا اظہار ناپسندیدگی۔ لیکن عام اندازے کے مطابق ممبران کو شیر کشمیر کی بات بہت پسند آئی۔ اس کے بعد ممبران نے بخشی صاحب کی مدلل تقریر سُنی۔ انہوں نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کو بدستور قائم رکھنے پر ایسے ایسے دلائل پیش کیے کہ نہ صرف ممبران اسمبلی بلکہ گیلریوں میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی حیران ہوئے۔ ممبروں نے پھر زور زور سے تالیاں بجانا شروع کیں۔ گیلریوں میں بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ یہ کیسے ممبر ہیں کہ ہر تقریر پر تالیاں پیٹتے ہیں۔ اسی اثنا میں اسمبلی کے صدر غلام محمد صادق نے شیخ صاحب کی تجویز پر ووٹ مانگے تو اسمبلی میں ۷۵ میں سے ۷۵ ووٹ ان کے خلاف پڑے۔ اس طرح شیخ عبداللہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کثرت رائے سے منظور ہوگئی۔ شیخ صاحب اسمبلی کے پچھلے دروازے سے بھاگ گئے اور ایوانِ نمایندگان نے کثرتِ رائے سے بخشی صاحب کو اپنا لیڈر چن لیا۔ اس طرح وہ شیخ صاحب کے نائب وزیر اعظم ہوکر شیخ صاحب کے مشن کو آگے بڑھانے لگے۔

زرّیں دور

بخشی صاحب کے دور کو جدید تاریخ کشمیر کا زرّیں دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں کشمیر میں دُودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں اور ریاست نے ہر شعبے میں بڑی نمایاں ترقی کی۔ ریاست میں غنڈہ گردی کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا۔ کونے کونے میں سڑکوں اور مدرسوں کا جال بچھایا گیا۔ روزگار کے نئے نئے

وسائل پیدا ہو گئے ۔ اکثر افسر اوپر کی آمدنی پر گذارہ کرنے لگے ۔ شہری آزادیوں کا وہ بول بالا ہوا کہ لوگوں کو بڈشاہ کی یاد آنے لگی ۔ اس لیے اکثر لوگ بخشی صاحب کو بڈشاہ ثانی کے نام سے یاد کرنے لگے ۔ بخشی صاحب نے ہندوستان سے نہ صرف لا تعداد روپیہ اور غلہ منگوایا بلکہ کئی نئی شہری آزادیاں بھی درآمد کیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست بھر میں نہ کبھی دفعہ ۱۴۴ نافذ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ کبھی کسی کو گرفتار کرنے کی نوبت آئی ۔ جب شیخ محمد عبداللہ کے خلاف لوگوں کا غم وغصہ بہت زیادہ بڑھ گیا اور اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں عوام انہیں جان سے نہ ماردیں تو ان کی حفاظت کے لیے انہیں کُد کے ایک بنگلے میں محصور (محفوظ؟) کر دیا گیا ۔ شیخ صاحب نے احسان نافراموشی کا ثبوت دیتے ہوئے کُد کے بنگلے سے ہی پاکستان کے ساتھ سازو باز کرنا شروع کر دی اور اس طرح ریاست کی آئینی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی فکر میں لگ گئے ۔ بخشی صاحب سے بھلا کوئی بات کیوں کر چھپی رہتی ۔ انہوں نے شیخ عبداللہ کے دستخطی خطوط پکڑ لیے اور انہیں قانون کے سپرد کر دیا ۔ اس طرح ان کے خلاف سازش کا مقدمہ دائر ہوا ۔ جس میں کئی ہزار گواہوں نے شیخ صاحب کے خلاف بیانات دئے ۔ ان گواہوں کو قومی خدمات کے صلے میں نقدی و جنسی انعامات سے نوازا گیا ۔ غرض بخشی صاحب کے دور میں قانون کی عمل داری کا دور دورہ رہا ۔ ریاست میں کہیں ظلم یا انصافی کا نام و نشان باقی نہ رہا ۔ اکثر لوگ اپنے گھروں میں تالا ڈالے بغیر چلے جاتے تھے لیکن کیا مجال کہ کوئی چیز اپنی جگہ سے ہٹے ! بخشی صاحب نے اپنی اور اپنے خاندان کی ساری جائیداد لوگوں کی بہتری کے لیے وقف کر دی ۔ انہوں نے جگہ جگہ پل تعمیر کیے ، کنویں کھودے اور سرائیں بنائیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا

خاندان بے حد غریب اور مُفلس ہو گیا۔ بخشی صاحب کے دورِ حکومت میں دو عام انتخابات عمل میں آئے ۔ یہ انتخابات اسی طرح آزادانہ اور غیر جانب دارانہ ماحول میں منعقد کیے گئے جس طرح شیخ صاحب کے دور میں ہوئے تھے۔ ان انتخابات کی خوبی یہ ہے کہ کسی کو ان کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہے۔ صرف ملکی اخبارات ہی نے نہیں بلکہ غیر ملکی پریس نے بھی ان کی بے حد تعریف کی ہے۔ ہر انتخاب میں بخشی صاحب کی جماعت کامیاب و کامران ہو کر آگے بڑھتی گئی اور وہ روز بروز مقبول ہوتے گئے۔ اسی اثنا میں بخشی صاحب کے ایک بہت ہی ذہین اور پڑھے لکھے رشتہ دار عبدالرشید کشمیر کے سیاسی اُفق پر طلوع ہو گئے ۔ رشید صاحب نے اپنا بچا کھچا اثاثہ بھی قوم پر قربان کر دیا اور ریاست کی تاریخ میں اپنی ذہانت ، اپنی خطابت اور اپنی زور دار تحریر سے نام پیدا کر گئے ۔ ان کی شخصیت اتنی ہمہ پہلو اور رنگا رنگ ہے کہ اس کا کسی دوسرے باب میں تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔ بخشی صاحب کے دور کو زریں بنانے میں غلام قادر گاندربلی ، جن کا ذکر ابتدائی تاریخ کے باب میں آیا ہے ، کی ذاتِ گرامی کا بھی بڑا دخل ہے۔ گاندربلی اس دور کا جہانگیر تھا جو کوٹھی باغ کے چنڈو خانے میں بیٹھ مل کر عدل وانصاف کیا کرتا تھا۔ اُس کے انصاف اور علم و فضل کی دُھوم ریاست ہی میں نہیں بلکہ بیرون ریاست میں بھی مچی ہوئی تھی ۔ بخشی صاحب کے وزیر اعظم بننے کے ساتھ ہی ڈی ، پی ، در نامی ایک نوجوان نے بھی پر پُرزے نکالنے شروع کیے اور رفتہ رفتہ یہ پوری سلطنت پر چھانے لگا بخشی غلام محمد نے جو ایک دور اندیش حکمران تھے ، ڈی ، پی ، در کو وی ، پی پی کرنے کے لیے کہیں دور بھیجنے کا فیصلہ کیا اس پر ڈی ، پی اور بخشی میں ٹھن گئی اور ڈی پی نے غلام محمد صادق اور شاہ آباد ڈورو کے میر قاسم کو (جن کا ذکر

بعد میں آئے گا) ساتھ لے کر بخشی کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا..........

اس مرحلے پر ریاستی سیاست کے اُفق پر غلام نبی وانی سوگامی، خواجہ شمس الدین اور میر غلام محمد راجپوری بھی نمودار ہو گئے۔ بخشی غلام محمد نے بڑے حوصلے اور تدبّر کے ساتھ ''ڈیموکریٹ'' بغاوت کو فرو کیا۔ جنگِ راحت و معرکۂ رینز و قابل ذکر لڑائیوں کے نام ہیں۔ اول الذکر میں رحمٰن راحت نامی ڈیموکریٹ جنرل نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے، دوسری لڑائی میں غلام رسول رینزو نامی اپنے فوجی دستے سمیت بخشی سے مل گئے۔ ڈی، پی در اقتدار سے باہر رہ کر چونکہ زندہ نہیں رہ سکتے، اس لیے انہوں نے تمام ڈیموکریٹ لیڈروں کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا اور اس طرح دو سال کی لڑائی کے بعد ڈیموکریٹک فوجوں نے بخشی کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور اپنی شکست تسلیم کرنے کے عوض صادق، ڈی، پی، قاسم اور ڈوگرہ نامی پہلوان کو وزیر مقرر کر لیا گیا۔ جب بخشی کے خلاف کوئی سازش کارگر نہ ہوئی تو اس کے مخالفین بہت پریشان ہو گئے۔ اس مرحلے پر جنوبی ہندوستان کے ایک مشہور فقیر کامراج کو گانٹھ لیا گیا۔ شری کامراج نے ایک تعویذ پر کچھ عبارت لکھ کر بخشی کے دشمنوں کے حوالے کر دی اور ہدایت کی کہ بے خبری میں اسے بخشی غلام محمد کو پانی کے ساتھ پلاؤ۔ دشمنوں نے ایسا ہی کیا اور بخشی کا زوال شروع ہو گیا۔ انہیں وزارت اعظمیٰ سے استعفیٰ دِلوایا گیا۔ جب بخشی کو پتہ چلا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے تو وہ بہت پریشان ہو گئے۔ انہوں نے ''استعفیٰ واپس لو'' کے نعرے لگوائے مگر بے سُود!۔

بخشی کے استعفیٰ کے بعد خواجہ صادق کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ وہ اسمبلی کے لیڈر چُنے جائیں گے لیکن انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ پوری اسمبلی ایک

نوجوان شمس الدین کے پیچھے لٹو ہوگئی ہے اور صادق صاحب کو کوئی لفٹ ہی نہیں دیتا۔ شمس الدین تحریک آزادی کے پرانے جانبازوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے 1929ء میں جب ابھی شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ اور غلام محمد صادق کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا، مہاراجہ بہادر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا، وہ کئی بار جیل جا چکے تھے اور اپنی عوامی خدمات کے لیے عوام و خواص میں بے حد مقبول تھے۔ وہ فارسی کے مشہور عالم، اُردو کے مشہور ادیب اور انگریزی کے مشہور خطیب تھے۔ اس لیے ممبرانِ اسمبلی نے کثرتِ رائے سے انہیں اپنا لیڈر منتخب کیا۔

اصلی مُجرم کا دور

یہ دور اگر چہ بہت ہی مختصر ہے لیکن تاریخی واقعات اور دیرپا اثرات کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رشوت ستانی کو ختم کرنے کے لیے کچھ اہم اقدامات کیے گئے۔ مثلاً سبھی سرکاری ملازمین سے یہ حلف اُٹھوایا گیا کہ وہ رشوت ستانی اور بدعنوانی سے دور رہیں گے۔ یہ مہم اُس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گئی جب مردِ درویش جناب غلام محمد راجپوری نے سرینگر سٹیڈیم میں ہزاروں سرکاری ملازمین سے یہ حلف پڑھوایا۔ جن 97 آدمیوں نے یہ حلف پڑھنے سے انکار کیا، اُنہیں خصوصی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے سرکاری ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ اس طرح چند دنوں کے اندر اندر انتظامیہ سے تمام ناپسندیدہ عناصر کو نکال دیا گیا اور پوری ریاست میں عدل و انصاف، برابری و برادری کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ رعایا ہر طرح سے خوش حال تھی۔ شمس صاحب رات کو فقیروں کا بھیس بدل کر اپنی رعایا کا احوال جاننے کے لیے نکلتے تھے۔ اسی دوران کسی نامُراد سے حضرت بل سے

موئے مقدس کو اپنی جائے پاک سے ہٹانے کا قبیح فعل سرزد ہوا جس سے کشمیر کے امن و امان میں خلل پڑ گیا۔ شمس صاحب نے بڑی جوان مردی اور بہادری سے اس صورت حال کا مقابلہ کیا اور صرف کچھ دنوں میں ہی موئے مقدس کو بازیافت کیا۔ اس کے بعد موئے مقدس چرانے والی اصلی مجرم کی تلاش شروع ہوگئی جو ابھی تک جاری ہے اور خدا جانے کب تک جاری رہے! تقریباً تین ماہ وزارت اعظمیٰ کے مسند پر بیٹھنے کے بعد خواجہ شمس الدین کی ملاقات لال بہادری شاستری نامی ایک فقیر سے ہوگئی۔ فقیر نے شمس صاحب کے ہاتھ کی ریکھائیں دیکھ کر انہیں مشورہ دیا کہ وزاراتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دو، نہیں تو بہت بڑا طوفان آنے والا ہے جس میں تم سب لوگ ڈوب جاؤ گے! شمس صاحب کو پیروں فقیروں پر بڑا اعتقاد تھا انہوں نے جھٹ سے استعفیٰ دیا اور اس طرح خواجہ غلام محمد صادق کو وزیر اعلیٰ بننے کا موقعہ نصیب ہوا۔

آخری دور

خواجہ غلام محمد صادق کا دور کشمیر کی جدید تاریخ کا آخری دور ہے۔ ان کا دورِ حکومت کئی لحاظ سے پرانے حکمرانوں کے دور سے مختلف ہے۔ انہوں نے وزارت کا قلمدان سنبھالتے ہی ریاستی عوام سے اتنے وعدے کیے کہ بہت سے لوگ ابھی تک ان وعدوں کی فہرست بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ابتدا میں ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو شہری آزادیاں دے کر شہری آزادیوں کو دیہاتی آزادیوں کی سطح پر لا کر رکھ دیا۔ انہوں نے تمام بدنام رشوت خور افسروں کی حوصلہ افزائی کی بچی کچھی رشوت ستانی اور بدعنوانی کا قلع قمع کر دیا۔ ریاست میں تحریر و تقریر کی آزادی کو مستحکم بنانے کے لیے بیک وقت دس اخباروں کو بند کر دیا تا کہ باقی ماندہ اخباروں کی تجارت کو فروغ

حاصل ہو۔ بیرون ریاست سے نیشنل کانگرس نام کی ایک جڑی بوٹی منگوا کر ریاست میں اس کی کاشت شروع کردی۔ جیلوں کے دروازے کھول کر بہت سے شیروں کو آزاد کیا اور بکریوں کے علاج کے لیے شفا خانے قائم کیے۔ ان کے دور میں شیر اور بکرا کچھ دیر تک ایک ہی گھاٹ میں پانی پیتے رہے۔ پھر ایک دن شیر نے بکری کے دولتی ماری اور شیر بکرا فساد ہو گیا۔ شہری آزادیوں کی بے پناہ بارش نے جب سیلاب کی سی صورت اختیار کی تو صادق صاحب اور ان کے ساتھیوں نے شہری آزادی کی راشن بندی کردی۔ اب ہر شہری کو سرکاری ڈیپو سے شہری آزادیوں کا راشن ملنے لگا۔ اس میں رفتہ رفتہ بد عنوانیاں ہونے لگیں، سرکار نے اپنے چہیتوں کو زیادہ آزادیاں دیں اور اپنے مخالفین کا راشن کم کیا۔ آخر میں مخالفین بالکل ہی راشن سے محروم کردئے گئے۔ صادق صاحب کے وزیرِ تدبیر شری درگا پرشاد در نے نئی دہلی سے ڈی، آئی، آر کے انجکشن ہزاروں کی تعداد میں منگوائے، اس طرح ہزاروں لوگوں کو ڈی، آئی، آر کے انجکشن لگا کر شہری آزادی کے انفیکشن (Infection) کو دور کیا گیا۔ اسی اثنا میں بقولِ درگا پرشاد در کے پاکستان نے ہماری جغرافیہ کا فائدہ اٹھا کر ایک بار پھر ہماری ریاست میں جدید قسم کے سیاح روانہ کیے یہ سیاح بغیر کسی مزاحمت کے سری نگر کے قریب پہنچ گئے، محمد دینؔ نامی گوجر نے ریاست کو تباہی سے بچالیا ورنہ ڈی، پی صاحب نے پوری قوم کا بیڑا غرق کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ جب محمد دینؔ گوجر کو اپنی غیر معمولی قومی خدمات کے صلے میں پدم بھوشن کا اعزاز دیا گیا تو ڈی، پی صاحب نے جھگڑا کیا کہ دراصل یہ اعزاز انہیں مل جانا چاہیئے۔ صادق صاحب نے اپنے ایک پیش رُو بخشی غلام محمد کے نظام حکومت کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی

ادارہ بھی قائم کیا۔ یہ ادارہ ان دنوں اس تحقیق و تفتیش میں مصروف ہے کہ بخشی صاحب کی کامیابی اور مقبولیت کے کیا اسباب تھے۔ کچھ لوگوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ یہ تحقیقاتی ادارہ (ریسرچ انسٹی ٹیوٹ) مزید کچھ لیڈروں کے متعلق بھی تحقیق کرے لیکن صادق صاحب کے ساتھی اس پر رضا مند نہیں اور صادق صاحب ایسی کوئی بات نہیں کرتے جس میں ان کے ساتھیوں کی رضا مندی حاصل نہ ہو۔ پچھلے سال صادق حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے بخشی غلام محمد نے ممبران اسمبلی کی اکثریت کو ورغلایا تھا لیکن صادق صاحب کو بروقت اس کا علم ہو گیا، اس لیے انہوں نے جمہوریت کو بچانے کے لیے نہ صرف یہ کہ اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا بلکہ بخشی غلام محمد کو ڈی، آئی، آر کا انجکشن بھی لگا دیا اس طرح جمہوریت بال بال بچ گئی......۔

پچھلے دو سال میں، جسے ہم نے تاریخ کشمیر کے آخری دور سے تعبیر کیا ہے، ہم نے ''زیادہ اناج اُگاؤ''، کی طرح زیادہ جمہوریت اُگاؤ'' اپنا ماٹو بنایا ہے۔ یہ الگ سوال ہے کہ جس طرح ہم زیادہ اناج اُگانے کے سلسلے میں ناکام رہے ہیں اِسی طرح ہمارے لیڈروں کی مہربانی اور ہمارے ہاں کے عوام کی نادانی کی وجہ سے جمہوریت زیادہ ہونے کے بجائے کم ہوتی جا رہی ہے لیکن اس کا کوئی مضائقہ نہیں۔ جب تک ڈی، پی صاحب، غیاث الدین صاحب، ڈوگرہ صاحب، کار صاحب، طارق صاحب، سردار ہربنس سنگھ آزاد .... حتیٰ کہ میجر پیارا سنگھ وزیر بنے رہیں، ہمیں اس بات کی پروا نہیں کرنا چاہیئے کہ اس ریاست میں جمہوریت ہے یا نہیں، کیونکہ ہماری جدو جہد آزادی کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہمارے کچھ بھائی بند برسرِ روزگار ہو جائیں۔ پچھلے دو سال میں ریاست کے انتظامیہ میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔

اب کہیں کسی محکمے میں کورپشن یا بد دیانتی کا کوئی نام لیوانہیں رہا ہے۔ جتنے بدمعاش، بدکردار، بد دیانت اور نااہل افسر تھے، سب کو چلتا کر دیا گیا ہے۔ ان کی جگہ بہت ہی نیک اور اچھی شہرت رکھنے والے افسر بھرتی کیے گئے ہیں، جن افسروں نے ناجائز ذرائع استعمال کر کے جائیدادیں بنائی ہیں ان کی جائیدادیں ضبط کر کے محکمۂ رفاہ عامہ کو دی گئی ہیں۔ جن افسروں نے بخشی صاحب کے عہدِ حکومت کے دوران بدعنوانیاں کر کے سرکاری خزانے کو لوٹا تھا وہ آج دو سال سے تھانہ کوٹھی باغ میں بند پڑے ہیں اور کوئی ان کی ضمانت بھی نہیں دیتا! غرض زندگی کے ہر شعبے میں انصاف ہی انصاف ہے کسی کو بلا وجہ گرفتار نہیں کیا جاتا، اور اگر کیا جائے تو اسے قانون کے مطابق چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ عام قانون کے علاوہ ڈی، آئی، آر کا ایک خصوصی ایڈیشن بھی ریاست پر لاگو ہے جس کے تحت چور، اُچکے اور بدمعاش گرفتار کیے جاتے ہیں۔ ہر طرح کا امن و امان قائم ہے، نہ چوری کا ڈر اور نہ ہی رہزنی کا کھٹکا! ریاست میں خوراک کی اتنی بہتات ہے کہ بہت سے لوگ زیادہ کھانے سے مر جاتے ہیں، تحریر و تقریر کی وہ آزادی ہے کہ کبھی نہ تھی۔ کسی اخبار پر کبھی سنسر تک عائد نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی اخبار وزیروں کے خلاف لکھ لکھ کر ملک کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش کرے تو اس پر سنسر عائد کرنے کے بجائے اسے بند کر دیا جاتا ہے۔ کچھ اخبارات کو، جن کی اشاعت بے حد قلیل ہے اور جن کے ایڈیٹر صاحبان بے حد ذلیل ہیں، زندہ رہنے کے لیے سرکار کی طرف سے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی کا یہ حال ہے کہ بہت سے قصائی ایڈیٹر ہو گئے ہیں اور کئی نابالغ لیڈروں کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں۔ الغرض یہ آزادی نہ کبھی دیکھی

تھی اور نہ کبھی سنی تھی!۔

آزادی کی اس برسات سے یہ فائدہ (نقصان؟) ہوا کہ خودرَو گھاس کی طرح بہت سی جائز و ناجائز سیاسی جماعتیں اور انجمنیں وجود میں آ گئی ہیں۔ سیاسی جماعتوں میں سب سے زیادہ مقبول جماعت ریاستی کانگرس ہے۔ ریاستی کانگرس کے بُنیادی ممبر اگرچہ صرف پندرہ لاکھ ہیں لیکن ریاستی آبادی کے باقی تیس لاکھ اشخاص بھی دراصل کانگریس ہی کو اپنا واحد ملجا سمجھتے ہیں۔ اس تنظیم کا جال ریاست کے کونے کونے میں پھیلا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ہیون ہینگ (جہاں کہ فوکر فرینڈ شپ گر کر تباہ ہو گیا تھا) میں بھی اس کی ایک شاخ موجود ہے۔ کانگرسی لیڈر عوام میں اس قدر مقبول ہیں کہ وہ چاہیں تو شیخ محمد عبداللہ کا گھر سے نکلنا دشوار ہو جائے!۔

مقبولیت کے لحاظ سے دوسرا نمبر پولیٹکل کانفرنس کا ہے، اس کانفرنس میں بھی بقولِ خواجہ غلام محی الدین قرہ ساکنہ بتہ مالنہ (حال نظر بند) کشمیر کے ۴۰ لاکھ عوام (ایک کم نہ زیادہ) شامل ہیں۔

اس کے بعد عوامی ایکشن کمیٹی کا نام آتا ہے اس ایکشن کمیٹی کے ساتھ لوگ تو نہیں لیکن ریاست کے ۳۲ لاکھ فرزندانِ توحید ہیں۔

آخری نمبر محاذ رائے شماری کا ہے۔ اس جماعت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو پندرہ سال پہلے مر چکے ہیں اور وہ بھی جو پندرہ سال بعد پیدا ہونے والے ہیں۔ اس کی ممبر شپ کی صحیح تعداد (صرف مرکزی محکمۂ سُراغ رسانی) کو ہی معلوم ہے۔ لیکن لیڈروں کا دعویٰ ہے کہ یہ ریاست کے ۷۹ لاکھ عوام کی نمائندہ جماعت ہے (۷۹ لاکھ میں غالباً یہاں کے مال مویشی، چرند و پرند بھی شامل ہیں)۔

ایک اور جماعت کا تذکرہ کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ یہ جماعت ابھی بنی نہیں بننے والی ہے! یعنی ''آرہا ہے، آپ کے شہر میں'' کا اشتہار تو لگ چکا ہے لیکن ابھی تک جماعت عدمِ وجود سے وجود میں نہیں آئی ہے۔ اس جماعت کو پیدا کرنے کا نوٹس سابق وزیراعظم بخشی غلام محمد نے دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس وقت بخشی صاحب کے کارندے ان لوگوں کی فہرست بنا رہے ہیں جو کانگرس، پولٹیکل کانفرنس، ایکشن کمیٹی اور محاذ رائے شماری میں شامل نہ ہوں تا کہ انہیں اس نئی جماعت کا ممبر بنایا جائے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس معاملے میں انہیں سخت دِقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ ہر کشمیری بیک وقت کانگرس، محاذ اور ایکشن کمیٹی کا ممبر ہے۔ خیال ہے کہ اب انھی لوگوں کو نئی جماعت کا ممبر بھی بنایا جائے!۔

حرفِ آخر

ابھی پچھلے دنوں ریاستی کابینہ میں جو تغیر ہوا، وہ وزیروں کے مشورے سے نہیں بلکہ ان کی ہدایات کے مطابق ہوا ہے۔ ڈی، پی صاحب نے بڑی منت و سماجت کے بعد وزارت داخلہ سے اور طارق صاحب نے وزارت اطلاعات سے چھٹکارا حاصل کیا ہے۔ اسی طرح شری کار بڑی مدّت سے بجلی اور تعمیرات عامہ کے محکمے چھوڑنا چاہتے تھے اور صادق صاحب نے ان کی خواہشات کی قدر کرتے ہوئے انہیں ان محکموں سے نجات دی۔ پیر غیاث الدین صحت سے تنگ آچکے تھے اس لیے ان کی درخواست پر انہیں خوراک کا محکمہ سونپا گیا۔ الغرض محکموں کی تبدیلی سے وزیروں کی ناراضگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس سے کابینہ میں پہلے سے زیادہ اتحاد اور اتفاق پیدا ہو گیا ہے۔

خاص خاص باتیں

۱. کشمیر کی تاریخ ۱۹۳۱ء سے نہیں بلکہ ۱۹۴۷ء سے شروع ہوتی ہے
۲. اسے کیشپ ریشی نے نہیں، کیشپ بندھو نے بسایا ہے۔
۳. شیخ محمد عبداللہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرانا چاہتے تھے۔
۴. ہندوستانی فوجیں ریاست میں زبردستی داخل ہوگئیں۔
۵. شیخ صاحب نے 1951ء میں جو انتخابات کروائے وہ سو فی صدی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تھے۔
۶. شیخ صاحب کے خلاف اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پیش ہو کر کامیاب ہوگئی۔
۷. بخشی غلام محمد بیک وقت نورشیروان عادل، جہانگیر اور بڈشاہ ثانی تھے
۔
۸. اُن کا دور ریاست کی تاریخ کا ''زرّیں دور'' تھا۔
۹. وہ وزیر اعظم ہونے سے پہلے بہت بڑے رئیس تھے۔انہوں نے اپنی ساری دولت اپنی رعایا کی خوش حالی پر صرف کردی۔
۱۰. صادق صاحب کے دور میں جمہوریت ،شہری آزادیوں ، اناج اور زلزلوں کی افراط ہے۔
۱۱. اب ریاست میں رشوت ستانی ، بدعنوانی یا بد دیانتی کا کہیں نام ونشان بھی نہیں رہا ہے۔
۱۲. ریاست کی ہر سیاسی جماعت کو یہاں کے چالیس لاکھ عوام کا اعتماد حاصل ہے۔

سوالات

۱. کشمیر کے وجود میں آنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے کس کو فائدہ ہوا؟۔
۲. آپ کشمیر میں کیوں پیدا ہوئے؟ کیا آپ کہیں اور پیدا نہیں ہو سکتے تھے؟ اگر آپ یہاں پیدا ہو بھی گئے تو ابھی تک کشمیر چھوڑ کر چلے کیوں نہیں گئے؟۔
۳. آزادی اور غلامی میں کیا فرق ہے؟ بتایئے کہ آپ کب آزاد تھے، ۱۹۴۷ء سے پہلے یا اس کے بعد؟
۴. آزادی بہتر ہے یا غلامی؟ سوچ سمجھ کر جواب بتایئے!
۵. ریاست میں رشوت کی آمدنی کی فی کس شرح کیا ہے؟ آپ ایک ماہ کے اندر کتنی رشوت دیتے ہیں اور کتنی لیتے ہیں؟
۶. شیخ محمد عبداللہ سطح سمندر سے کتنے اونچے ہیں؟
۷. مرزا محمد افضل بیگ کا حدود اربعہ کیا ہے؟ اور یہ بھی بتایئے کہ محاذ رائے شماری کا صدر کون ہے؟
۸. آپ نے اخبار کا چندہ ادا کیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کب تک ادا کرنے کا ارادہ ہے؟
۹. اپنی صحت کے بارے میں مفصل نوٹ لکھیے اگر آپ تندرست ہوں تو یہ بتایئے کہ اس کی وجوہات کیا ہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ رشوت لیتے ہیں؟
۱۰. آپ کتنی بیویوں کے شوہر اور کتنے بچوں کے باپ ہیں؟ یہ بتایئے کہ آپ کے پیدا ہونے کی ضرورت کیا تھی؟ آپ کے پیدا نہ ہونے سے کون سا انقلاب آجاتا؟ اس پر بحث کیجیے!

☆☆☆

قلی مستان

حاجی مرزا مستان سے مرحوم شمیم احمد شمیم کی پہلی ملاقات جنوری ۱۹۷۴ء میں ہوئی تھی۔ آئینہ میں ان کی کہانی تین قسطوں میں شائع ہوئی تھی، بہت کوشش کے باوجود کہانی کی پہلی قسط دستیاب نہیں ہو سکی۔ لیکن دوسری اور تیسری قسط پڑھ کر بھی کہانی کا لب لباب واضح ہو جاتا ہے اور زبان و بیان کے لحاظ سے بھی یہ ایک شاہکار ہے اس لیے پہلی قسط نہ ہونے کے باوجود یہ یقیناً قابلِ اشاعت ہے۔

مستان میرزا کا افسانہ

اس سال جنوری کے اوائل میں، جب شیخ صاحب بمبئی خیر الاسلام کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے بمبئی تشریف لے گئے، تو میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ صابو صدیق کے وسیع احاطے میں افتتاحی جلسے اور مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا اور ڈائس پر مہاراشٹر گورنمنٹ کے وزیرِ صحت ڈاکٹر رفیق ذکریا کے علاوہ بمبئی شہر کی چیدہ چیدہ سیاسی شخصیات، میدانِ صحافت کے نامور شہ سوار اور انجمن خیر الاسلام کے سرکردہ اراکین موجود تھے۔ میرے قریب ہی ایک سیاہ فام، دُبلا پتلا، بلکہ سوکھا مریل سا نوجوان ایک بھڑکیلا سوٹ پہنے میری طرف یوں گھور رہا تھا کہ جیسے وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا ہو، لیکن اس کی ہمت نہ پڑ رہی ہو، اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور وہ مسلم لیگیوں کے مخالفانہ مظاہرے سے بہت بے چین نظر آ رہا تھا، چند لمحوں کے بعد وہ ڈائس

سے نیچے گیا اور پھر کچھ دیر بعد ایک نوجوان سلیم جہاں گیر کو اپنے ہمراہ سٹیج پر لایا، جلسے کی کاروائی شروع ہو چکی تھی، ڈاکٹر رفیق ذکریا خطبہ استقبالیہ پڑھ رہے تھے، کہ سلیم جہاں گیر نے مجھ سے سرگوشی کے انداز میں کہا ''شمیم بھائی ان سے ملئے یہ ہیں حاجی مستان میرزا''۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ سیاہ فام، دُبلا، پتلا، سوکھا مریل سا نوجوان، جس کی آنکھوں میں مجھے ایک غیر معمولی چمک دکھائی دی تھی میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا، یہ تھا میرا حاجی مستان میرزا سے پہلا تعارف۔ اور وہیں بیٹھے بیٹھے مستان میرزا نے مجھ سے اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا، کہ وہ کل کسی وقت شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

بمبئی میں اپنے آٹھ روزہ قیام کے دوران شیخ صاحب سینکڑوں افراد سے ملے اور درجنوں عقیدتمندوں کے ہاں چائے اور کھانے کی دعوتوں پر مدعو ہوئے، ایک دن حاجی مستان میرزا نے بھی اصرار کیا، کہ ایک شام کا کھانا ان کے ہاں تناول کیا جائے شیخ صاحب کے تئیں میرزا کی معصوم عقیدت، والہانہ محبت اور بے پناہ اصرار کے پیش نظر میں انکار نہ کر سکا۔ اور میں نے 'ہاں' کر دی۔ مستان میرزا کی دعوت بمبئی کے معیار کے مطابق بہت پُر تکلف اور شاندار ثابت ہوئی۔ انہوں نے انجمن خیر الاسلام کے سرکردہ اراکین کے علاوہ بمبئی کے کئی شاعروں اور فلمی ستاروں کو بھی مدعو کیا تھا۔ دلیپ کمار تو شہر سے باہر تھے لیکن ان کے بھائی اور بہن دعوت میں شریک تھے۔ نمی، علی رضا، سجنا، ہیما مالنی، سنجیو کمار اور بہت سے نئے پرانے اداکار بھی موجود تھے، اور یہ سب لوگ شیخ صاحب کو اپنے درمیان دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ میں نے اپنی حماقت میں اپنے ایک صحافی دوست عرفان اللہ خان (جو اس سے

پہلے ''کرنٹ'' میں کام کرتے تھے اور اب انڈین ایکسپریس میں ہیں) کو بھی مدعو کرایا تھا، اور اس خبیث نے نمک مرچ لگا کر اخبارات میں اس دعوت کی اس انداز سے تشہیر کی کہ بہت سے لوگ ننانوے کے چکر میں پڑ گے، اور یہ حساب لگانے لگے کہ حاجی مستان میرزا نے شیخ صاحب کو دس لاکھ روپے دیئے یا ایک کروڑ دس لاکھ۔

عرفان اللہ خان کے ایک دوست راجندر پوری دہلی STIR نام کا ایک ہفت روزہ نکالتے تھے، عرفان نے ایک دوست سے غداری کر کے دوسرے دوست سے وفاداری نبھانے کے خیال سے راجندر پوری کو اس دعوت کا افسانہ سنایا اور پوری صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دوسرے دن اپنے چیتھڑے کے پہلے صفحے پر یہ خبر شائع کی کہ حاجی مستان میرزا نے شیخ صاحب کو کشمیر میں انتخابات لڑنے، ہسپتال بنوانے اور نہ معلوم کس کس کام کے لیے دس لاکھ روپے دے دیئے بس پھر کیا تھا۔ انگریزی کے اس گمنام ہفت روزے کے افسانے کا اُردو کے بدنام اخباروں میں خوب چرچا ہوا اور دہلی سے شائع ہونے والے ایک ہفت روزے ''نئی دنیا'' نے اس خبر میں مزید گرم مصالحہ ڈال کر زیادہ چٹپٹا بنا دیا۔ ہیما مالنی کا ذکر کچھ اس انداز سے ہوا کہ جیسے شیخ صاحب خاص اس قتالہ سے ملنے کے لیے وہاں گئے تھے، سرینگر کے اخبارات میں بار بار ''دس لاکھ'' اور ''ایک کروڑ'' کا چرچا ہوتا رہا اور اس وقت یہ صورت ہے کہ شہر میں میرے سوا سب لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ میرزا نے شیخ صاحب کو دس لاکھ روپے، ایک کم نہ ایک زیادہ کی رقم عنایت کی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حاجی مستان میرزا نے دس لاکھ کیا، دس روپے کی رقم بھی نہیں دی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میرزا کا شمار بمبئی کے ہی نہیں، ہندوستان کے متمول

ترین آدمیوں میں ہوتا ہے اور وہ ہر سال سکولوں، کالجوں، مذہبی درسگاہوں کے لیے لاکھوں روپے کے عطیے دیتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر شیخ صاحب ان سے ہسپتال کے لیے چندہ مانگیں تو وہ بڑی سے بڑی رقم دینے میں بخل نہ کریں گے"۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سے ہسپتال یا انتخاب کے بارے میں کوئی بات ہوئی نہیں۔ صرف ایک بار شیخ صاحب نے ان سے درگاہ شریف حضرت بل پر سونے کا کلس چڑھانے کی بات کی اور کہا کہ میں بمبئی کے باثروت مسلمانوں سے اس سلسلے میں چندہ حاصل کرنے کے لیے آنے والا ہوں، تو میرزا نے بڑے جوش میں آکر کہا "ضرور آیئے حضور ﷺ کے نام پر تو ہم اپنی جان بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، مال کی تو بات ہی نہیں"۔ لیکن ادھر احباب کو یہ ضد ہے کہ دس لاکھ روپے دے دیئے اور مزید دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ ہے حاجی مستان کے دس لاکھ روپے کا افسانہ، لیکن حاجی مستان کون ہے؟ کیسا آدمی ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ اور اس کو قلی مستان کیوں کہتے ہیں؟ یہ ساری حکایت ہماری اگلی اشاعت میں پڑھیے۔

مئی ۱۹۷۴ء

مستان میرزا کا افسانہ

قسط (۲)

ہمارا کام جہاز سے آنے والے مسافروں کا سامان اٹھانا، کسٹم کے افسروں سے اس کی جانچ کروا کر، اسے بندرگاہ سے باہر لے جانا تھا اور اس معمولی سے کام کے لیے ہمیں شروع شروع میں روپیہ، ڈیڑھ روپیہ اور کبھی کبھی دو روپے کی اُجرت ملتی تھی۔ لیکن چند دنوں میں ہی مجھے پتہ چل گیا کہ جہاز سے سامان اُتار کر اسے کسٹم کاؤنٹر سے باہر لے جانا اتنا معمولی اور معصوم کام

نہیں ہے کہ جتنا ہم چھوکروں کو دکھائی دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ چھوکروں کی ایک ٹولی کا 'سرغنہ' جسے ہم اپنی زبان میں سیٹھ کہتے تھے ہمیں روپے دوروپے پر ٹرخا کر خود بیس تیس اور کبھی پچاس ہزار روپے کما لیتا تھا۔ سیٹھ خود کبھی کسی سامان کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس کا کام صرف کسٹم والوں کی مٹھی گرم کر کے مسافروں کا سامان ''پار'' کروانا تھا اور اِس خدمت کے لیے اسے اتنا بھاری معاوضہ ملتا تھا۔ اُن دنوں جہاز کبھی ہفتے میں ایک بار، کبھی دو بار اور کبھی ایک مہینے میں ایک بار بندرگاہ پر آ کر رُکتا تھا اور چونکہ ہماری ساری آمدن کا دارومدار جہاز کی آمد پر تھا، اس لیے ہم بڑی بے صبری سے جہاز کا انتظار کرتے رہتے اور جس دن جہاز بندرگاہ پر لنگر انداز ہو جاتا، ہماری عید ہو جاتی، حاجیوں کے جہاز سے سامان اتارنے میں بڑا مزا آتا تھا۔ حاجی صاحبان مزدوری کے علاوہ کبھی کبھی ہماری پھرتی سے خوش ہو کر ہمیں دو چار آٹھ آنے بطور ٹپ کے بھی دے دیتے اور پھر سال بھر کام کرنے کے بعد ہم پر یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ حاجیوں کے جہاز میں اچھی خاصی تعداد ان حاجیوں کی بھی ہوتی ہے کہ جو زیارت بیت اللہ کی بجائے اپنے کام دھندے کی خاطر حج پر جاتے ہیں اور واپسی پر دُنیا بھر کا سامان اپنے ہمراہ لا کر ہماری اور ہمارے سیٹھ کی ''خدمات'' حاصل کرتے ہیں۔ غرض بندرگاہ پر تھوڑے ہی دنوں کام کرنے کے بعد مجھ پر ایک نئی دُنیا کے اسرار کھلنے لگے اور میں نے محسوس کیا کہ اگر قسمت نے یاوری کی تو روپے دو روپے کی مزدوری، لاکھ دو لاکھ روپے کے دھندے میں بدل سکتی ہے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ چند ہی دنوں میں، میں نے کسٹم کے آفسروں کا اعتماد حاصل کر کے اس نئے کاروبار کے بہت سے گُر سیکھ لیے اور اب میں نے براہِ راست معاملات طے کرنا شروع کر دیئے۔ اپنے ساتھ چند چھوکروں کو ملا کر

میں ان کا سیٹھ بن گیا اور مجھے اپنی اس نئی ''جمعداری'' میں بڑا مزا آنے لگا۔
اب ہم اُسی بے صبری سے جہاز کی آمد کا انتظار کرتے، کہ جس بے قراری سے
کوئی نیا نیا عاشق اپنی محبوبہ کا انتظار کرتا ہے۔ میں اُن دنوں چمبور میں اپنی ماں
کے ساتھ ایک جھگی میں رہ رہا تھا اور ہمیں ہر لمحہ اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ نہ
معلوم کس وقت کارپوریشن والے آکر ہمارا آشیانہ اُجاڑ دیں۔ یہ ان ہی دنوں
کی بات ہے کہ میں ایک دن سخت بیمار ہو گیا۔ میرے سارے اعضاء شل ہو
گئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے میرے بدن سے سارا خون نچوڑ دیا ہو،
ماں مجھے ایک سڑک چھاپ ڈاکٹر کے پاس لے گئیں تو اس نے کہا کہ مجھے
یرقان ہو گیا ہے اور میری حالت خاصی خراب ہے۔ اس نے مجھے کم از کم دو
ہفتے مکمل آرام کا مشورہ دیا اور میں کئی دن اپنی جھگی کے فرش پر نیم مردہ حالت
میں پڑا رہا، لیکن میری حالت بہتر ہونے کی بجائے بگڑتی گئی، اور پاس پڑوس
والوں نے میری ماں کو بتایا کہ یہ بیماری بہت خطرناک ہوتی ہے اور میرے
بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ یہ بھنک میرے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور موت کا
بھیانک سایہ اپنی تمام ترہیبت اور وحشت کے ساتھ میرے سامنے لہرانے لگا۔
اپنی حالت سے زیادہ مجھے ماں کی بے قراری اور بے بسی کا غم کھائے جا رہا تھا۔
وہ اپنے بیٹے کو مرتا ہوا دیکھ کر بھی کچھ نہ کر سکتی تھیں اور میری حالت یہ تھی کہ میں
تسلی کے دو لفظ ادا کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔ پھر ایک دن ماں نے سخت مایوسی
کے عالم میں مجھے میونسپل ہسپتال پہنچا دیا۔ جہاں مجھے علاج معالجے کے لیے
داخل کر دیا گیا۔ ہسپتال میں دو تین دن کے قیام کے بعد ہی میرے ہوش و
حواس بحال ہونے لگے اور مجھے شدید نقاہت اور بے چینی محسوس ہونے لگی،
ایک دن میں نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ مجھے کتنے دن آرام کی ضرورت ہوگی، تو

اس نے بتایا کہ تمہیں دس بارہ دن کے بعد ہسپتال سے چھٹی دی جائے گی، لیکن اس کے بعد تمہیں کم از کم مزید دو ہفتے آرام کرنا پڑے گا۔ یہ سُن کر مجھے یک لخت یاد آیا کہ پرسوں جمعہ کا دن ہے اور اس روز بندرگاہ پر جہاز آنے والا تھا، میرے سارے بدن پر جیسے چیونٹیاں رینگنے لگیں اور میں ہسپتال کے اس وارڈ میں جہاں میں موت اور زندگی کی کش مکش سے گزر رہا تھا۔ سخت گھٹن محسوس کرنے لگا۔ میں نے ڈاکٹر کو بتا ہی دیا کہ میں پرسوں کسی قیمت پر بھی ہسپتال میں نہیں رہ سکتا، کیوں کہ میری محنت مزدوری کا دن ہے، ڈاکٹر نے مجھے متنبہ کر دیا، کہ اگر تم نے دس دن سے قبل چلنا پھرنا شروع کر دیا تو تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس خطرناک تنبیہہ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دوسرے دن شام کو ہر قیمت پر ہسپتال کے قید خانے سے نکل بھاگوں گا اور میں نے ایسا ہی کیا۔ بندرگاہ پر جہاز کے لنگر انداز ہوتے ہی ایک بھگدڑ مچ گئی، یہ حاجیوں کا جہاز تھا اور اس جہاز سے عام طور پر ہماری معقول آمدن ہوتی تھی۔ مجھ میں سامان اٹھانے کی ہمت بالکل نہ تھی، لیکن میرے چھوکروں نے مجھے برابر اپنا حصہ دیا اور اس دن پہلی بار میں نے ایک سو سے کچھ زیادہ روپے کمائے۔ ان روپوں نے میری کائنات میں ایک ہل چل مچا دی اور میں سوچنے لگا کہ اتنے ڈھیر سارے روپیوں کا کیا کروں، اس رات شام کو جب میں نے اپنی ماں کو سو روپے کی یہ تھیلی پیش کی تو اس کی آنکھوں سے مسرت سے زیادہ حیرت ٹپکنے لگی اور ماں نے سوچا ہوگا کہ میں نے کسی کی جیب کاٹی ہے۔

اس سو روپے نے میری منزل متعین کر دی اور میری سمجھ میں آ گیا کہ مجھے آئندہ کیا کرنا ہے۔ اس وقت میری عمر لگ بھگ پندرہ یا سولہ سال کی تھی اور

مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ اس دنیا پر صرف پیسے کا راج ہے اور دُنیا والے صرف پیسے والوں کی عزت کرتے ہیں، ان کا حکم مانتے ہیں اور ان کی راہوں میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔غریب کی محنت، اس کی دیانت اور ایمانداری کی کوئی وقعت نہیں اور جس شخص کے پاس پیسہ نہیں اس کے پاس کچھ بھی نہیں، بڑے بڑے بدمعاش اور بدقماش لوگ، جب ہوائی جہاز جتنی بڑی موٹروں میں سوار بندرگاہ پر آیا کرتے تھے،تو کسٹم کے اعلیٰ سے اعلیٰ حکام ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے، ان کا ہر حکم بجالاتے اور انہیں اس عزت و احترام سے رخصت کرتے کہ جیسے وہی ان کے مائی باپ ہوں۔ جہازوں سے آنے والے بڑے بڑے چارسوبیس ''مسافر'' جب منوں اور ٹنوں سامان کے ہمراہ بندرگاہ پر اُتر جایا کرتے تھے تو سامان کی تلاشی پر مامور کسٹم کے افسران، ان کی خدمت میں اس طرح دستہ بستہ کھڑے رہتے تھے کہ جیسے وہ کوئی بہت بڑے بزرگ یا مہاتما ہوں اور یہ سب روپے کی کرامت تھی۔ بندرگاہ سے باہر کی دُنیا پر بھی ان ہی دھن دولت والوں کا راج تھا۔غریبوں کے لیے سڑک پر جھگی جھونپڑی بنانا بھی جرم تھا، لیکن فلک بوس عمارتیں بنانے پر کوئی قید نہیں تھی۔ میونسپل کارپوریشن اور حکومت کا ہر قانون غریب کے لیے تھا اور امیر اس سے مستثنیٰ تھے۔رئیسوں کے بچوں کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ سکول تھے اور ہم جھگی جھونپڑیوں میں کیڑوں کی طرح پیدا ہونے اور پلنے والے بچوں کے لیے زندگی کی ہر راحت ممنوع تھی، جس کے پاس پیسہ تھا اس کے پاس سب کچھ تھا بچپن میں رنگ برنگے لباس پہنے رئیسوں کے بچوں کو سکول کی گاڑی میں سوار ہوتے وقت میرے دل میں کئی بار سکول میں داخل ہونے کی آرزو پیدا ہوئی تھی لیکن فٹ پاتھ کے شہزادوں کو یہ عیاشی کہاں سے میسر ہوتی۔ اب جب

میرے پاس پیسہ آنے لگا تو میں سکول کی عمر سے آگے بڑھ گیا تھا۔اب زندہ رہنے اور اپنی شخصیت منوانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا دولت کمانے کا،سو میں نے یہی راستہ اختیار کرلیا،میری کہانی سننے والے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ مجھ جیسے ان پڑھ، بے وسیلہ اور بے نام آدمی کے لیے دھن کی دیوی کو اپنے قابو میں لانا ، اتنا آسان نہیں تھا کہ جتنا انہیں بادی النظر میں دکھائی دیتا ہوگا۔دھن اور دولت کی لڑائی دُنیا کی سب سے خطرناک لڑائی ہے اور اس لڑائی میں چوں کہ دُنیا کا ہر انسان کسی نہ کسی طور شریک رہتا ہے اس لیے اس میں بڑا زبردست مقابلہ ہوتا ہے۔بعض اوقات انسان کو کئی نازک مقامات سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ بارہا اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی تو موت کو فریب دے کر، زندگی کے فریب کو قائم رکھنے کی جدو جہد کرنا پڑتی ہے۔راتوں کی نیند، دن کا سکون ، گھر کا چین ،من کی شانتی ،ان سب کی قربانی دینا پڑتی ہے اور تب کہیں ''گوہر مقصود'' ہاتھ آتا ہے۔لیکن ان قربانیوں کے باوجود اگر قسمت ساتھ نہ دے تو انسان کی بدبختی ،تنگ دامنی اور تہی دامنی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔میرا شمار ان خوش قسمتوں میں ہوتا ہے کہ جن کی محنت اور جان فشانی کے پسینے کو خوش بختی کا سایہ بھی نصیب ہوتا ہے۔ میں آج جو کچھ ہوں ،اس کے لیے میں اپنی محنت سے زیادہ اپنی قسمت کا ممنون ہوں ، بندرگاہ پر اپنی مزدوروں اور جمعداری کے نتیجے میں ، جب میرے پاس ہزار دو ہزار روپے کا اثاثہ جمع ہوگیا، تو میں نے کرافورڈ مارکیٹ کے فٹ پاتھ پر ایک ٹھیلا سجا دیا اور چھوٹی موٹی دکانداری شروع کردی۔ کاروبار میں ترقی ہوئی تو میں نے سائیکلوں کی ایک دکان کھول دی۔ ان دنوں میری نظریں سامنے کی ایک چھوٹی سی دکان پر جمی تھیں اور میں دُعا کرتا تھا کہ کسی طرح سے

یہ دکان مجھے مل جائے۔ میری یہ دُعا قبول ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی اور کئی ہزار روپے کی پگڑی دے کر میں نے یہ دکان حاصل کر لی۔ مارکیٹ میں باقاعدہ طور یہ دکان مل جانے سے میری ساکھ بڑھنے لگی اور میرے دھندے میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ انہی دنوں ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی پر میرا دل آ گیا اور میری خوش قسمتی سے اس لڑکی نے بھی میری جانب اس انداز میں دیکھنا شروع کیا کہ میں اپنے آپ کو کسی فلم کا ہیرو سمجھنے لگا۔ ہندوستانی فلموں کے آغاز کے بالکل برعکس اور انجام کے عین مطابق ہم دونوں کی شادی ہوگئی اور ہم دونوں خدا کے فضل و کرم سے ابھی تک ایک دوسرے کے عشق میں گرفتار ہیں۔ چلتے چلتے یہ بھی بیان کروں کہ عنفوانِ شباب میں دلیپ کمار کی فلمیں دیکھ دیکھ کر ان پر بُری طرح عاشق تھا اور میری بہت سی خواہشات میں ایک خواہش دلیپ کمار سے ایک بار ملنا تھا۔ میری ہر خواہش کی طرح یہ خواہش بھی پوری ہوگئی ہے اور مجھے نہ صرف دلیپ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا بلکہ ان سے دوستی کی عزت بھی حاصل ہے وہ بہت اچھے ادا کار تو ہیں ہی لیکن کتنے پیارے آدمی ہیں اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں کہ جو انہیں قریب سے جانتے ہوں۔ ہاں تو میں اپنی مزدوری، جمعداری اور تجارت کا ذکر کر رہا تھا، کاروبار کا تجربہ حاصل ہونے لگا تو میں نے دوسروں کا مال پار کرنے کی بجائے اپنا مال منگوانا شروع کر دیا۔ اس میں مشکلات زیادہ تھیں لیکن منافع بھی بہت زیادہ تھا۔ ہزاروں کے مال میں لاکھوں کا نفع، مگر یہ سارا منافع بانٹ کر کھایا جاتا ہے اور اس میں چھوٹے سے چھوٹے افسر سے لے کر بڑے سے بڑے افسروں کو بھی شامل کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود منافع کی بڑی گنجائش ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں یہ دھندہ روز بروز ترقی کرتا جا

رہا ہے۔آپ اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں کہ بیرونی مال کے اتنے ٹرک پکڑے گئے، اتنے گٹھے ضبط کیے گئے اور اتنے آدمیوں کو پکڑا گیا۔لیکن جو لوگ اس دھندے کے نشیب و فراز سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سب 'ضبطیاں'' ان خبطیوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہوتی ہیں کہ جو سمگلنگ کی روک تھام کے لیے ہاہو کرتے رہتے ہیں۔آپ کی پارلیمنٹ میں آئے دن یہ سوالات پوچھے جاتے ہیں کہ سمگلنگ کی روک کے لیے حکومت کیا اقدامات کرتی ہے اور وزیر لوگ اقدامات کی لمبی چوڑی فہرست بیان کر کے آپ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا بڑے سے بڑا افسر اور پولیس کا بڑے سے بڑا حاکم اس دھندے میں اسی طرح شریک ہوتا ہے جس طرح ہم سمگلر۔میں آپ کو یہ راز کی بات بتاؤں گا کہ ہمارا دھندہ ایک دن بھی نہ چلے گا اگر حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ افسر سے ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم تک ہمارا ساتھ نہ دے۔آپ کو یہ سن کر تعجب ہورہا ہوگا لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔اس ملک میں دولت سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔افسروں کا ہی نہیں وزیروں اور شریفوں کا ایمان اور ضمیر بھی۔

جون ۱۹۷۴ء

مستان میرزا کا افسانہ

قسط (۳)

ملک کے اخبارات، پارلیمنٹ اور مہاراشٹر اسمبلی میں آئے دن میرا تذکرہ کچھ اس انداز سے ہوتا ہے کہ جیسے ۵۵ کروڑ کی اس آبادی میں صرف ایک حاجی مستان گناہ گار ہے۔بعض انگریزی اخبارات نے تو میرے متعلق ایسی ایسی خرافات شائع کی ہیں کہ خدا کی پناہ، اُردو اخبارات بھی من گھڑت

اور اناپ شناپ چھاپنے میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابھی پارلیمنٹ میں میرے کچھ کرم فرماؤں نے وزیر اعظم پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے مجھ سے مل کر کانگریس کے انتخابی فنڈ کے لیے ایک کروڑ روپیہ وصول کیا اور بیچاری وزیر اعظم قسمیں کھاتی رہیں کہ وہ مجھ سے کبھی نہیں ملی ہیں۔ ابھی چند ماہ پہلے مہاراشٹر اسمبلی کی ایک خاتون ممبر نے مہاراشٹر گورنمنٹ پر یہ الزام لگایا کہ حکومت نے حاجی مستان کو شہر کے بیچ سمندر کے کنارے زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا الاٹ کر دیا ہے اور مہاراشٹر کے وزیر صحت وفیملی پلاننگ ڈاکٹر رفیق ذکریا کو اس کی پُرزور تردید کرنا پڑی، میرے پاس ان تمام بہتانوں کی تردید کرنے کے ذرائع نہیں ہیں۔ اس لیے میں سب کچھ سن کر خاموش رہتا ہوں۔ حالانکہ کبھی کبھی ایسی بیہودہ باتوں پر بے حد غصہ آتا ہے۔ مثال کے طور پر وزیر اعظم سے مل کر اسے ایک کروڑ روپے اور شیخ صاحب کو دس لاکھ روپے دینے کی من گھڑت اور خانہ ساز خبر، ان بے بنیاد افواہوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ملک کی دو برگزیدہ اور قابل احترام شخصیات کو مجھ سے منسوب کر کے بدنام کیا جائے اور میں نہیں چاہتا کہ مجھے بدنام کرنے کی کوشش میں ملک کی ذی وقار اور عالی مرتبت ہستیوں کا نام گھسیٹا جائے۔ اسی طرح مہاراشٹر اسمبلی کی خاتون مسز مرنال کے الزام کو لیجیے۔ اس محترم خاتون نے الزام عائد کرنے سے پہلے اتنی بھی زحمت گوارا نہیں کی کہ وہ اس بات کی تصدیق کرتیں کہ حاجی مستان نے زمین الاٹ کیے جانے کی درخواست بھی کی ہے یا نہیں؟ الغرض حاجی مستان کا نام لے کر جو جس کے من میں آجائے کہہ دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کو اپنی شہرت یا بدنامی کے لیے یہ قیمت چکانا پڑتی ہے، لیکن ایک بات پر مجھے حیرت اور افسوس ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس

ملک میں ایک سے بڑھ کر ایک حاجی مستان موجود ہے۔لیکن نام صرف قلی مستان کا لیا جاتا ہے۔ ملک میں ایسے ایسے مستان دندناتے پھرتے ہیں کہ غریب قلی مستان کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ،لیکن چرچا میرے ہی نام کا ہوتا ہے اور جان بوجھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ گناہ گاروں کی مردم شماری میں سرفہرست میرا ہی نام ہے۔ میں نے اربابِ حکومت اور اہلِ صحافت کی اس عنایت اور نظرکرم کی وجوہات جاننے کی کوشش کی ،تو معلوم ہوا کہ میرا اصلی جرم یہ ہے کہ میں نے فٹ پاتھ پر پرورش پائی ہے اور اپنی زندگی کی ابتداء قلی کی حیثیت سے کی ہے۔اس لیے ہر شخص یہی سوچتا ہے کہ ایک معمولی قلی کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی کہ وہ بارہ لاکھ روپے انکم ٹیکس دینے کا سزاوار ہو جائے .... دوسرے الفاظ میں امیر بن جانے کے بعد بھی غریب ہونے کا جرم معاف نہیں کیا جاسکتا۔اس کے مقابلے میں ان ”ذی احترام“ اور معزز ہستیوں کو لیجیے ، کہ جو اچھے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں ، اچھی تعلیم پاتے ہیں اور اچھی طرح رہتے ہیں ،لیکن جو اپنی ساری دولت ، ساری کمائی اور ساری جائیداد ناجائز ذرائع سے پیدا کرتے ہیں۔بمبئی شہر میں اگر ہزاروں نہیں تو سینکڑوں ایسے لوگ رہتے ہیں کہ جن کی کروڑوں روپے کی جائیدادیں سمگلنگ اور اس نوعیت کی دیگر ناجائز تجارت کی مرہونِ منت ہیں ، لیکن ان لوگوں کا تعلق چونکہ اچھے گھروں سے ہے اور یہ اچھے لوگوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے ہیں اس لیے نہ ان کا کوئی نام لیتا ہے اور نہ ان کے بارے میں کوئی سوال پوچھتا ہے۔شہر کے کئی عالیشان ہوٹل میرے ان ہی بھائی بندوں کی ملکیت ہیں۔لیکن ان سب صاحبان کو سماج اور حکومت میں بڑی عزت اور بڑے احترام کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ان لوگوں پر اُن عظیم

صحافیوں کی نگاہ بھی نہیں پڑتی کہ جو حاجی مستان کے خلاف بیہودہ سے بیہودہ بہتان شائع کرنا ملک اور قوم کی خدمت تصور کرتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ آیئے اور میں آپ کو بمبئی شہر کے اُن بڑے بڑے ہوٹلوں اور ان عالیشان عمارات میں لے جاؤں گا جو اس شہر کے بڑے بڑے گناہ گاروں نے اپنا کالا دھن سفید بنانے اور اپنے آپ کو باعزت ظاہر کرنے کے لیے تعمیر کی ہیں۔ میری اس بات کو مبالغے پر معمول نہ کیجیے کہ بمبئی شہر کی آدھی سے زیادہ دولت کالی ہے اور اس کی پیداوار میں امیر، وزیر حاکم اور ہر سیاسی جماعت کے نیتا لوگ شامل ہیں۔ میں بہت سے ایسے سیاسی گداگروں کو جانتا ہوں کہ جو دن کی روشنی میں مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ مجھے بُرے سے بُرے نام سے پکارتے ہیں اور پھر رات کے اندھیرے میں سب کی نظریں بچا کر ہاتھ میں کشکول لیے مجھ سے ملنے کے لیے آتے ہیں۔ الیکشن لڑنے کے لیے مجھ سے پیسے کی بھیک مانگتے ہیں اس وقت ان کے چہرے قابلِ دید ہوتے ہیں اور ان کی شرافت، اخلاقی بلندی اور ان کی ایمانداری کا بھرم کھل جاتا ہے۔ میں ان کے کشکول میں مقدور بھر خیرات ڈال کر من ہی من میں ان کی ریاکاری پر مسکراتا ہوں، میرے پاس رات کی تنہائیوں میں آنے والے کچھ ایسے مہمان نیتا اور بزرگ بھی ہوتے ہیں کہ ان کا نام بیان کروں تو دھما کہ ہو جائے۔ ان میں کانگریسی، کمیونسٹ، سوشلسٹ، مسلم لیگی، بھی شامل ہیں۔ کچھ لوگ مجھ سے یہ پیسے لے کر الیکشن لڑتے ہیں، کامیاب ہو کر پھر وزیر بنتے ہیں اور دوسرے دن مجھے گالیاں دے کر اپنی شرافت اور ایمانداری کا اعلان کرتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے ان لوگوں سے کوئی شکوہ، کوئی شکایت، کوئی گلہ نہیں۔ میں جانتا ہوں دُنیا کا کاروبار اسی طرح چلتا ہے اور اسی طرح چلے گا۔ ریاکاری اور اداکاری

ہماری دُنیا کا سب سے پرانا اور مسلم قانون ہے اور ہم میں سے کون ہے جو دوسروں پر انگلی اُٹھا سکتا ہے۔

میں سیاست کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ساری دُنیا میں صرف دو پارٹیاں ہیں ۔ ایک امیر پارٹی اور دوسری غریب پارٹی ، ان دو پارٹیوں میں ہمیشہ سے جنگ چل رہی ہے اور بدقسمتی سے آج تک ہر محاذ پر امیر پارٹی ہی جیتی ہے۔ میں اپنی پیدائش اور اپنے حسب نسب کے اعتبار سے غریب پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں ، اس لیے قدرتی طور پر میری ہمدردیاں غریب لوگوں کے ساتھ ہیں اور مجھ سے جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو، میں غریبوں کی مدد کرتا ہوں ۔ میں نے خود بھوک ، افلاس اور تنگ دستی کے صدمات سہے ہیں، اس لیے میں بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں، پیٹ کی خاطر اپنی عزت بیچنے والی عورتوں اور اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر سنگین سے سنگین جرم کرنے والے نوجوانوں کا دُکھ اور درد محسوس کر سکتا ہوں۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی زندگی کے وہ اذیت ناک اور روح فرسا لمحات نہیں بھلا سکتا کہ جب در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد کئی بار میں نے اپنا گلا گھونٹ کر اپنی مصیبتوں کا خاتمہ کرنے کے بارے میں سوچا، میں جانتا ہوں کہ ہزاروں کیا لاکھوں نوجوان ساری زندگی اسی کش مکش میں گزارتے ہیں اور جب تک یہ موجودہ نظام نہیں بدلتا ، نہ صرف امیری اور غریبی کی جنگ قائم رہے گی بلکہ امیری، غریبی پر غالب رہے گی اور ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی موت اور ذلت کی کش مکش میں گرفتار رہے گی۔ مجھے اپنی زندگی میں صرف ایک محرومی کا شدید احساس ہے اور وہ ہے تعلیم سے بے بہرہ رہنے کا، میں اپنی ساری دولت دیکر صرف ایک چیز خریدنا چاہتا ہوں اور وہ ہے میرا بچپن، یہ بچپن مجھے واپس

مل جائے تو میں اس محرومی کی تلافی کر کے چار حروف لکھنا اور پڑھنا سیکھ لوں، لیکن جانتا ہوں کہ یہ خواہش اب کبھی پوری نہ ہوگی۔ اسی لیے اب اس کو پورا کرنے کے لیے میں نے ایک اور طریقہ نکالا ہے اور وہ یہ کہ میں بمبئی شہر اور اس کے باہر بچوں کی تعلیم کے ہر منصوبے میں گہری دلچسپی لیتا ہوں اور جہاں تک ممکن ہو سکے، تعلیمی اداروں کی تنظیم، تشکیل اور تعمیر میں مدد دیتا ہوں۔ میں نے کئی سکولوں کی عمارات بنوائی ہیں اور مجھے اس بات پر فخر سے زیادہ خوشی کا احساس ہے کہ میری ناچیز کوششوں سے کئی سکولوں کے بچے اور بچیاں بہتر ماحول میں تعلیم پا رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے اپنے بچپن میں جس نعمت سے محروم ہونا پڑا، دوسرے بچوں کو وہ نعمت میسر ہو تا کہ میرے اپنے زخموں پر مرہم لگ جائے۔ مجھے خاص طور پر تعلیم نسواں سے دلچسپی ہے اور میری خواہش ہے مسلمان بچیاں تعلیم سے آراستہ ہوں۔ میں مسلمان ہوں اور اپنے مسلمان ہونے پر مجھے فخر ہے، لیکن میں ہندو اور مسلمان کے درمیان فرق نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ امیر ہندو اور امیر مسلمان کے مفادات مشترکہ ہیں اور وقت آنے پر وہ دونوں غریب ہندو اور غریب مسلمان کے خلاف متحد ہو جاتے ہیں لیکن مسلمان ہونے کے ناطے میں مسلمانوں کے مصائب اور مسائل کو زیادہ قریب سے محسوس کرتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ آج کے ہندوستان میں مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان کا مقابلہ متحد ہو کر ہی کیا جا سکتا ہے لیکن میں فرقہ وارانہ سیاست کو مسلمانوں کے حق میں مہلک سمجھتا ہوں۔

موجودہ حکومت کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس نے اس ملک کا کوئی مسئلہ حل کرنے کی بجائے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کیے ہیں اور اس کی پالیسیوں کی وجہ سے امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہو گئے ہیں۔ یہ بنیادی

طور پر سرمایہ داروں کی حکومت ہے اور اس سے یہ توقع رکھنا کہ غریبوں کے لیے کچھ کرے گی غلط ہے!..........حاجی مستان میرزا کی زبانی، ان کی کہانی سننے کے بعد، میں نے اپنے مدیرانہ سٹائل میں ان سے کچھ سوالات بھی پوچھے، جواب میں اُنہوں نے جو کچھ کہا، وہ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

''میں نے عرصہ ہوا ناجائز درآمدی کا تجارت کا دھندہ ترک کر دیا ہے اور مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں سے ملک کی معشیت کو ناقابلِ تلافی نقصان ہو رہا ہے لیکن مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ حکومت ان سرگرمیوں کی روک تھام کرنے میں مخلص نہیں ہے اور وہ صرف زبانی دعویٰ کرتی ہے۔ میں آپ کی وساطت سے حکومت ہند کے ذمہ دار احباب کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ملک میں سمگلنگ کے خلاف سنجیدگی اور دیانتداری سے اقدامات کرنا چاہے تو میں ان کو ہر ممکن مدد کروں گا''۔

''وزیر لاکھوں کی رشوت لیں، انکم ٹیکس کے افسر کروڑوں روپے کی جائیداد بنائیں، سیاسی لیڈر راتوں رات اپنی کٹیا کو محل میں بدل دیں، سرکاری ملازم اپنے منصب کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے نام زمینوں کے بڑے بڑے پلاٹ الاٹ کروائیں تو سماج میں اُن کا رُتبہ بلند ہو اور ان پر کوئی انگلی نہ اٹھائے لیکن ایک غریب قلی، ساری دُنیا کی نگاہوں میں اس لیے معتوب قرار پائے کہ اس نے اِن ہی بلند مرتبہ حاکموں کا ضمیر خرید کر اپنے لیے آرام اور

راحت سے زندگی بسر کرنے کا راستہ نکال لیا ہے۔

مجھے نہ اس فلسفے کا احترام ہے اور نہ میرا اس پر اعتقاد ہے، اگر اس ملک کے ان تمام وزیروں، امیروں اور حاکموں کو پھانسی دی جائے، جنہوں نے ناجائز طور سے دولت اور جائیداد پیدا کر کے سماج میں اپنا اونچا مقام بنا لیا ہے تو حاجی مستان خود اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بننے کے لیے تیار ہے۔''

''جی ہاں، جب مجھے شاعروں، ادبی محفلوں، موسیقی کے پروگراموں اور فلمی تقریبوں کی صدارت یا افتتاح کے لیے بلایا جاتا ہے تو میں من ہی من میں دُنیا والوں کی زرداری اور دنیا داری پر مسکراتا ہوں۔ اُردو شاعری سے مجھے گہرا لگاؤ اور موسیقی سے مجھے بے حد شغف ہے۔ میری اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر مجھ سے مشاعروں کی صدارت اور موسیقی کی محفلوں کا افتتاح کروایا جاتا ہے۔''

میں نے کچھ فلمیں بنائی ہیں اور مستقبل قریب میں بہت بڑے پیمانے پر فلم سازی شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

۱۹۷۴ء

☆☆☆

پاکستانی ایجنٹ

”ہاں، ہاں میں نے مسلمان ہونے کا جرم کیا ہے، اس لیے میرے پاکستانی ایجنٹ ہونے میں کسی کو کیا شُبہ ہوسکتا ہے“

”آئینہ“ کی اس اشاعت سے میں اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں ہندوستانی سیکولرازم اور جمہوریت کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ تاکہ ملک میں جمہوریت کے نشو ونما اور سیکولرازم کے استحکام سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو میرے تجربات میں شریک ہو کر اس بات کا اندازہ ہوسکے، کہ مسز اندرا گاندھی کی قیادت میں انڈین نیشنل کانگریس، انڈین پارلیمنٹ اور انڈین گورنمنٹ کس حد تک ان اصولوں کا پالن کر رہی ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سال کے دوران پارلیمنٹ کا ممبر ہونے کی حیثیت سے مجھے ہندوستانی جمہوریت، کی کارکردگی کو ذرا قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور میں اس بات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اِس ملک میں جمہوریت اور سیکولرازم، دونوں کے مستقبل سے مایوسی ہوئی ہے، ہوسکتا ہے کہ میرا یہ ردِ عمل خالص جذباتی ہو، اور میں معمولی واقعات سے غیر معمولی نتائج اخذ کر رہا ہوں، اس لیے اپنے تاثرات بیان کرنے سے پہلے میں صرف چند واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں، تاکہ پڑھنے والوں کو اپنی رائے مرتب کرنے میں آسانی ہو، تو آیئے سب سے پہلے آپ کو ”اپنے پاکستانی ایجنٹ“ ہونے کا قصہ سنائوں!۔

۳۰ مئی کو پارلیمنٹ میں ”سٹیٹ بینک فراڈ عرف ناگر والا کیس“ کے متعلق کمیونسٹ پارٹی (مارکسٹ) کے ممبر شری جیوتر موئے باسو کی تحریک پر بحث ہورہی تھی، میرا نام بحث میں حصہ لینے والوں کی فہرست میں تو نہیں تھا، لیکن میں اپوزیشن کے دوسرے ممبروں کے ساتھ، حکمران جماعت پر فقرے کسنے اور کانگریسی ممبروں کی بودی دلیلوں کا مذاق اڑانے میں بھرپور حصہ لے

رہا تھا، حکمران جماعت خاص طور پر سوتنتر پارٹی کے پیلو مودی اور میری جملہ بازی سے سخت پریشان تھی اور ادھر ہمارے حملوں کی شدّت بڑھتی جارہی تھی، سخت پریشانی کے عالم میں کانگریس کے، کے، ڈی مالویہ نے مطالبہ کیا کہ مسٹر مودی کو ایوان کی کارروائی میں رخنہ ڈالنے کے لیے باہر نکال دیا جائے اور ٹھیک اسی وقت ترقی پسند کانگریس کے ترقی پسند ممبر ششی بھوشن نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس ایوان میں کچھ پاکستانی ایجنٹ بھی گھس آئے ہیں، اُن کو بھی نکال باہر کرنا چاہئیے، خوش قسمتی یا بد قسمتی سے جس وقت ششی بھوشن نے یہ بات کہی، اس وقت ایوان میں شور وغل بپا تھا، اس لیے میرے علاوہ صرف دو چار ممبروں نے ہی یہ بات سُنی۔ مجھے ششی بھوشن کی زبان سے یہ جملہ سُن کر بے حد تعجب ہوا، کیوں کہ ان کا شمار ان کٹر سیکولر ہندوؤں میں ہوتا ہے کہ جن کو ''جن سنگھی'' فرقہ پرست مسلمان ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ میں نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''اس عزت افزائی کے لیے شکریہ''۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ششی بھوشن کہنے کو تو کہہ گئے، لیکن اب انہیں اپنی زیادتی کا احساس ہے۔ میرا یہ اندازہ صحیح ثابت ہوا، دوسرے دن ششی بھوشن نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی، اور بڑے عجز کے ساتھ کہا کہ مجھے رات بھر اپنی اس حماقت پر افسوس رہا اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ میں نے معاف کرنے کو تو کر دیا لیکن میں اس بات پر سوچتا رہا کہ ششی بھوشن جیسے سیکولرسٹ کو بھی جب مجھے گالی دینے کی ضرورت پڑی، تو اس نے بھی مجھے پاکستانی ایجنٹ ہی کہا، میں کتنا بھی سیکولر، ترقی پسند اور پاکستان دشمن ہی کیوں نہ ہوں، نام تو میرا شمیم احمد ہی ہے۔ دوسرے دن مجھے اپنے نام کی بدنامی کا زیادہ شدّت کے ساتھ احساس ہوا!۔

۳۱ مئی کو ڈنکن بردرس کلکتہ کے ایک ڈائریکٹر آر، کے گوئنکا کی طرف سے کانگریس کی انتخابی مہم کے لیے آٹھ لاکھ پوسٹر چھپوانے کے مبینہ الزام پر تین گھنٹے بحث ہو رہی تھی اور اس میں حصہ لینے کے لیے میرا نام بھی مقررین کی فہرست میں تھا۔ یہ بحث تین گھنٹے کی بجائے ٦ گھنٹے تک چلتی رہی اور اس میں اپوزیشن اور حکمران جماعت دونوں نے ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کیے اپوزیشن کے حملوں سے ایک بار پھر حکومت کا قافیہ تنگ تھا اور اکثر کانگریسی ممبر جھلائے ہوئے نظر آرہے تھے۔ بحث کے آخری مرحلے پر سپیکر جی، ایس ڈھلون نے میرا نام پکارا، اور میں تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوا، میں نے اپنی تقریر کا آغاز حضرت عیسیٰ سے منسوب اس تاریخی واقعے سے کیا کہ جس میں بہت سے لوگ ایک گناہگار عورت کو اس لیے سنگسار کرنے کے لیے جمع تھے کہ اس عورت نے گناہ کیا ہے۔ یسوع مسیح نے لوگوں نے پوچھا کہ ''تم اس کو کیوں سنگسار کرنا چاہتے ہو'' تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ گناہگار ہے۔

''تو تم میں سے اس عورت پر پہلا پتھر وہی شخص مارے کہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو'' یسوع مسیح نے کہا، اور سب لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، کچھ دیر بعد وہ عورت اکیلی نظر آئی، سب لوگ ایک ایک کر کے چل دیئے تھے۔

میں نے کہا، کہ اس بحث سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ملک کی ہر جماعت سرمایہ داروں سے دولت لے کر غریبوں کے ووٹ لوٹتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ووٹوں کے سبھی ڈاکو جے پرکاش نرائن کے سامنے ہتھیار ڈال کر پبلک لائف کو پاک وصاف کر دیں۔

میں نے اپنی تقریر میں اس بات پر افسوس کیا، کہ وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے سرمایہ داروں سے روپیہ حاصل کرنے پر شرمندگی اور ندامت کا

اظہار کرنے کی بجائے کھلے بندوں اس کا اقرار کیا ہے اور صرف یہ کہا ہے کہ مارکسسٹ بھی سرمایہ داروں سے روپیہ لیتے ہیں۔ میرے خیال میں عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے۔ میرے حملے کی شدّت بڑھتی جا رہی تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس شدّت کے ساتھ حکمران جماعت کی بے قراری بھی بڑھتی جا رہی ہے، میری تقریر، میرے استدلال اور میرے طنز نے بالآخر حکمران جماعت کا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا اور ایک کانگریسی ممبر رام دھن (یو، پی) نے میری تمام دلیلوں کے جواب میں وہی دلیل دی جو ایک دن قبل ششی بھوشن دے چکے تھے، رام دھن نے بآواز بلند کہا: ''تم پاکستانی ایجنٹ ہو''۔

''ہاں، ہاں، میں نے مسلمان ہونے کا جُرم کیا ہے اس لیے میرے پاکستانی ایجنٹ ہونے میں کسی کو کیا شُبہ ہوسکتا ہے۔'' میں نے اتنی اونچی آواز میں کہا کہ مجھے پارلیمنٹ کے در و دیوار ہلتے نظر آئے!

اس کے بعد پورے چالیس منٹ تک پارلیمنٹ میں زبردست ہنگامہ رہا، جن سنگھ کے اٹل بہاری باجپائی، کمیونسٹ پارٹی (مارکسسٹ) کے جیوتر موے باسو، تنظیمی کانگریس کے شیام نندن مصرا، ڈی، ایم کے کے وشوا ناتھن، سوشلسٹ پارٹی کے سامر گوہا اور مدھو دندوتے، سوتنتر پارٹی کے سامر گوہا اور اُتکل کانگریس کے مسٹر مہانتے نے الزام پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے سپیکر سے مطالبہ کیا کہ رام دھن اس الزام کو واپس لیں، اس کے برعکس کانگریس کی طرف سے بھگوت جھا آزاد، ششی بھوشن، ست پال کپور اور درجنوں ممبروں نے رام دھن کی تائید میں وہ شور و غل بپا کیا کہ بہت دیر تک ایوان میں کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، کچھ دیر بعد پارلیمنٹری امور کے وزیر راج بہادر کی آواز سنائی دی، وہ کہہ رہے تھے کہ مسٹر شمیم نے اپنے مسلمان ہونے کا ذکر کرتے

ہوئے تمام مسلمانوں کو بدظن کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کا یہ الزام پارلیمنٹ کی کارروائی سے خارج کیا جانا چاہئیے۔

میں اپنے اس دعویٰ پر اب بھی قائم ہوں کہ مجھے صرف اس لیے پاکستانی ایجنٹ کہا گیا ہے کہ میں مسلمان ہوں، میں لعنت بھیجتا ہوں تمہارے سیکولرازم پر اور تمہارے سوشلزم پر۔ میں نے اتنی اونچی آواز سے کہا کہ ایوان میں بڑے غل غپاڑے کے باوجود ہر شخص نے میری آواز سُنی اور ایک بار پھر کانگریسی ممبروں نے اپنے جُرم کو چھپانے کے لیے شور شرابہ کیا۔

تنظیمی کانگریس کے شیام نندن مصرا نے میری تائید کرتے ہوئے کہا کہ میں مسٹر شمیم کے اس خیال سے سو فیصد متفق ہوں کہ انہیں صرف اس لیے پاکستانی ایجنٹ کہا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں، انہیں روسی یا امریکی ایجنٹ کیوں نہیں کہا گیا اور مجھے اور پیلو مودی کو کسی نے پاکستانی ایجنٹ کیوں نہیں کہا۔

جن سنگھ کے اٹل بہاری باجپائی نے دریافت کیا کہ شمیم صاحب کیا صرف اس لیے پاکستانی ایجنٹ بن گئے کہ ان کی تقریر نے حکمران جماعت کو بدحواس کر دیا ہے کیا کانگریسیوں کو حُب الوطنی کی اجارہ داری حاصل ہے؟

ششی بھوشن، بھگوت جھا، ست پال کپور اور دوسرے کانگرسی ممبر یہ شکایت کر رہے تھے کہ مسٹر شمیم نے اپنی تقریر میں ہمیں چور اور ڈاکو کہا ہے، اس لیے وہ اپنے الفاظ واپس لیں۔

میں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ رام دھن کے لگائے ہوئے الزام کو ایوان کی کارروائی سے حذف کیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کارروائی کا حصہ بنا رہے، تاکہ دُنیا کو کانگریسی سیکولرازم کا اندازہ ہو جائے، یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کل اسی ایوان میں ششی بھوشن بھی مجھے پاکستانی

ایجنٹ کہہ چکے ہیں ، اب ششی بھوشن کھڑے ہو گئے ، اپنی غلطی کا اعتراف کرنے یا میرے الزام کی تردید کرنے نہیں ، بلکہ اس کا جواز تراشنے کے لیے ، انہوں نے فرمایا کہ میں نے انہیں اس لیے پاکستانی ایجنٹ نہیں کہا ہے کہ وہ مسلمان ہیں کیوں کہ خود میری پارٹی میں بھی بہت سے سرکردہ مسلمان ہیں ۔ ششی بھوشن کے خیال میں حکومت کا مدح خواں ہر کانگریسی مسلمان قوم پرست ہے اور ہر مخالف مسلمان ، پاکستانی ایجنٹ !

چالیس منٹ کے ہنگامے کے دوران اور اس کے بعد کسی کانگریسی ممبر نے کھڑے ہو کر رام دھن یا ششی بھوشن کی مذمت نہیں کی ۔ پارلیمانی امور کے وزیر راج بہادر نے صرف اتنا کہا کہ میں رام دھن کے الزام سے متفق نہیں ہوں ۔ خود رام دھن نے یہ کہا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے ، اس ایوان میں کئی بار ممبران ایک دوسرے پر امریکی اور روسی ایجنٹ ہونے کا الزام عائد کر چکے ہیں ۔ لیکن آپ نے مسٹر شمیم کو روسی یا امریکی ایجنٹ کیوں نہیں کہا ، پاکستانی ایجنٹ ہی کیوں کہا ؟ شیام نندن مصرا نے ایک بار پھر دریافت کیا ، طویل بحث و تمحیص اور ہنگامہ آرائی کے بعد یہ طے پایا کہ سپیکر رام دھن کے لگائے ہوئے الزام کو ایوان کی کارروائی سے حذف کر دیں گے اور اسی کے ساتھ میری تقریر کے قابلِ اعتراض حصوں کو بھی کارروائی سے حذف کر دیا جائے گا ، میں اس انصاف سے نہ اُس وقت متاثر ہوا اور نہ اب متاثر ہوں ، اور اسی لیے میں یہ مقدمہ سپیکر کی عدالت کی بجائے عوامی عدالت میں پیش کر رہا ہوں ، آئندہ اشاعت میں اس معمولی سے واقعے کی روشنی میں ان اہم جذباتی اور نفسیاتی مسائل کا ذکر کروں گا کہ جو ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش ہیں !۔

☆☆☆

بے پر کی

ماہرین معدنیات وزلزلہ جات نے بصد تحقیق وتفتیش اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ اس سال کے شروع میں ہندوستان اور پاکستان کے لیڈروں کے درمیان تاشقند میں روسی وزیر اعظم کوسی جن کی وساطت سے جو بات چیت ہوئی اس کے نتیجے کے طور پر تاشقند کا توازن بگڑ گیا ہے اور وہاں متواتر بھونچال کے جھٹکے محسوس کیے جانے لگے ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ بات چیت کے دوران مسٹر کوسی جن کا دباؤ اتنا زیادہ بڑھ گیا کہ اس دباؤ سے ابھی بھی سرزمین تاشقند ہلتی ہوئی نظر آتی ہے۔، ماہرین نجوم کا کہنا ہے کہ جس سر زمین پر ہندوستان اور پاکستان کا منحوس سایہ پڑ جائے وہاں بھونچال آنا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ تاشقند ابھی تک صفحہ ہستی سے مٹ کیوں نہیں گیا۔

....

طالب علموں کو سیاست سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے ریاستی کانگریس نے حال ہی میں ایک منصوبہ تیار کرلیا ہے۔ منصوبے کی رُو سے ہر سکول، کالج اور یونیورسٹی میں یوتھ کانگریس کی ایک شاخ قائم کی جارہی ہے اس شاخ کا کام طالب علموں کو کانگریس میں شامل ہونے کی ترغیب دے کر سیاست سے الگ رہنے کا مشورہ دینا ہے۔ ریاستی کانگریس نے اپنے سب سے بڑے ''ذہنی پہلوان'' کامریڈ نور محمد کاسترو (جو چند ماہ پہلے کیوبا گئے تھے) کو اس کام پر

مامور کیا ہے۔

....

وزارت داخلہ کے ایک بھیدی نے بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی ہے۔ مسٹر بھیدی کا کہنا ہے کہ وزارت داخلہ کی طرف سے پچھلے دو سال میں بہت سے سیاسی کارکنوں، معزز شہریوں دو ایک لیڈروں اور بعض اخبار نویسوں کو ان کی قابلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے وظیفہ ملتا رہا ہے۔ وظیفے کی تقسیم کے لیے وظیفہ خواروں کو اے، بی اور سی کلاس میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ نئے وزیر داخلہ نے یہ تمام وظائف بند کر دئے ہیں۔ اس اطلاع سے وظیفے خواروں میں سخت تشویش پیدا ہوگئی ہے اور وہ مطالبہ کرنے لگے ہیں کہ ڈی، پی صاحب کو پھر وزارتِ داخلہ کا قلمدان سونپا جائے تا کہ ان کی تقدیر میں مزید کچھ رقومات درج کی جائیں۔ ادھر کچھ ''پاکستانی ایجنٹوں'' نے یہ مطالبہ کرنا شروع کیا ہے کہ سکرٹ فنڈ کا حساب لیا جائے اور وظیفہ خواروں کے نام شائع کیے جائیں۔

....

ریاستی کانگریس کی وسیع المشربی کا اندازہ کرنے کے لیے مدیر ''آئینہ'' کے نام دیہات سے آئے ہوئے دو خطوط کے اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں۔

''ہمارے ہاں کانگریس کا پریذیڈنٹ ایک ایسا آدمی ہے جس کا بھائی، بہن، بہنوئی، لڑکی، داماد، چچا، سالا، پھوپھی اور بہت سے دیگر رشتہ دار پاکستان جا چکے ہیں۔ پریذیڈنٹ صاحب کا بہنوئی پاکستان میں میجر ہے جو ہندوستان اور پاکستان کی لڑائی میں سیالکوٹ محاذ پر لڑتا رہا۔ پریذیڈنٹ صاحب نے صرف چند سال پہلے اپنی چھوٹی بچی کو بھی پاکستان بھیج دیا تا کہ وہ

وہاں اسلامی ماحول میں تربیت پائے۔

''ہمارے ہاں کانگریس کے کرتا دھرتا ایک ایسے صاحب ہیں جو کواپریٹو کے غبن کے سلسلے میں پاکستان بھاگ گئے تھے، وہاں وہ ڈھائی سال صرف کرنے کے بعد اب کچھ عرصہ سے واپس آ گئے ہیں اور اب کانگریس کے کھڑ پنچوں میں ان کا شمار ہے۔

....

سابق وزیر داخلہ شری درگا پرشاد جو اٹھارہ سال سے سیاسی سمندر میں مچھلیاں مارتے رہے ہیں، پچھلے دنوں ایک مشہور اخبار نویس کے ہمراہ بٹہ کوٹ میں مچھلیوں کا شکار کھیلنے کے لیے گئے تھے، مچھلیوں کے ایک ترجمان نے آپ کے ایک ترجمان کو بتایا ہے کہ اُنھوں نے پچھلے کئی برسوں میں ایسا مچھلی مار شکاری نہیں دیکھا ہے۔ مچھلیوں نے الزام لگایا ہے کہ ڈی، پی صاحب زیادہ تر انھیں اپنی میٹھی میٹھی باتوں کے جال میں پھنسا کر ہی پکڑتے رہے، ایک بہت بڑی مچھلی نے کہا ہے کہ وہ مچھلیوں کے شکار میں بھی قواعد وضوابط کا احترام نہیں کرتے تھے۔

☆☆☆

....

ایک ستم ظریف نے نئی دہلی سے مدیر'' آئینہ'' کو مبارک بادی کا ایک خط بھیجا ہے۔ خط میں موسمی حالات کے تفصیلی تذکرے کے بعد ستم ظریف صاحب نے مدیر محترم کی توجہ ایک اہم امر کی طرف دلائی ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ'' آئینہ'' کے خلاف آزاد ممبر پرکاش ویر شاستری کی پیش کردہ مراعات شکنی کی تحریک کو لوک سبھا نے'' اتفاق رائے'' سے مراعات کمیٹی کے

سپردکر کے اتفاق واتحاد کی نئی روایات قائم کی ہیں ۔فاضل مکتوب نگار کا دعویٰ ہے کہ امن کے زمانے میں یہ غالباً پہلا واقعہ ہے جب ممبران پارلیمنٹ کسی بات پر ''متفق'' ہوئے ہوں ۔اس طرح ''آئینہ'' نے معزز ممبران کو کم از کم ایک بات پر متفق ہونے کا موقع تو بہم پہنچایا۔مدیر ''آئینہ'' نے یہ خط قانونی مشیروں کے مطالعے کے لیے بھیج دیا ہے کہ اس سے پارلیمانی مراعات کی ''شکنی'' تو نہیں ہوتی !۔

....

اننت ناگ کے کچھ معصوم وکیلوں کی طرف سے ایک شکایتی مراسلہ موصول ہوا ہے کہ پچھلے دنوں اننت ناگ میں قیامت آتے آتے رہ گئی۔یعنی اے۔ڈی۔ایم اننت ناگ نے ایک ملزم کی ضمانت کی تصدیق کی اور پولیس نے اس کی پرواتک نہ کی اور ملزم کو اس کے بعد بھی حراست میں رکھا۔ہم نے اس مراسلے کو شائع کرنے سے اس لیے معذوری ظاہر کی ہے کہ اس میں قانونی اہمیت کا کوئی نکتہ ہوتو ہو اخباری افادیت کا کوئی مصالحہ موجود نہیں ۔ اگر کُتا انسان کو کاٹے ،تو اخباری نکتہ نظر سے یہ کوئی خبر نہیں ،لیکن اگر انسان کتے کو کاٹے تو صفحہ اول کی خبر بن جاتی ہے۔پولیس نے اگر عدالتی احکامات کی پروا نہیں کی تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ،کیونکہ اب تو یہ روزمرہ کا دستور بن گیا ہے۔ہاں اگر پولیس عدالتی حکم نامے کی تعمیل میں ملزم کو رہا کرتی ،تو ہم اسے صفحۂ اول پر شائع کرتے ۔معصومانِ اننت ناگ ہمیں معاف کریں گے کہ شکایتی مراسلہ کوردی کی ٹوکری میں ہی جگہ مل سکتی ہے۔

....

کانگریس پارلیمانی پارٹی کے سیکریٹری شری روگھناتھ سنگھ جی پچھلے دنوں

کشمیر آئے تھے۔ ڈسٹرکٹ کانگریس کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے روگھناتھ سنگھ جی نے کہا کہ کشمیر میں جو کچھ ہے، وہ کانگریس ہی ہے پھر انہوں نے وادی کے بعض حصوں کا دورہ کیا اور روانہ ہونے سے قبل کانگریسی لیڈروں کو یقین دلایا کہ وہ ان کی کارکردگی اور کانگریس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے بے حد متاثر ہیں۔ جموں پہنچتے ان کے خیالات میں حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور دلی پہنچ کر تو انہوں نے اپنی تقریروں کا غلط نامہ شائع کر دیا، یعنی یہ کہ کانگریس تو ہے ہی......لیکن بخشی غلام محمد کی نیشنل کانفرنس بھی کم نہیں۔

رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی

....

جموں و کشمیر پردیش کانگریس کمیٹی کے ممبروں کی فہرست شائع ہوتے ہی ریاستی کانگریس کے سمندر میں کچھ موجیں ساحل سے ٹکرانے لگی ہیں۔ بہت سے خیراتی، جمعراتی قسم کے ممبروں نے فہرست سے اپنا نام غائب پا کر خودکشی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ بعض ممبروں نے سیکولرازم پر سے اپنا وشواس اٹھا لیا ہے اور وہ کسی دوسری جماعت میں داخلہ حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ کچھ پیشہ ور دشنام طرازوں نے کانگریس کے چیف سید میر قاسم کے خلاف اپنی مہم تیز کر دی ہے۔ غرض ایک ہاہاکار مچی ہوئی ہے اور ہمیں تعجب نہ ہوگا اگر کچھ ''برساتی'' قسم کے لیڈر کانگریس کو چھوڑ کر جن سنگھ میں شامل ہو جائیں۔

....

ریاست کے چیف سیکریٹری شری منکت رائے کی کفایت شعاری کا ایک اور اہم پہلو نمایاں ہو گیا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق رائے صاحب کے پاس اپنا ریڈیو بھی نہیں ہے اور انہوں نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے کمیونٹی

لسننگ ڈیپارٹمنٹ سے ایک ریڈیو حاصل کیا ہے۔

....

معلوم ہوا ہے کہ پچھلے دنوں پبلک سروس کمیشن نے انجینئرنگ گریجوٹیس (الیکٹرکل) سے ایک رسمی انٹرویو لیا اور اے۔ای۔اپرنٹس کے لیے کچھ امیدواروں کو منتخب کرلیا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق منتخب شدہ امیدواروں میں کئی سیکنڈ ڈویژن والے تو ہیں لیکن بعض فسٹ ڈویژن والے کمیشن کے ''معیار'' پر پورے نہیں اترے۔ ایک ناکام امیدوار نے بتایا کہ انٹرویو میں امیدواروں سے صرف ان کی ولدیت پوچھی جاتی تاکہ پتہ چل سکے کہ کون سا امیدوار کس منسٹر کا رشتہ دار ہے اور پھر اسی ''معیار'' پر ان کا انتخاب ہو جاتا۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس افواہ میں کتنی صداقت اور کتنی ملاوٹ ہے۔

☆☆☆

....

ٹورسٹ سیزن شروع ہو گیا ہے اور جو لوگ شیخ صاحب کی رہائی کی صرف اس لیے مخالفت کرتے تھے کہ ان کی رہنمائی سے ٹورسٹ سیزن تباہ ہو جائے گا اب اس بات کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ شیخ صاحب کی رہائی کی وجہ سے اس سال کا سیزن پچھلے سال پر سبقت لے جائے گا۔ اب کی بار بہت سے ملکی اور غیر ملکی سیاح صرف شیخ صاحب کو دیکھنے کے لیے کشمیر آ رہے ہیں۔ نہرو پارک کے قریب پرسوں جب ایک سیاح نے مجھ سے پوچھا کہ شیخ صاحب واپس کشمیر کب آ رہے ہیں تو میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ سیاح نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا ''میری بدقسمتی دیکھئے، میں آندھرا پردیش سے صرف

انہیں دیکھنے آیا تھا اور جس دن میں یہاں پہنچا اسی دن وہ یہاں سے جموں کے لیے روانہ ہو چکے تھے"۔

....

پچھلے ہفتے دلی سے براہ راست سری نگر پہنچنے کے فوراً بعد وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق بڑے پُر اسرار طریقے پر روپوش ہو گئے اور ان کی روپوشی یا پردہ نشینی کے متعلق شہر میں طرح طرح کی افواہیں اڑنے لگی ہیں۔ وزیر اعلیٰ کے دوستوں کا کہنا ہے کہ وہ اپنی تھکن دور کرنے کے لیے آرام کر رہے ہیں۔ دشمنوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے خلاف ہونے والی سازشوں سے بچنے کے لیے کہیں چھپ گئے ہیں۔ افواہ بازوں کا خیال ہے کہ صادق صاحب تنہائی میں بیٹھ کر شیخ صاحب کا موقف سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شر انگیزوں کا خیال ہے کہ صادق صاحب وزارتِ عظمٰی سے مستعفی ہو کر مہیش یوگی کے چیلوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں!۔

....

ایک عینی گواہ نے پرسوں کافی ہاؤس میں ہمیں ایک دلچسپ واقعہ سنایا جس کا تعلق ۱۹۶۲ء کے انتخابات سے ہے۔ گواہ کا کہنا ہے کہ دن کے ساڑھے چار بجے تھے کہ نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری بخشی عبدالرشید اپنی کار میں سوار لال چوک میں تشریف لائے۔ ان کی آمد سے قبل شری ڈی۔ پی در (وزیر خزانہ وزراعت) وہاں موجود تھے۔ ہلکی سی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ رشید صاحب کی کار دیکھتے ہی ڈی۔ پی صاحب اس کی طرف لپکے۔ ان کی کار کا دروازہ کھولا اور رشید صاحب کے باہر آتے ہی ان کے سر پر اپنی چھتری کا سایہ کر دیا۔ رشید صاحب کچھ دیر کے یے لال چوک میں ٹہلتے رہے اور اس

دوران میں بارش بھی تیز سے تیز تر ہوگئی مگر مجال ہے جو ڈی پی صاحب نے ایک لمحے کے لیے بھی ان کے سر سے چھاتہ ہٹا دیا ہو۔ جب رشید صاحب کار میں بیٹھ کر چل دیے تو ڈی۔ پی، صاحب اپنے کپڑے نچوڑنے کے لیے ساتھ والے ہوٹل میں گئے۔

....

پچھلے دنوں جموں میں تقریر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے اٹانومی کے مطالبے کو ایک سامراجی سازش قرار دیا، تو جموں اٹانومی کے ایک سرکردہ لیڈر امرت ملہوترہ نے شمیم احمد شمیم کے نام ایک خط میں یہ استفسار کیا ''جن سنگھ اور کانگریس نے تو اٹانومی کو پہلے ہی بیرونی سازش قرار دیا ہے اب شیخ صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور مجھے یہ شبہ ہونے لگا ہے کہ کہیں یہ اٹانومی کا مطالبہ کوئی سامراجی سازش ہی نہ ہو۔ تم بھی تو ریاست کی اندرونی خودمختاری کے حق میں ہو، خدا کے لیے یہ بتاؤ کہ تمہارے ذہن میں یہ سامراجی سازش کے جراثیم کیسے داخل ہو گئے؟ اور تمہیں کس ملک سے کتنا روپیہ مل رہا ہے؟ یہ سوال اس لیے پوچھ رہا ہوں اگر اٹانومی کی تحریک واقعی کسی غیر ملک کی سازش کا نتیجہ ہے تو کم از کم ہم لوگوں کو بھی اس ملک کا جغرافیہ معلوم ہو''۔

....

''کریش پروگرام'' کے نام سے پچھلے سال شری ڈی۔ پی در اینڈ کمپنی نے جو آٹھ کروڑ روپے برباد کیے ہیں اس کی تفصیلات موصول ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ ایک ماہر زراعت اور اقتصادیات کا کہنا ہے کہ آٹھ کروڑ روپے کے صرفے کے بعد کل ایک کروڑ روپے کی شالی حاصل ہوگئی ہے اور بعض نان، کریش علاقوں میں کریش پروگرام کے تحت لائے گئے رقبوں کے مقابلے میں

زیادہ پیداوار ہوئی ہے۔ محکمہ زراعت کے ایک اعلیٰ افسر نے مجھے بتایا کہ کھاد کی قیمت کے طور جو ساڑھے چھ کروڑ روپیہ کسانوں کے پاس بقایا ہے ان میں سے اگر پچاس لاکھ روپے بھی وصول ہو جائیں تو ہم اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھیں گے۔ اس حیرت انگیز کامیابی پر شری درکو پدم بھوشن کا اعزاز دیے جانے کا اندیشہ ہے۔

☆☆☆

....

سرینگر کے صدر ہپستال میں آج سے دو سال قبل ۹ لاکھ کی لاگت سے ایک لانڈری مشین نصب کی گئی، اس مشین کا افتتاح وزیر اعلیٰ جناب خواجہ غلام محمد صادق کے ہاتھوں انجام پایا اور یہ افتتاح کے بعد پورے اڑتالیس گھنٹوں تک چالو رہی۔ اس کے بعد سے ایک اب تک یہ مشین خاموش ہے۔ جیسے اقبال کا مصرعہ دہرا رہی ہو۔

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

....

سرینگر میں بے کار انجینئروں کی بھوک ہڑتال کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے تربیت یافتہ انجینئر اب بڑے گھر کی ہوا کھا رہے ہیں۔ حکومت کو پانچ سالہ انجینئرنگ کورس میں ایک سال کا اضافہ کرنا چاہیے تاکہ کالج سے فارغ ہو کر انجینئر صاحبان کے لیے ایک ایک سال جیل میں گذارنا بھی اُن کی تربیت میں شامل ہو جائے۔ جموں سے یہ سنسنی خیز اطلاع ملی ہے کہ وہاں کے بے کار انجینئروں نے بے کاری سے تنگ آ کر چائے کی دکان شروع کی ہے۔ چائے

کی دُکان شروع کرنے سے ان بچاروں کا مقصد حکومت کو اپنی بے کاری کا احساس دلانا ہوگا، لیکن شاید انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ عام لوگ اس دکان سے چائے پینے میں احتراز ہی کریں گے، کیونکہ ہمارے بہت سے انجینئر سڑک اور مکان تو کیا چائے بنانا بھی نہیں جانتے، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بے کار انجینئر اچھی چائے بنانے میں اپنا نام پیدا کریں؟ ہمیں نتائج کا انتظار کرنا پڑے گا۔

....

کشمیر سوتنتر پارٹی کے صدر آغا جلال عرف پٹرول پمپ نے میرزا افضل بیگ کے اس بیان پر سخت احتجاج کیا ہے کہ صرف محاذ رائے شماری ہی کشمیری مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ آغا جلال کا کہنا ہے کہ سوتنتر پارٹی کو بھی ریاستی عوام کی نمائندگی کا اتنا ہی حق ہے جتنا بیگ صاحب یا شیخ صاحب کو۔ کیونکہ اس پارٹی کو اب ہندوستانی سرمایہ داروں کے علاوہ جن سنگھ کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگئی ہے۔ جن سنگھ سے نئی رشتہ داری کی نسبت سے اب سوتنتر پارٹی کو مسلمانوں کی نمائندگی کا حق فائق حاصل ہوگیا ہے۔ بچارے آغا جلال کو کیا معلوم کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے وہ تو صرف دوسروں کے لکھے ہوئے بیانات پر انگوٹھے کا نشان لگا دیتا ہے۔

....

جب سے وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے نائب وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی کو عبدالعزیز زرگر (یعنی ڈسمس) کر کے ۱۴ قومی بینکوں کو قومی دولت قرار دیا ہے، بیویوں نے اپنے شوہروں کو یہ کہہ کر دھمکانا شروع کر دیا ہے کہ زیادہ بک بک کرو گے تو مرار جی ڈیسائی کر کے تمہاری تنخواہ کو قومی دولت قرار

دیں گی۔ بچارے شوہر سہمے ہوئے ہیں کہ آج کل کی عورتوں سے کیا بعید، زیادہ غصہ آگیا تو سب کچھ کر دیں گی۔

....

ایک افواہ کے مطابق ریجنل انجینئرنگ کالج کے لیے سند یافتہ پرنسپل منتخب کرنے کے لیے حال ہی میں جو انٹرویو لیے گئے تھے اس میں زیادہ تر تاریخ، پولٹیکل سائنس، تھیالوجی، اُردو، فارسی اور سنسکرت کے استاد امید واروں کی حیثیت سے آئے تھے۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ اُنہوں نے انجینئرنگ کالج کی پرنسپلی کے لیے درخواستیں دینے کی ہمت (حماقت) کیوں کی؟ تو امید واروں نے جواب دیا کہ اگر جغرافیہ کا پروفیسر تین سال تک انجینئرنگ کالج کا پرنسپل رہ سکتا ہے، تو تاریخ، پولٹیکل سائنس یا سنسکرت کے استادوں میں کون سی بُرائی ہے۔ اس جواب سے پریشان ہو کر حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال مونس رضا کو ہی پرنسپل رہنے دیا جائے۔

....

ایک سرکاری ترجمان نے دعویٰ کیا ہے کہ ڈل گیٹ کے قریب زیرِ تعمیر پل کو اب صرف تین سال کے اندر اندر مکمل کر لیا جائے گا۔ سرکاری ترجمان نے کہا کہ عام حالات میں یہ پل دس برس سے پہلے مکمل نہیں ہو سکتا تھا، لیکن وزیرِ اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق چونکہ اس پل کی تعمیر میں ذاتی دلچسپی لے رہے ہیں اس لیے صرف تین سال کی قلیل مدت میں مکمل کر لیا جائے گا۔ یہ پل عرصہ چھ ماہ سے زیرِ تعمیر ہے۔

....

ایک اطلاع کے مطابق وادی کشمیر میں پنچایتوں کے ۲۵ فیصد ممبر بلا

مقابلہ کامیاب قرار دئے گئے ہیں۔ اطلاع میں یہ نہیں بتایا گیا کہ بلا مقابلہ کامیاب ممبروں میں محاذ، کانگریس اور آزاد ممبروں کی بالترتیب تعداد کیا ہے؟ بظاہر اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں، جو ممبران سرکاری افسروں کی ہاتھ کی صفائی کی وجہ سے بلا مقابلہ کامیاب قرار دئے گئے، وہ کانگریسی کہلائیں گے، جو ریٹرننگ افسروں کو ڈرانے دھمکانے سے بلا مقابلہ کامیاب قرار پائے، وہ محاذی......اور جو اپنی قسمت سے نکل آئے وہ آزاد..........بہر حال بلا مقابلہ کامیابی کی روایت برقرار رہی اور رائے شماری کا مطالبہ کرنے والے محاذی امیدوار بھی اپنی بلا مقابلہ کامیابی کا جشن منا رہے ہیں۔

....

ایک مصدقہ اطلاع کی رو سے فیلڈ سروے آرگنائزیشن کے ان تمام فیلڈ ورکروں نے ایک متوازی کانگریس قائم کی ہے، کہ جن کو قاسم صاحب کی معزولی کے بعد آرگنائزیشن سے نکال باہر کیا گیا تھا۔ اس کانگریس کا نام جن کانگریس ہوگا اور اس میں وہ تمام جن شامل ہوں گے جن کو پیر غیاث الدین اور پیر عبدالاحد نے مار بھگایا ہے۔

....

ٹاؤن ہال (شوپیان) میں کانگریسی غنڈوں کے ہاتھوں پٹ جانے کے بعد شمیم احمد شمیم پولیس تھانے پر رپٹ لکھوانے گئے تو تھانے کے سبھی اہل کار تھانہ چھوڑ کر بھاگ گئے کہ کہیں کانگریسی غنڈے رپٹ لکھنے کے جرم میں ان کے ساتھ وہی سلوک نہ کریں جو شمیم صاحب کے ساتھ کر چکے تھے۔ غلام قادر

ایس، ایچ، او کو کسی نے سرپٹ ڈاک بنگلے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے، آپ کہاں جارہے ہیں؟۔ ''مفتی محمد سعید (نائب وزیر) سے یہ پوچھنا ہے کہ شمیم احمد شمیم کی رپورٹ درج کروں یا نہیں؟ ایس، ایچ، او نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

....

بعد میں مفتی محمد سعید کی ہدایت پر رپورٹ درج ہوگئی، مگر اس ذرا سی ترمیم کے ساتھ کہ پہلے کانگریسی غنڈوں کی رپورٹ درج کی گئی کہ شمیم صاحب اور ان کے ساتھیوں نے انہیں بے حد مارا۔

....

شوپیان میں شمیم احمد شمیم پر قاتلانہ حملے کی ہدایت کاری کے فرائض انجام دے کر مفتی محمد سعید سرینگر آئے تو سیدھے اپنے پروڈیوسر شری، ڈی، پی در کے ہاں تشریف لے گئے، ایک عینی مشاہد کا کہنا ہے کہ ڈی، پی صاحب نے فرطِ مسرت سے مفتی صاحب کی پیشانی چوم لی اور کہا۔

''بڑے دنوں کے بعد کسی نے میرے زخموں پر مرہم رکھا ہے، اس فتنے کو کوئی ہمیشہ کے لیے ختم کر دے تو میں اسے مالا مال کر دوں گا''۔

''آپ بے فکر رہیے، آپ کے چمچے آپ کی یہ آرزو بھی پوری کریں گے''۔ مفتی نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا اور اس کے بعد یہ شام بوتلوں کی کھنکار میں ڈوب گئی۔

....

۶ مئی کی شام کو جب شمیم احمد شمیم خواجہ غلام محمد صادق کی رہائش گاہ پر انہیں اپنی روداد سنا رہے تھے تو نارواو کے خالق میڈ ممبر اسمبلی عبدالعزیز زرگر

بھی آ ٹپکے۔ زرگر صاحب موقع واردات پر موجود تھے، اس لیے شمیم صاحب نے صادق صاحب سے مخاطب ہو کہا آپ ان سے پوچھ لیجئے۔ یہ بھی وہاں موجود تھے۔

زرگر صاحب نے بڑی بے حیائی اور بے شرمی سے، جھوٹ بولنا شروع کیا تو شمیم صاحب نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا" صادق صاحب رہنے دیجئے، میرا خیال تھا کہ زرگر صاحب کی زرگرانہ فطرت بدل چکی ہوگی، پیشے کے اعتبار سے چونکہ زرگر ہیں اور زرگر سونے میں ملاوٹ بھی کرتا ہے، اس لیے صداقت میں ملاوٹ سے کیسے باز آئے گا اور یہ زرگر صاحب تو پنڈت سروپ ناتھ کی لیبر سوسائٹی میں ڈنڈی دار بھی رہ چکا ہے۔ جہاں سے اسے کم تولنے کے جرم میں نکال دیا گیا تھا۔ اس لیے اس سے حقیقت بیانی کی توقع ہی فضول ہے۔

....

شمیم صاحب کی ساری رُوداد سننے کے بعد وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے فرمایا کہ" آپ بے فکر رہیئے، اس معاملہ کی پوری پوری تحقیقات ہوگی"۔ اس یقین دہانی کے بعد شمیم صاحب بے فکر ہو گئے اور صادق صاحب نے تحقیقات شروع کردی، صادق صاحب چونکہ اصولی آدمی ہیں اس لیے انہوں نے اس تحقیقات کے لیے بھی کچھ اصول وضع کیے ہیں، مثلاً اس وقت اس بات کی تحقیقات ہو رہی ہے کہ آیا شوپیان نام کا کوئی قصبہ موجود ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کا حدودِ اربعہ، رقبہ، آب وہوا، پیداوار، طول بلد اور عرضِ بلد کیا ہے، اس کی آبادی کیا ہے؟ اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تحقیقات کا یہ ابتدائی مرحلہ طے ہونے کے بعد صادق صاحب مزید تحقیقات شروع کریں گے، اور اس طرح توقع ہے کہ چوتھے پنج سالہ پلان کے آخر تک شمیم

صاحب پر قاتلانہ حملے کی تحقیقات مکمل ہو جائے گی۔

....

''میں نہ کہتا تھا کہ ڈی، پی در بڑا چالاک ہے، موقعہ ملتے ہی اپنے چمچوں سے پٹوائے گا'' ایک دوست نے ڈی، پی، صاحب کی چالاکی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''خاک چالاک ہے، بیوقوف نے جلد بازی سے کام لیا، دو تین مہینے صبر کرتا، تو میں ووٹروں کے ہاتھوں خود ہی پٹ جاتا'' شمیم صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

....

محاذ رائے شماری کے سوا کشمیر کی سبھی سیاسی جماعتوں نے شوپیان میں شمیم احمد شمیم پر قاتلانہ حملے کی پُر زور مذمت کی، محاذ کے لیڈروں نے یہ کہہ کر مشترکہ بیان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ محاذ صرف اپنی جماعت اور اپنے لیڈروں کے لیے شہری آزادی چاہتا ہے، مخالفوں کے لیے نہیں اور شمیم صاحب ''مخالفین'' میں ہیں۔

☆☆☆

....

مبینہ علاقائی اور فرقہ دارانہ امتیاز کی تحقیقات کے لیے گجند گڈکر کمیشن سے متعلق ایک کرمچاری نے ہمارے برہمچاری نمائندے کو ایک ملاقات کے دوران یہ بتانے کی کوشش کی، کہ اول ستمبر سے ابھی تک کمیشن کی خدمت میں صرف ایک میمورنڈم موصول ہوا ہے اور یہ میمورنڈم کسی جماعت، طبقے یا فرقے

کی بجائے ایک خاتون نے ارسال کیا ہے، کرمچاری کا کہنا ہے کہ میمورنڈم میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ریاست میں مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان شادی بیاہ کو نہ صرف جائز قرار دیا جائے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے اس قسم کی شادی کرنے والوں کو فیملی الاونس بھی دیا جائے۔ قیاس غالب ہے کہ میمورنڈم ارسال کرنے والی خاتون پرمیشوری ہنڈو عرف پروین اختر ہے۔ کمیشن کے کرمچاری کو اس بات پر حیرت ہے کہ کشمیری پنڈتوں نے ابھی تک گجند گڈکر کو کوئی لفٹ نہیں دی ہے۔ (اس نمائندے کو کوئی حیرت نہیں)۔

....

ہمارے غیر معتبر نمائندے نے معتبر ذرائع کے حوالے سے خبر دی ہے کہ پچھلے دنوں جب مولینا محمد فاروق کے سالار اور محاذ رائے شماری کے کچھ کارکن کسی الزام میں دھر لیے گئے تو مولینا فاروق اور محاذ کے سیکریٹری خواجہ صدر الدین مجاہد نے کئی بار وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق سے ٹیلی فون پر ان کی رہائی کی سفارش کی۔ حالانکہ یہ دونوں رہنما خواجہ صاحب کی حکومت کو غیر آئینی حکومت تصور کرتے ہیں۔ (شیخ صاحب نے بھی اس حکومت کو غیر آئینی قرار دیا ہے)۔ ہمارے سیاسی نمائندے نے اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ غیر آئینی حکومت سے آئینی سفارش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس دیش میں سب کچھ چلتا ہے۔

....

رہ بابا صاحب عالی کدل کے ایک نقشہ نویس مسمی شام لعل در ولد پنڈت ایشر جو در پر رات کی تاریکی میں قاتلانہ حملے کے متعلق آل کشمیر ہندو ایکشن کمیٹی نے ایک خصوصی بلیٹن شائع کیا ہے۔ بلیٹن میں شیام لعل در کے بیان

کے مطابق حملہ آوروں نے مجھے نقشہ بنانے کو کہا اور جب میں نے لکھائی کا کام شروع کیا، تو وہ بولے کہ ہندی زبان میں کیوں نہیں لکھتے، پر میں نے ان سے کہا کہ یہاں اُردو ہی کورٹ زبان ہے۔ اس پر ان نام معلوم اشخاص میں سے ایک نے چھری نکالی" وغیرہ وغیرہ"۔ پولیس کا خیال ہے کہ حملہ آور ہندی زبان کے عاشقوں میں سے ہیں اور انہیں نقشہ نویس کے اُردو میں نقشہ بنانے اور ریاست میں اُردو کے عدالتی زبان ہونے پر سخت تاؤ آیا اور اُنھوں نے نقشہ نویس پر حملہ کر دیا۔ یہ بات خارج از امکان نہیں کہ حملہ آور کٹر قسم کے جن سنگھی تھے جو شری شیام لعل کی اُردو پرستی پر اس درجہ برہم ہو گئے کہ اس پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔

....

شری کمال احمد صدیقی (جو حال ہی میں لکھنؤ سے واپس آئے ہیں) نے اس نمائندے کو مندرجہ ذیل لطیفہ سنایا ہے: "پچھلے دنوں جب میں لکھنؤ میں تھا تو انگریزی کے خلاف ایجی ٹیشن بہت زوروں پر تھی، ہندی پرست ہاتھوں میں برش لیے ہر انگریزی سائن بورڈ کا منہ کالا کر رہے تھے۔ ایک شام کو طالب علموں کے ایک گروہ نے ایک صاحب کی موٹر کار روک لی اور ان سے نمبر پلیٹ پر سیاہ پینٹ کرنے کی اجازت مانگی، کار والے صاحب نے خوشی خوشی اس کی اجازت دی اور ایک طالب علم نے پلیٹ پر کالا برش پھیر کر کار والے صاحب سے مخاطب ہو کر کہا" تھینک یو" کہا، کار والے صاحب نے ان کے ہاتھوں سے برش لے کر ان کے ہونٹوں پر سیاہ رنگ پھیر دیا کہ ان ہندی کے ہونٹوں میں انگریزی کے شہد اچھے نہیں لگتے۔

....

ریاست کے فارسٹ لیز نے ریاستی حکومت کو الٹی میٹم دیا ہے کہ اگر ان کے نام ساڑھے آٹھ کروڑ روپے کی بقایا رقم فی الفور معاف نہیں کی گئی تو وہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کردیں گے۔ حکومت کو پیش کردہ ایک میمورنڈم میں لیز نے مطالبہ کیا ہے کہ موجودہ چیف کنسرویٹر کو معطل کر کے الحاج خواجہ صمد پنڈت کو محکمہ جنگلات کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا جائے تاکہ وہ جنگل کی بیش بہا دولت کے ساتھ انصاف کرسکیں، ہمارے نمائندے کا کہنا ہے کہ صمد پنڈت کا نام اس لیے تجویز ہوا ہے کہ ان کے نام سب سے زیادہ رقم یعنی ۹۵ لاکھ روپے بقایا ہے۔

☆☆☆

....

اگست ۱۹۵۳ء میں شیخ صاحب کی برطرفی اور گرفتاری کو ابھی تک آپ اور میں ایک شرمناک سیاسی ڈرامہ، ایک غیر آئینی اور غیر جمہوری قدم اور ایک گہری سازش قرار دیتے ہوئے آئے ہیں۔ لیکن پچھلے دنوں خود شیخ صاحب نے اسے انقلاب کا نام دے کر غیر شعوری طور پر ہمیں غلط ثابت کرنے کی کوشش کی، بوٹ مینز ایسوسی ایشن کی طرف سے دیے گئے استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے شیخ صاحب نے کہا:

> ''..........پھر اگست ۱۹۵۳ء کا انقلاب آیا اور ہم یہ کام ادھورا چھوڑنے پر مجبور ہوئے''۔

اپنی بیس منٹ کی تقریر میں شیخ صاحب نے کم از کم سات مرتبہ اگست ۱۹۵۳ء کے واقعات کو ''انقلاب'' کے نام سے یاد کیا۔ کیا کہتے ہیں میرزا افضل بیگ

بیچ اس مسئلے کے؟۔

....

جرائم کی روک تھام کا ہفتہ منانے کے سلسلے میں محکمۂ پولیس نے جو نمائش منظّم کی تھی اُس سے عوام نے گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس نمائش سے نو آموز اور نا تجربہ کار مجرموں کو اپنے فن کی تکمیل میں خاصی مدد ملی ہے۔ ایک دوست نے شکایت کی، کہ نمائش میں مشہور چوروں اور جیب کتروں کی تصویریں تو لگائی گئی ہیں، لیکن حلف چوروں اور ووٹ کتروں کا ذکر تک نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ پچھلے سال کے عام انتخابات کے دوران اتنے حلف نامے اور ووٹ چرائے گئے کہ لوگ اس حکومت کو حلف چور سرکار کہتے ہیں۔ ہم ڈی، آئی، جی صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ حلف چوروں اور ووٹ کتروں کی ایک نمائش بھی منعقد کریں۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اسے دیکھنے کے لیے مدراس، کیرالہ، بنگال، بہار، یوپی اور مہاراشٹر سے نہیں نیویاک، لندن، کینڈا اور فرانس سے بھی لوگ بھاری تعداد میں یہاں آئیں گے۔

....

جشن بارش (بہار) کے سلسلے میں سیاحوں کے استقبالیہ مرکز پر قوالی کا پروگرام، ملیشا اور پولیس کے نوجوان پیش کر رہے تھے، میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "یہ علامہ اقبال کا کلام ہے"۔

میں نے کہا: "کلام تو علامہ اقبال ہی کا ہے لیکن جس طرح یہ پیش کر رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے اقبال چاپڑی کا ہے"۔

....

سری نگر سے شائع ہونے والے دو معاصرین میں بڑی دلچسپ جنگ چھڑی ہوئی ہے، ایک معاصر کا دعویٰ ہے کہ پچھلے ہفتے ڈوڈہ روانہ ہونے سے پہلے شیخ صاحب نے لال چوک میں اُن کا اخبار خریدا، اور دوسرے کا دعویٰ ہے کہ نہیں ان کا اخبار خریدا۔ یہ جنگ ابھی تک جاری ہے اور فی الحال جنگ بندی کا کوئی امکان نہیں۔ ادھر شیخ صاحب کے ڈرائیور نے اس بحث کو زیادہ با مقصد اور با معنی بنا دیا ہے۔ ڈرائیور کا کہنا ہے کہ شیخ صاحب اپنے ہمراہ کچھ گوشت لینا چاہتے تھے اور گاڑی میں ردی کاغذ موجود نہ تھا، اس لیے.........
معلوم نہیں کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے، لیکن اس انکشاف کے بعد یہ معاصرانہ چشمک شاید کم ہو جائے۔

....

ٹریول ایجنٹوں کی کل ہند کانفرس میں ائر انڈیا کے چیرمین جے، آر، ڈی ٹاٹا نے سری نگر شہر کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اگر دنیا بھر میں سب سے خراب اور خستہ سڑکوں کے لیے کوئی ٹرافی دیے جانے کا اعلان کیا جائے تو اس کا حق دار سری نگر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔'' شری ٹاٹا نے کہا کہ ٹاٹا مرسیڈیز سنز کے اہلکاروں نے انہیں یہ خوش خبری سنائی ہے کہ ان کے تیار کردہ سپرنگوں کی سب سے زیادہ کھپت کشمیر میں ہوتی ہے۔ شری ٹاٹا کے خیال میں سری نگر ائر پورٹ کی نئی عمارت بد ذوقی کی بدترین مثال ہے (یہ بات اُنہوں نے مرکزی وزیر سیاحت ڈاکٹر کرن سنگھ کی غیر موجودگی میں کہی)۔

....

انجینئرنگ کالج کے پرنسپل مونس رضا نے خود بھی انجینئرنگ (فسٹ ایر)

میں داخلہ لیا ہے تاکہ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ کالج کے پرنسپل انجینئرنگ کی الف، بے سے بھی ناواقف ہیں۔ (یاد رہے کہ مونس رضا جغرافیہ میں ایم، ایس، سی ہیں۔ اس لحاظ سے سری نگر کا ریجنل انجینئرنگ کالج دنیا بھر کا واحد ایسا ادارہ ہے جس کا پرنسپل جغرافیہ کا پروفیسر ہے)

☆☆☆

....

ریاست میں عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیے جانے کا ایکٹ لاگو ہونے کی خوشی میں ۱۴ اگست کو ہائی کورٹ کے احاطے میں جو پُرشکوہ تقریب منعقد ہوئی اس میں آپ کے نمائندے نے مندرجہ ذیل دلچسپ باتیں نوٹ کر لی ہیں:

۱. خواجہ غلام محمد صادق (وزیر اعلیٰ) اور خواجہ غلام محی الدین قرہ (بانی پولٹیکل کانفرنس) ایک ساتھ بیٹھے ہوئے دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے اور جب شمیم احمد شمیم نے دریافت کیا کہ آخر گفتگو کا موضوع کیا ہے تو صادق صاحب نے فوراً جواب دیا ''سیاست''

۲. بخشی غلام محمد ذرا دیر سے تشریف لائے اور اس وقت تک پہلی صف میں کوئی نشست خالی نہ تھی، وزیر مال شری گردھاری لعل ڈوگرہ نے بخشی صاحب کو اپنی نشست پیش کرتے ہوئے کہا، آیئے میں آپ کے لیے اپنی کرسی خالی کرتا ہوں۔

۳. آنریبل چیف جسٹس نے اپنے خطبے میں وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کو بہت سے خطابات اور القابات سے نوازنے کے بعد ان پر یہ ''الزام'' عائد کیا کہ وہ ایک ماہر وکیل بھی ہیں۔ یار دوستوں کا کہنا

ہے کہ صادق صاحب نے دو تین سال کی وکالت کے دوران کبھی ایک بھی مقدمہ نہیں جیتا ہے۔

۴. ریاستی کانگریس کے صدر سید میر قاسم کچھ دیر کے لیے اخبار نویسوں کے لیے مخصوص کی گئی نشستوں پر بیٹھے تو کچھ لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ کانگریس کی صدارت چھوڑ کر اخبار نکالنے والے ہیں۔

۵. تقریروں کے بعد جب معزز مہمان چائے پینے کے لیے جا رہے تھے تو صادق صاحب اور بخشی صاحب کی مڈ بھیڑ ہوئی۔ دونوں لیڈروں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور مصافحے کے فوراً بعد بخشی صاحب نے جلتے ہوئے سگریٹ سے صادق صاحب کا ہاتھ جلا دیا۔ صادق صاحب ایک لمحے کے لیے پریشان نظر آئے لیکن فوراً ہی سنبھل گئے، مُسکرا کر کہنے لگے ''پھر بھی شیعہ تم کو ووٹ نہیں دیں گے''۔

۶ خواجہ غلام محی الدین قرہ نے بھی بخشی غلام محمد کے ساتھ مصافحہ کیا اور جب اس نمائندے نے پوچھا کہ کہیئے بخشی صاحب سے کیا باتیں ہو رہی تھیں، تو اُنہوں نے بتایا کہ ۱۹۵۵ء کے بعد یہ ان کی اور بخشی کی پہلی ملاقات تھی۔

۷. وزیر خزانہ درگا پرشاد در بمبئی سے گردے کے آپریشن کے بعد سری نگر تشریف لائے تو سب سے پہلے ان کی مزاج پرسی کرنے والوں میں شمیم احمد شمیم بھی شامل تھے۔ ڈی، پی صاحب نے انکشاف کیا کہ آپریشن سے پہلے وہ کشمیر میں دو آدمیوں کے نام خط لکھنا چاہتے تھے اور ان دو آدمیوں کے نام ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ اور شمیم احمد شمیم۔ شیخ صاحب کے نام اپنے خط میں وہ ان کے اس الزام کی تردید کرتے کہ ڈی، پی

فرقہ پرست ہے اور شمیم کے نام وہ کیا لکھتے ؟ انہوں نے بتایا نہیں۔

۸. شوپیان کے عوام کی طرف سے اسمبلی کے آزاد ممبر شمیم احمد شمیم کے خلاف ایک میمورنڈم مرتب کیا جارہا ہے، جس میں ان سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ چونکہ ابھی تک اپنے حلقۂ انتخاب کا کوئی مسئلہ حل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں، اس لیے انہیں اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو جانا چاہیے۔ انتخاب میں شمیم صاحب کے الیکشن ایجنٹ غلام محی الدین ٹاک نے سید میر قاسم کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ شمیم صاحب کو ووٹ دے کر ہم نے سخت غلطی کی ہے اور ہم کو معاف کردیا جائے۔

۹. ایک اڑتی ہوئی خبر ہے کہ صفا کدل سے نیشنل کانفرنسی امیدوار غازی عبدالرحمان بھی انتخاب کا بائیکاٹ کریں گے، ان کا یہ فیصلہ شیخ صاحب کی اپیل کا نتیجہ ہے یا ناکامی کے اندیشے کا ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

☆☆☆

....

آئندہ انتخابات کے لیے ریاستی کانگریس کے اُمیدواروں کی فہرست کی سال ۱۹۶۶ء کا بہترین لطیفہ قرار دیا گیا ہے۔ واشنگٹن میں مقیم ہمارے نمائندے نے الجزائر کے سرکاری حلقوں کے حوالے سے خبر دی ہے کہ اس فہرست سے مشرق وسطیٰ میں طاقتی توازن کے بگڑنے کا سخت اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ صفا کدل سے مسٹر محی الدین صلاتی، بڈگام سے مسٹر صادق علی اور پانپور سے خواجہ مبارک شاہ قادری کی نامزدگی اس وقت صدر جانسن اور برطانوی وزیر اعظم ولسن کے درمیان اہم مذاکرات کا باعث بنی ہوئی ہے۔

صدر ایوب نے عالمی ریڈ کراس سے درخواست کی ہے کہ منشی محی الدین صلاتی نے پاکستان سے آیا ہوا جو ہزاروں روپیہ خرد برد کیا ہے، وہ پاکستان کو واپس دلایا جائے۔

....

سٹی زن کونسل کی زنانہ شاخ کی اہتمام سے پچھلے دنوں سیاحوں کے استقبالیہ مرکز میں جو تقریب منعقد ہوئی۔ اس کی صدرات کانگریس منڈیٹ کے ایک امیدوار سری کنٹھ کول نے فرمائی۔ کول صاحب نے بہار کے مصیبت زدگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کونسل کے چیرمین شری شیونرائن فوطیدار پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے سٹی زن کونسل کو لیڈروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا۔ کول صاحب نے دھمکی دی کہ اگر شیونرائن فوطیدار کو حبہ کدل سے کانگریسی اُمیدوار نامزد کیے جانے کے فیصلے کو فوری طور منسوخ نہ کیا گیا تو وہ کونسل کی مردانہ شاخ سے مستعفی ہو کر زنانہ شاخ میں شامل ہو جائیں گے۔ ہمارے نمائندے کا کہنا ہے کہ اس دھمکی کے فوراً بعد شری فوطیدار نے حبہ کدل سے کانگریس ٹکٹ پر الیکشن لڑنے سے انکار کر دیا۔

....

قانون ساز اسمبلی کے موجودہ ممبر خواجہ غلام حسن خان نے دعویٰ کیا ہے کہ اُنہیں کانگریس منڈیٹ دینے میں ریاستی کانگریس سے زیادہ شریمتی اندرا گاندھی کا زیادہ دخل ہے۔ ان کے بیان کے مطابق شریمتی گاندھی انہیں خان چاچا کہہ کر پکارتی ہیں اور وہ بھی اپنی بھتیجی کو ہر سال امری سپیشل کی چار پیٹیاں باقاعدگی سے بھیجتے ہیں۔ اب کی بار چونکہ منڈیٹ کا سوال درپیش تھا، اس

کے لیے خان چاچا نے امری پیشل درجہ اول کی آٹھ پیٹیاں اندرا بیٹی کے نام بھیجی تھیں۔ خان صاحب کے ذاتی ملازم نے ایک بیان میں کہا ہے کہ شریمتی گاندھی نے صادق صاحب سے کہا ہے کہ اگر ۷۵ کانگریسی اُمیدواروں میں سے ۷۴ اُمیدوار ہار بھی جائیں تو کوئی بات نہیں، خان چاچا کو نہیں ہارنا چاہیئے کیونکہ خان چاچا ہندوستان اور کشمیر کے درمیان الحاق کی واحد ضمانت ہیں۔ ادھر خان چاچا ممبر اسمبلی کی حیثیت سے اپنی سلور جوبلی منانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

....

بڈگام کے کانگریسی اُمیدوار صادق علی کو کس کولمبس نے دریافت کیا؟ اس کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صادق علی میر غلام محمد لسجن کی دریافت ہیں کچھ لوگ انہیں حسنِ اتفاق کی پیداوار بتا رہے ہیں۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ان کی دریافت میں ڈورو والے سید حسین صاحب کا بھی کچھ حصہ ہے۔ خود صادق علی کا دعویٰ ہے کہ وہ پیدائشی کانگریسی ہیں اور پیدا ہوتے ہی انہوں نے جے ہند کا نعرہ دیا تھا۔ ادھر سنٹرل انٹلیجنس ایجنسی کے افسروں نے یہ اطلاع دی ہے کہ مسٹر صادق علی کے گھر میں شیخ صاحب کی تصویروں کے البم میں سے شیخ صاحب کی تصویریں نکال کر میر غلام محمد لسجن کی تصویریں سجا دی گئی ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں پروردگار سے نا ید یار تک!۔

....

خانیار (سرینگر) کے یوتھ کانگریس لیڈر محمد شفیع شیدا نے دھمکی دی ہے کہ اگر انہیں جلد از جلد مناسب نوکری نہیں دی گئی تو وہ کانگریس چھوڑ کر نیشنل

کانفرنس میں شامل ہوں گے۔ یاد رہے کہ ڈیڑھ سال قبل شیدؔا صاحب محاذ رائے شماری سے مستعفی ہوکر اس اُمید پر کانگریس میں شامل ہوئے تھے کہ اسمبلی کے لیے انہیں کانگریس منڈیٹ دیا جائے گا۔اب جب کہ منڈیٹ بٹ چکے ہیں، شیدؔا صاحب بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی ، کے مصداق اچھی سے سرکاری نوکری پر ہی گذارہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کچھ جہاں دیدہ بندوں کا خیال ہے کہ شفیع شیدؔا کے انجام سے ابن الوقتوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔

....

ہائیڈروفوبیا کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا کہ بڑی موذؔی بیماری ہے۔ پانی کا نام سنتے ہی مریض ہڑ بڑا اُٹھتا ہے۔ بارہ مولہ میں حاجنوفوبیا کی ایک نئی بیماری دریافت ہوئی ہے اور ایک اطلاع کے مطابق ضلع کے ڈپٹی کمشنر مسٹر کول اس بیماری کا شکار ہوگئے ہیں۔ان کے سامنے بھی حاجن (جومحی الدین حاجنی کی وجہ سے مشہور ہے) کا کوئی شخص آ جائے تو وہ ہڑ بڑا کر اس پر گالیوں کی بارش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پھر آئے ہو مجھے قتل کرنے ......اس بیماری کا تعلق کول صاحب پر مئی ۱۹۶۶ء میں موضع حاجن پرؔ اس حملے سے ہے جس میں انہیں کچھ چوٹیں آئی تھیں ابھی تک ماہرین نے اس بیماری کے علاج پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔

....

نیشنل کانفرنسی لیڈروں کو انتخابی جنگ میں یوں تو کئی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات پر یقین نہیں آتا کہ انتخابات میں دھاندلیاں نہیں ہوں گی۔کانفرنسی لیڈر قسمیں کھا کھا کر عوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اب کی چوری کی کوئی گنجائش نہیں

لیکن ماضی کے تجربات نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ حکومت ہمیشہ چوریاں کرے گی اور ووٹ خواہ کسی کے حق میں پڑیں کامیاب وہی ہوگا جسے سرکار چاہے گی۔ ایک کانگریسی لیڈر نما کارکن نے اس صورت حال پر مسکراتے ہوئے یوں تبصرہ کیا کہ "بخشی صاحب کم از کم اس معاملہ میں صادق صاحب کو قصور وار نہیں ٹھہرا سکیں گے"۔ بیچارے بخشی صاحب کو کیا معلوم تھا کہ انہی کی بلی انہی سے میاؤں کرے گی۔

☆☆☆

....

اب معتبر حلقوں نے اس غیر معتبر خبر کی تصدیق کر دی ہے کہ ریاستی کانگریس میں "کرسی کی لڑائی" اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ ہمارے نمائندے کا کہنا ہے کہ کابینہ کی تشکیل کے سلسلے میں "میر کارواں" (یعنی میر قاسم) اور "پیر کارواں" (یعنی صادق صاحب) کے درمیان اختلافات کی نوعیت شدید سے شدید تر ہوگئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ پیر کارواں نے میر کارواں کی ایک نہ سُنی اور اپنی مرضی کی کابینہ بنا ڈالی۔ میر کارواں نے احتجاج کیا، دھمکیاں دیں، منت سماجت کی، لیکن پیر کارواں پان چباتے رہے، بالآخر میر صاحب جموں چھوڑ کر کشمیر بھاگ گئے۔

کلی ہم نے کہا تھا، تم تو دنیا چھوڑ جاتے ہو

....

ریاستی کابینہ کی تشکیل کے سلسلے میں یہاں طرح طرح کے افسانے مشہور ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وزراء کی آخری فہرست کا اعلان کرنے سے پہلے

یہ فہرست کئی مرتبہ تبدیل کی گئی۔ پہلی فہرست میں خواجہ شمس الدین کا نام تھا، لیکن اعلان سے پہلے صرف چند منٹ اسے سرخ سیاہی سے کاٹ کر اس کے اوپر پیر غیاث الدین لکھا گیا۔ وزیروں میں غلام رسول کار کا نام بھی درج تھا، لیکن راتوں رات انہیں وزیر سے گھٹا کر وزیر مملکت بنا دیا گیا۔ ڈپٹی وزیروں کے سلسلے میں قرعہ اندازی ہوئی اور اس طرح جو پہلے چھ نام نکل آئے انہیں ڈپٹی وزیر بنا دیا گیا۔ چیف پارلیمنٹری سیکریٹری عبدالعزیز زرگر کا نام بھی ڈپٹی منسٹری کے لیے تجویز ہوا تھا، لیکن ان کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ وہ انتخابات میں کانگریسی امیدوار خواجہ غلام حسن خان کو جتانے میں ناکام رہے ہیں۔

....

پیر غیاث الدین کا ریاستی کابینہ میں لیا جانا یقیناً ایک معجزہ سے کم نہیں، سید میر قاسم سے لے کر موہن لال چراغی تک سبھی کانگریسی کارکنوں کو اس حادثے پر حیرت ہے۔ پیر غیاث الدین کے متعلق صادق صاحب کی رائے وہی ہے جو بخشی عبدالرشید کے متعلق ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا صادق صاحب کی ہر کابینہ میں شامل ہونا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ صادق صاحب کو بھی اپنے ارد گرد اب بخشی عبدالرشید ہی اچھے لگتے ہیں۔ (ناظرین کو یاد ہوگا کہ پیر غیاث الدین بہت دن تک رشید صاحب کے کپڑوں پر استری کرنے کا کام کرتے رہے ہیں) ادھر ''گھاس دین'' نے دعویٰ کیا ہے کہ ''مجھے کابینہ میں لے کر صادق صاحب نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ مجھے اور میرے بھائی کو وہ وہ قیمتی راز معلوم ہیں کہ ہم چاہیں تو صادق صاحب کا انتخاب بھی کالعدم ہو سکتا ہے''۔

....

معلوم ہوا ہے کہ شوپیان کے حلقۂ انتخاب سے ہارے ہوئے کانگریسی امیدوار غلام حسن خان نے کامیاب امیدوار شمیم احمد شمیم کے خلاف الیکشن کمشنر کے پاس انتخابی عذرداری کی درخواست پیش کی ہے۔ ہمارے نمائندے نے اطلاع دی ہے کہ خان صاحب نے اپنی درخواست میں کہا ہے کہ شوپیان کے لوگوں کو ووٹ دینے کے حق سے محروم کر دیا جائے کیونکہ اُنہوں نے ایک ''میر زائی'' کو ووٹ دے کر اپنے ''فرقہ پرست'' ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ خان صاحب نے مزید کہا ہے کہ میں چونکہ ضعیف العمر ہوں اور آئندہ میرے ممبر بننے کا کوئی اندیشہ نہیں اس لیے مجھے ''قومی خدمت'' کا آخری چانس دیا جائے۔

....

ریاستی کانگریس نے اپنی انتخابی مہم کے دوران کسانوں کو صرف اس بات کا لالچ دیا تھا کہ ان کی سرکار بنتے ہی مالیہ معاف کر دیا جائے گا۔ ہمارے نمائندے نے دیہات سے اطلاع دی ہے کہ آج کل سرکاری اہلکار کسانوں سے مالیہ وصول کرنے میں غیر معمولی سختی اور تشدد سے کام لے رہے ہیں اور جب کسان اپنے نئے ممبروں کے پاس فریاد لے کر جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ''ہم نے تو صرف یہ کہا تھا کہ مالیہ معاف ہوگا، کب ہوگا؟ اس کے لیے ہم نے کوئی تاریخ تو مقرر نہیں کی تھی''۔

....

معلوم ہوا ہے کہ ریاستی کانگریس کے بعض ناراض ممبر کانگریس سے الگ ہو کر جن کانگریس بنانے کی فکر میں ہیں لیکن ان ناراض ممبروں کو ابھی تک کوئی چرن سنگھ نہیں ملتا، کچھ لوگ سابق وزیر اعظم خواجہ شمس الدین کو سولی پر چڑھانا چاہتے ہیں لیکن دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔ شمس صاحب

چونکہ گدّی پر سوار ہو کر اس سے اتارے گئے ہیں، اس لیے ایسا ان کی ہمت نہیں پڑتی، کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں، ہے کوئی بخشی غلام محمد جو اس نکمے کو وزیر اعلیٰ بنا دے!

....

ایک اطلاع کے مطابق آل جموں و کشمیر ولداخ نیشنل کانفرنس کا صدر دفتر اب سرینگر سے دہلی منتقل ہو رہا ہے۔ بیس سال بعد بخشی صاحب پر اب یہ عقدہ کھل گیا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، وہ دلی میں ہوتا ہے، کشمیر میں رہ کر وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کانفرنس کی مجلس عاملہ کو بھی مستقل طور پر دلی میں ہی آباد ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ادھر ڈورو والے سید میر قاسم بار بار بخشی صاحب کے متعلق سنسنی خیز انکشافات کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔

☆☆☆

....

انتخابات کا بخار روز بروز تیز ہوتا جا رہا ہے۔ لال چوک میں کانگریس منڈیٹ کے امیدواروں کا ہجوم یوں سرگرداں نظر آتا ہے کہ جیسے میٹرک کے طالب علموں کو سالانہ نتائج کا انتظار ہو۔ روز یہ افواہ اڑائی جا رہی ہے کہ آج منڈیٹ کا اعلان ہوگا اور شام گئے تک اُمیدواروں کا دو پونڈ خون خشک ہو جاتا ہے۔ ضلع بارہ مولہ کے ایک کانگریسی امیدوار سے اس نمائندے نے جب پوچھا کہ وہ اتنے دنوں سے سرینگر میں کیا کر رہا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ "مجھے تعویذ کا انتظار ہے، تعویذ مل جائے گا، تو سب بگڑے کام بن جائیں گے ،حلقۂ انتخاب میں کام کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہے گی"۔ تعویذ سے امیدوار

کا مطلب مینڈیٹ سے تھا!۔

....

صوبہ کشمیر میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کے واحد لیڈر اور ممبر شری عبدالکبیر وانی نے شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اور چین اور پاکستان سے بات چیت کا مطالبہ کیا ہے۔ وانی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ شیخ صاحب کی رہائی کے بغیر مسئلہ کشمیر کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ستم ظریف دوست نے کہا کہ جوں جوں انتخابات قریب آتے جا رہے ہیں، کچھ لیڈروں کو شیخ صاحب کی محبت بھی ستانے لگی ہے۔ وہ شیخ صاحب کی رہائی کا مطالبہ کر کے ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر خدانخواستہ کامیاب ہو گئے تو شیخ صاحب کی نظر بندی کا جواز تراشیں گے۔ خود صادق صاحب بھی شیخ صاحب کی رہائی کا مطالبہ کرتے کرتے برسر اقتدار آ گئے تھے۔ شہر میں بڑے زوروں سے یہ افواہ گشت لگا رہی ہے کہ مرزا محمد افضل بیگ عنقریب رہا کر دیے جائیں گے۔ ایک غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق مراز بیگ کو چند دن کے لیے دہلی لیجایا گیا تھا۔ جہاں انہوں نے ریاستی لیڈروں کے علاوہ بعض سرکردہ مرکزی رہنماؤں سے بھی بات چیت کی۔ چنکرال محلّہ نیوز ایجنسی کا کہنا ہے کہ مرزا افضل بیگ نے مشروط طور پر رہا ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ نیوز ایجنسی کے ایک نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ مجھے کشمیر سے زیادہ ویٹ نام کی الجھن سے تشویش لاحق ہو رہی ہے، اگر مجھے رہا کر دیا گیا تو میں بین الاقوامی ریڈ کراس میں شامل ہو کر ویٹ نام کے زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے جاؤں گا۔

....

اب کی باریوں تو ہر حلقۂ انتخاب میں مخالف امیدواروں میں زبردست ٹکراؤ ہوگا، لیکن حبہ کدل حلقۂ انتخاب عملاً ایک کارزار کی شکل اختیار کرے گا۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً پچاس امیدوار صرف حبہ کدل سے کھڑے ہو رہے ہیں ۔ ان امیدواروں میں کانگریسی لیڈر شری ڈی ، پی ، در، نیشنل کانفرنسی امیدوار جانکی ناتھ بھان ایڈوکیٹ اور شیام لعل کول ایڈوکیٹ ، کمیونسٹ لیڈر موتی لعل مصری، جن سنگھی رہنما شری ٹیکہ لال ٹپلو اور درجنوں آزاد امیدوار شامل ہیں ۔ایک سابق انجینئر شری جتندر ناتھ بخشی نے بھی اسی حلقے سے انتخاب لڑنے کی دھمکی دی ہے ، شری جانکی ناتھ بھان نے اس نمائندے سے گرگوشیاں کرتے ہوئے کہا کہ میں تو اسی حلقۂ انتخاب سے کھڑا ہوں گا جہاں سے ڈی، پی صاحب کھڑے ہوں گے۔

....

پنجورہ شوپیان میں پچھلے دنوں وزیر مملکت سردار ہربنس سنگھ آزادؔ نے نلکوں میں پانی جاری کرنے کی رسمِ افتتاح انجام دی ۔ اس موقع پر ایک سادہ و معصوم تقریب منعقد ہوئی ۔جس میں حاضرین کی تواضع ایک تقریر اور مہمان خصوصی کی تواضع ایک پیالی چائے سے کی گئی۔آزاد صاحب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے نلوں میں پانی جاری کردیا۔لیکن واپسی پر وہ ابھی پلوامہ بھی نہیں پہنچے تھے کہ نلکوں کا پانی سوکھ گیا اور ابھی تک سوکھا پڑا ہے۔ایک دیہاتی کا کہنا ہے کہ آزاد صاحب رسم افتتاح کے لیے اپنی گاڑی ہی میں دو تین بالٹی پانی لائے تھے، خدا بہتر جانتا ہے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

....

سرینگر میونسپلٹی نے پرتاپ پارک کے قریب مفصلات کو جانے والی بس

سروس کے اڈے میں ایک نئی تجربہ گاہ کھولی ہے، اس تجربہ گاہ میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ ایک جگہ مسلسل پیشاب کرنے سے آب و ہوا میں کیا تاثیر پیدا ہوسکتی ہے اکثر بیرونی سیاح سرینگر میونسپلٹی کے اس نادر تجربے کی جی کھول کر داد دے رہے ہیں میونسپل مشاورتی بورڈ کے ایک ممبر نے کہا کہ شہر کے اندرون میں اس قسم کی سینکڑوں تجربہ گاہیں پہلے سے ہی قائم ہیں۔

☆☆☆

....

شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ آج کل معجزات کا ایک نیا سلسلہ منسوب کیا جارہا ہے ایک خبر یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی نظر سے ایک ایسے مریض کو ٹھیک کردیا جو کینسر جیسے لاعلاج مرض میں مبتلا تھا۔ چراغ بیگ کو اس سلسلے میں ایک دوست کی زبانی ایک دلچسپ واقعہ سننے کا اتفاق ہوا۔ یہ صاحب شیخ صاحب کے ساتھ کسی دعوت میں شریک تھے۔ شیخ صاحب مجلس میں تھے کہ ایک بزرگ صورت شخص تشریف لائے اور شیخ صاحب کے پاس پہونچ کر ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے، جب شیخ صاحب نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب کئی بیویوں کے شوہر بننے کے باوجود ابھی تک اولاد سے محروم ہیں اور اب شیخ صاحب کی مدد کے طلبگار ہیں۔ شیخ صاحب نے فوراً شیرینی کی ایک بڑی مٹھی بزرگ کے ہاتھ میں تھمادی، لیکن جب ہمارے دوست نے اشارہ کیا کہ کہیں شیرینی کے اس قدر دانے فیملی پلاننگ مہم کے خلاف تو نہیں ہیں، شیخ صاحب ہنس دئے اور انہوں نے بزرگ کے ہاتھ میں صرف تین دانے رہنے دئے۔

....

نئے ناظم تعلیمات کی تقرری صادق صاحب کے لیے سر درد بن کر رہ گئی ہے کیونکہ اس معاملے میں ان کے کوئی دو صلاح کار ایک سی رائے نہیں رکھتے۔ صادق صاحب فیصلہ کرنے کی قوت سے بچنے کے لیے اس اس معاملے کو لاٹری کے ذریعے حل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ مختلف امیدواروں نے اب صادق صاحب کے دروازے کی بجائے میرک شاہ صاحب کے آستانے کی قدم بوسی شروع کر دی ہے۔

....

کشمیر میں موسم کی خوشگوار کروٹ کو موجودہ حکمرانوں کی بہت بڑی کامیابی قرار دیا گیا ہے۔ صادق صاحب کا کہنا ہے کہ مجھے اپنے نا اہل افسروں نے جھوٹے وعدوں سے اس قدر خراب کر دیا تھا کہ اگر خدائے ذوالجلال بذاتِ خود میری امداد کو نہ آتے تو سارا بھرم کھل گیا ہوتا۔ ان کی زبان پر غالب کا یہ مصرعہ جاری رہتا ہے۔

رکھ دی میرے خدا نے میری بے کسی کی شرم

....

مولانا محمد فاروق آج کل قوم کے حق خود ارادیت کی بجائے اپنی دستار بندی اور دُھسہ نوازی کے کام کو زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے عقیدت مندوں کے یہاں ضیافتیں تناول کر کے ان کے حق میں دعائے خیر ادا کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ قومیں افراد سے عبارت ہوتی ہیں لہٰذا افراد پر توجہ کرنے سے حتمی طور قوم کے بہتر مستقبل کا کام ہی انجام پاتا ہے۔

....

میر غلام رسول نازکی اپنے ہفت روزہ ''الغفران'' کی رسم فاتحہ کے لیے احباب کی ایک فہرست تیار کر رہے ہیں۔ نازکی صاحب کا کہنا ہے کہ اُن کے اخبار کی پذیرائی خوب ہوئی۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور سراہا گیا، لیکن پھر بھی اسے بند کرنے پر مجبور ہوں، جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ نئے مکان کی تعمیر نے میرے دل میں حسرت تعمیر کے تمام ولولوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ میں اب یہ نکتہ پہچان گیا ہوں کہ مکان بنانے سے مکان کو کرایہ پر حاصل کرنا اچھا ہے اور اسی طرح اپنا اخبار نکالنے سے یہی بہتر ہے کہ دوسروں کے اخباروں میں لکھا جائے۔

....

شہر کے طلباء آج کل حکومت سے پھر ناراض نظر آ رہے ہیں اور اُن کی ناراضگی کا تازہ سبب بے حد دلچسپ ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اتنے خوبصورت موسم کے باوجود حکومت کیوں ۱۳ ردسمبر سے کالجوں کو بند کرنے کی حماقت کر رہی ہے خاص طور پر جبکہ اُسے معلوم ہے کہ اس حکم کے ردِ عمل میں شہر کی ساری راہیں سنساں ہو جائیں گی اور کوئی دل پھینک کسی دلا ویز حسینہ کو سڑک کے کنارے چُست لباس میں محوِ خرام نہیں دیکھ سکے گا۔ اس ناراضگی میں طالبات کی ایک بڑی تعداد برابر شریک ہے، جنہوں نے اس سیزن کے لیے چُست لباس کے تازہ جوڑے تیار کروا رکھے تھے۔ لیکن جنہیں اب وہ مارچ کے دوسرے ہفتے سے قبل زیب تن نہ کرسکیں گے۔

☆☆☆

....

ایک خبر رساں ایجنسی نے اطلاع دی ہے کہ اللہ میاں نے دفعہ ۳۷۰

کے تحت اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے کشمیر میں موسم گرما کی معینہ مدت گھٹا کر صرف پندرہ دن کردی ہے۔اب موسم گرما کے دنوں میں بھی گرم کپڑوں اور کانگڑی کی ضرورت بدستور قائم رہے گی۔آئے دن کی بارشوں کے متعلق خبر رساں ایجنسی کے ایک ترجمان نے کہا کہ کشمیر کے موسم کو لندن کے موسم کی سطح تک لانے کے لیے آئینِ موسمیات'' میں کچھ ترامیم ناگزیر بن گئی ہیں۔

....

غیر معتبر حلقوں کے معتبر ذرائع سے وصول شدہ خبروں کے مطابق دستور ہند میں ترمیم کا ایک سرکاری بل پیش ہورہا ہے۔جس کی رو سے آئین کے کچھ اہم ابواب کو منسوخ کر کے ڈی،آئی،آر کو ملک کا دائمی قانون قرار دیا جائے گا۔ماہرین قانون نے ماہرین سیاست کو مشورہ دیا ہے کہ آئندہ سو سال تک چونکہ پاکستان اور چین کا خطرہ موجود رہے گا اس لیے ایمرجنسی کو ختم کر کے ملک کی سلامتی کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔

....

ایک اطلاع کے مطابق وزیر داخلہ شری ڈی،پی،در نے آئندہ انتخابات میں اپنے '' ہاتھ کی صفائی'' دکھانے کے لیے ریاستی سرکار کے سربراہ خواجہ غلام محمد صادق سے '' خصوصی اختیارات'' اور '' خصوصی مراعات'' کا مطالبہ کیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ ڈی،پی صاحب ان دنوں ایک '' الیکشن برگیڈ'' منظّم کرنے میں مصروف ہیں

....

خصوصی زنانہ پولیس فورس کے منظّم کیے جانے کا اعلان ہوتے ہی

شہریوں کی زنانہ کونسل (سٹی زن کونسل) نے شدید احتجاج کیا ہے۔ زنانہ کونسل کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ زنانہ پولیس فورس کی تنظیم دراصل ہماری صلاحیتوں اور اہلیتوں پر عدم اعتماد کے مترادف ہے۔ ایک لیڈر نے جب یہ مطالبہ کیا کہ زنانہ پولیس فورس کو زن کونسل کی نگرانی میں دیا جائے، تو دوسرے لیڈر نے اس میں ترمیم کی کہ زن کونسل کو ہی پولیس فورم کا نام دیا جائے۔

....

ایک غیر مصدقہ افواہ کے مطابق صوبہ کشمیر کے ڈی، آئی، جی شری ڈی، این کول کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے صدر مقرر کیے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ ڈاکٹر نصیر احمد تعینات کیے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر نصیر احمد کے محکمۂ پولیس میں جانے کی وجہ سے محکمۂ صحت میں جو خلا پیدا ہوگا۔ اُسے پُر کرنے کے لیے ڈاکٹر عزیز احمد قریشی کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔

....

ہوم سیکریٹری شری غلام رسول رینزو نے جموں جیل میں مولانا محمد سعید مسعودی اور خواجہ غلام محی الدین قرہ سے ۹۵ منٹ کے لیے جو خفیہ بات چیت کی اس کے متعلق غیر سیاسی حلقوں میں ہوش ربا قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ ایک افواہ باز ایجنسی کا کہنا ہے کہ ہوم سیکریٹری نے دونوں لیڈروں کو سرکاری ملازمت قبول کرنے کی دعوت دی۔ مولانا نے رینزو صاحب کی اس پُرخلوص پیشکش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہر سیاسی لیڈر غلام رسول رینزو نہیں ہوتا''۔

....

''آئینہ'' کے ادبی ایڈیشن میں ''کوہ کن'' کے نام سے چھپنے والے تخریبی

سلسلۂ مضامین کے اصلی مصنف کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں جاری ہیں ۔اس سلسلہ میں علی محمد لون ، شمیم احمد شمیم ،محمد امین کامل ، فاروق نازکی اور محمد یوسف ٹینگ کے نام لیے جارہے ہیں ۔کلچرل اکاڈمی کے سیکریٹری کا عہدہ پُر کرنے کے لیے ریاستی محکمۂ سراغرسانی نے کسی موزون آدمی کی ''دریافت'' کے سلسلہ میں بعض انتہائی معصوم آدمیوں سے بھی پوچھ گچھ کی ہے۔ایک ''ماہرافواہیات'' (جمع افواہ کی) نے یہ افواہ اڑائی ہے کہ غلام حسن عارف (سابق ڈائریکٹر سری کلچر) نے اس عہدے کے لیے اپنی خدمات پیش کردی ہیں ۔اُنہوں نے باضابطہ درخواست دے کر اپنی کوالی فیکیشنز گنائی ہیں ۔شہر کے ادبی حلقوں میں کچھ دنوں سے سرقے کی بعض سنسنی خیز وارداتوں کا ذکر ہورہا ہے۔رحمان راہی پر سلیم گمی کا مضمون اور بنسی نردوش پر ڈاکٹر شنکر رینہ کا افسانہ چرانے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ ''آئینہ'' کی ادبی اشاعت میں دونوں ملزموں کا بیانِ صفائی پیش ہوگا۔ دریں اثنا زنانہ فورس کے وزن پر ایک ادبی پولیس فورس بنانے کی تجویز بھی حکومت کے زیرغور ہے۔ یہ ادبی پولیس ادبی سارقوں کا سراغ لگانے کے فرائض انجام دے گی۔

....

''آئینہ'' کے سیاسی جیوتشی نے اطلاع دی ہے کہ ریاستی کابینہ میں عنقریب ردوبدل کیا جائے گا۔جیوتشی جی کا کہنا ہے کہ ابھی حال ہی میں دلی کے کاریگروں نے ٹوٹے ہوئے شیشے میں جو جوڑ لگایا تھا، وہ ایک بار پھر ٹوٹ

گیا ہے اور اب کی بار ایسا ٹوٹا ہے کہ جڑنے کی کوئی امید نہیں۔ جیوتشی جی کا خیال ہے کہ بہت سے وزیروں اور مشیروں کے ستارے مستقل چکر میں ہیں اور علم جیوتش کی رُو سے اس وقت صرف ایک بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ صادق صاحب بدستور وزیر اعلیٰ رہیں گے باقی وزیروں کا خدا ہی حافظ!۔

....

مرکزی وزیر اطلاعات شری کے، کے، شاہ مقامی ایڈیٹروں کو بھاشن دے رہے تھے کہ ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور عوام کو "تعلیم یافتہ" بنانے کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ تقریر کے اختتام پر شمیم احمد شمیم نے ایک تجویز پیش کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت نے ڈاکٹروں، حکیموں، وکیلوں، ڈرائیوروں اور نائیوں تک کے لیے سند یافتہ یا صاحب لائسنس ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن اخباری ایڈیٹروں کے لیے سند یا لائسنس تو کیا، بنیادی تعلیم بھی ضروری قرار نہیں دی گئی ہے۔ حالانکہ اخبار کا تعلق عامتہ الناس سے ہے بہتر یہ ہے کہ حکومت اخباری ایڈیٹروں کے لیے کم سے کم تعلیمی معیار مقرر کر کے جاہل اور نیم خواندہ افراد کو اخبار جاری کرنے کی اجازت ہی نہ دے۔ معلوم ہوا ہے کہ بہت سے نیم خواندہ ایڈیٹر صاحبان نے اس تجویز کے خلاف رائے عامہ منظم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

....

سری نگر کے ایس، ایم، ایچ ہسپتال میں مقیم ہمارے نمائندے نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ہسپتال میں مریضوں کے علاج کے ساتھ ان کی کھال بھی ادھیڑی جاتی ہے۔ مریضوں اور ان کے لواحقین سے نذرانہ وصول

کرنے کا کام خدمتگاروں، نرسوں اور چپراسیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں بڑے بڑے مولوی صفت اور پنڈت نما ڈاکٹر صاحبان بھی شریک ہیں۔ ہمارے نمائندے کا کہنا ہے کہ مریضوں سے ایک ایک ڈیڑھ سو روپیہ وصول کر کے ان کے آپریشن کیے جاتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں فلاحی ریاست کی جانب ایک قدم!۔

....

وزیر خوراک وخزانہ شری ڈی، پی در نے ایک پریس کانفرنس میں جن سنگھ کی طرف سے عائد کردہ اس الزام کی پُر زور تردید کی، کہ ریاست سے چاول پاکستان کو سمگل کیا جا رہا ہے۔ شری در نے کہا ریاست کی سرحدیں حفاظتی فوجوں کی نگرانی میں ہیں اور سمگلنگ قطعی ناممکن ہے" میں اس سلسلے میں آپ سے زیادہ جن سنگھی دوستوں کی بات کا یقین کرتا ہوں کہ وہ خود اس کاروبار میں مصروف ہیں اور ان کا الزام ان کے اپنے تجربات پر مبنی ہے۔" شمیم احمد شمیم نے کہا،" آپ سے اتفاق کرنے کو جی چاہتا ہے، شری در نے جواب دیا۔

....

ایک اطلاع کے مطابق حالیہ گڑبڑ کے سلسلے میں گرفتار شدگان کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا ہے کیونکہ بہت سے صاحبانِ اقتدار واثر رسُوخ اپنے" رقیبوں" سے پرانا حساب چکانے کے لیے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ رہے ہیں۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ گرفتار شدگان میں اصلی مجرموں کی بجائے ان شرفاء کی تعداد زیادہ ہے جنہوں نے کبھی کسی لیڈر، افسر یا سپاہی کو سلام نہیں کیا ہے۔ ایک سرکاری ترجمان کا کہنا ہے کہ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ شہر کے تمام

شریف لوگوں کو گرفتار کر کے انہیں غنڈوں اور بد معاشوں سے محفوظ کر دیا جائے گا۔

....

لداخ میں مقیم ہمارے نمائندے نے ہمیں وزیر صنعت پیر غیاث الدین کے دورۂ لداخ کا آنکھوں دیکھا حال لِکھ بھیجا ہے۔ نمائندے نے اپنے مراسلے میں ہمیں وزیر صنعت پیر غیاث الدین صاحب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسا آتش بار اور جادو بیان مقرر اہل لداخ نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ نمائندے نے انکشاف کیا ہے کہ غیاث الدین صاحب نے کئی بار لداخی میں تقریر کی (نمائندے کو کیا معلوم کہ غیاث صاحب دراصل انگریزی بول رہے تھے) اور وہ لداخ میں اس قدر مقبول ہو گئے کہ بہت سے لوگ انہیں کوشک بکولا کی جگہ ہیڈ لاما بنا کر لداخ میں ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ غیاث صاحب کا اس سے بہتر مصرف ممکن نہیں ہوسکتا!۔

....

پچھلے ہفتے موبائل مجسٹریٹ غلام احمد کوچھے کی شادی حکیم غلام محی الدین کی دختر نیک اختر سے انجام پائی۔ براتیوں میں جسٹس مرتضیٰ فضل علی سے لے کر غلام حسن نحوی میونسپل مجسٹریٹ تک سبھی جج صاحبان شامل تھے۔ شمیم احمد شمیم براتیوں کا استقبال کر رہے تھے، کہ ان کی نظر غلام حسن نحوی پر پڑی، انہوں نے فوراً بلند آواز سے براتیوں کو متنبہ کر دیا کہ وہ اپنے جوتوں کا خیال رکھیں کیونکہ جوتوں کی چوری کے سلسلے میں مسٹر سندرم کو نہیں بلایا جا سکتا۔

....

شہری اتحادی کونسل کے چیرمین ایم، اے شہمیری نے شہریوں سے اپیل

کی ہے کہ وہ ان کے بڑھاپے پر رحم کھا کر کسی قسم کا دنگا فساد نہ کریں۔ شمیری صاحب نے کہا ہے کہ مجھ میں اس ضعیف العمری میں پیدل چل کر امن و امان رکھنے کی ہمت نہیں اور میں فساد کے دوران اپنی موٹر کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں، ایک اندازے کے مطابق اس اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔

☆☆☆

....

ریاست کے سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے متعلق یہ سننے میں آیا ہے کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت آج کل پیروں، فقیروں اور بزرگوں کی صحبت میں گذارا کرتے ہیں اور اپنے امیدواروں کے لیے گنڈے تعویذ حاصل کرتے ہیں۔ نیشنل کانفرنس کے ایک جن سنگھی رکن نے اس نمایندے کو بتایا کہ بخشی صاحب اُمیدواروں کے ناموں کا اعلان کرنے سے پہلے فرداً فرداً ہر امیدوار کی جنم پتری کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور اگر اس میں انہیں کوئی گڑ بڑ والی بات نظر آئے تو پھر دوسرے امیدوار کی تلاش ہوتی ہے، اسی لیے امیدواروں کے ناموں کا اعلان نہیں ہو پاتا، توقع ہے کہ کاغذات نامزدگی داخل کرنے سے چند منٹ پہلے پچاس فیصدی امیدواروں کا اعلان کر دیا جائے گا۔

....

خبر ملی ہے کہ مولینا محمد سعید مسعودی کے فرزند مسٹر شبیر مسعودی اور روگھناتھ ویشنوی ایڈوکیٹ کو کوڈے کنال مدراس سے شیخ صاحب کی طرف سے ایک تار موصول ہوا ہے جس میں دونوں صاحبان سے کہا گیا ہے کہ ’’ الیکشن لڑنا چاہو، تو ضرور لڑو، لیکن خدا اور بھگوان کے لیے میرے نام کو اس

غلاظت سے وابستہ نہ کرو"۔ شبیر مسعودی اور مسٹر ویشنوی نے اس نمایندے کو بڑے راز دارانہ لہجے میں بتایا کہ یہ تار دراصل شیخ صاحب نے نہیں، بلکہ کوڈے کنال کے کلکٹر نے بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ شیخ صاحب انتخابات میں حصہ لینے کے حق میں نہیں ہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کے مخالف ہیں!۔

....

پانپور کے کانگریسی اُمیدوار الحاج مُبارک شاہ قادری نے "منتخب عوام" کے ایک مختصر سے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "آپ حضرات مجھے ووٹ دیں یا نہیں، میں اس کے باوجود کامیاب ہو جاؤں گا۔ میں اگر آپ سے ووٹ مانگ رہا ہوں، تو صرف اس لیے کہ آپ لوگوں کی عزت رہے"۔ قادری صاحب نے آگے چل کر فرمایا: "میں نے ڈپٹی کمشنر اننت ناگ کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ میرے مخالف امیدوار مسٹر جیلانی کو گرفتار کریں، کیونکہ وہ "امن عامہ" کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں"۔

....

بخشی غلام محمد کے حریف کانگریسی اُمیدوار شری محی الدین صلاتی (جنہیں ماں بہن کی گالی دینے پر طولیٰ حاصل ہے) نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر ریاستی ہوم گارڈ کی مدد شامل حال رہی تو وہ بخشی غلام محمد کو چاروں شانے چت گِرا دیں گے۔ ادھر بخشی صاحب نے ایک غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے نمایندے کو بتایا ہے کہ صلواتی صاحب کو وہ صبح کے ناشتے کے ساتھ ہضم کر لیں گے۔ یاد رہے کہ شری صلواتی کو پاکستان نواز پارٹی پولٹیکل کانفرنس سے "اغوا" کرنے میں بخشی اور شری نفد نرائن کا بڑا عمل دخل رہا ہے، ادھر کانگریس کے

''اندرونی'' حلقوں نے بیرونی حلقوں تک یہ بات پہنچا دی ہے کہ مسٹر صلاتی کو بخشی غلام محمد کے مقابلہ میں اس لیے چنا گیا ہے کہ لیجسلیچر ان کی مضلطات سے محفوظ رہ سکے!۔

....

شوپیان کے کانگریسی امیدوار خواجہ غلام حسن خان نے وزیر اعلیٰ اور صدر کانگریس کو ایک تین نکاتی میمورنڈم پیش کر دیا ہے۔ انہوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر تینوں نکات پر عمل درآمد نہ ہوا تو وہ انتخابات سے دستبردار ہو کر آزاد امیدوار شمیم احمد شمیمؔ کے حق میں پروپاگنڈا شروع کر دیں گے۔ ہمارے نمائندے نے بڑی مشکل سے ان تین نکات .... تین مطالبات ...... کی ایک نقل حاصل کر لی ہے:

١. شوپیان کے تمام سرکاری ملازمین بالخصوص استادوں کو تبدیل کیا جائے۔

٢. ہوم گارڈ کا ایک طوفانی دستہ شوپیان بھیج دیا جائے اور اس کی کمان انہیں دی جائے۔

٣. پولنگ کے دن ان کی امداد کے لیے کچھ ''بکس توڑ'' ماہرین شوپیان بھیج دیے جائیں۔

....

پچھلے دنوں شہر کے ایک بہت بڑے مفتی صاحب ایک فیملی پلاننگ مرکز سے باہر آتے ہوئے دیکھے گئے۔ جب اس نمائندے نے ان سے پوچھا کہ وہ کس سلسلے میں اندر تشریف لے گئے تھے تو مفتی صاحب نے بڑی معصومیت کے ساتھ جواب دیا کہ اس کم بخت ڈاکٹر کو سمجھا رہا تھا کہ غلط کر رہے ہیں، نار جہنم میں جلا دیے جاؤ گے، لوگوں کو فیملی پلاننگ کے جال میں نہ پھنساؤ۔ کچھ

دیر بعد جب یہ نمایندہ ڈاکٹر صاحب سے ملا تو ڈاکٹر صاحب نے حقیقت بیان کی ، انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب فیملی پلاننگ کے سلسلہ میں مشورہ حاصل کرنے آئے تھے ، کہہ رہے تھے ''ڈاکٹر صاحب آٹھ بچے پیدا کر چکا ہوں ، خدا کے لیے مجھے بچایئے ،لیکن اس کا خیال رکھئے کہ کسی کو میرے یہاں آنے کا علم نہ ہو،لوگ بڑے جاہل ہیں''۔

....

ریاستی حکومت نے انتخابات کو پُر امن ماحول میں منعقد کرانے کے لیے شہر میں دو ماہ کے لیے دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی ہے۔ سرکاری جماعت کے ایک اعلیٰ رکن نے اس نمایندے کو بتایا کہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا مقصد مخالف امیدواروں کو یہ یاد دلانا ہے کہ ریاست پر دفعہ ۳۷۰ بدستور لاگو ہے۔اب کی بار چونکہ کچھ احمقوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ ریاست میں بھی ملک کے دیگر حصوں کی طرح آزادانہ فضا میں انتخابات عمل میں لائے جائیں گے،اس لیے ان کی غلط فہمی دور کرنا ضروری ہو گیا تھا۔اُدھر بعض دوستوں نے دفعہ ۱۴۴ کے ازسرنو نفاذ پر حیرت اور استعجاب کا اظہار کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انہیں آج تک معلوم ہی نہیں تھا کہ دفعہ ۱۴۴ کبھی اُٹھا بھی دی گئی ہے۔

☆☆☆

....

وزیراعظم اور گورنر ڈاکٹر کرن سنگھ کی خط و کتابت شائع ہو جانے سے ''آئینہ'' میں پچھلے ہفتے شائع شدہ اس خبر کی تصدیق ہو گئی ہے کہ گورنر صاحب نومبر تک اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں گے،معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر کرن

سنگھ نے معتبر، معتمد اور مشہور ''پنڈتوں'' کی ایک خفیہ کانفرنس طلب کی ہے جو ستاروں کی چال ڈھال دیکھ کر یہ فیصلہ کرے گی کہ انہیں کس سیاسی جماعت سے منسلک ہو جانا چاہئے۔ ابھی تک جتنے بھی نجومیوں سے ڈاکٹر صاحب نے یہ سوال پوچھا ہے، سب نے اُنہیں ''آئینہ'' کے ادارتی بورڈ میں شامل ہونے کا مشورہ دیا ہے۔

....

پچھلے دنوں جب ''آئینہ'' کے خلاف لوک سبھا میں مراعت شکنی کی تحریک پیش ہونے والی تھی تو مرکزی وزیر داخلہ شری گلزاری بھیا نے ریاست کے سابق وزیر داخلہ شری، ڈی، پی، در سے مخاطب ہو کر کہا ''کیوں، ڈی، پی صاحب، سنا ہے یہ ''آئینہ'' آپ کا پرچہ ہے؟'' ......ڈی، پی صاحب نے زہر خند کرتے ہوئے کہا ''جی ہاں'' صرف اسی شمارے میں (۱۵ اگست والے پرچے) میں میری خبر نہیں لی گئی ہے۔ پرچے پر میری ملکیت کی تصدیق کے لیے پچھلے دو سال کے کچھ شمارے بھی پڑھ لیجیے۔''

....

شری پرکاش ویر شاستری کتنے زبردست سراغ رساں اور قیافہ شناس ہیں، اس کا مظاہرہ اُنہوں نے اس دن کیا، جب اُنہوں نے ''آئینہ'' کے خلاف لوک سبھا میں مراعت شکنی کی تحریک پیش کر دی۔ انہوں نے کہا کہ چونکہ اس اخبار میں وزیر اعلیٰ کا ایک مضمون اور سرکاری اشتہارات بھی شائع ہوتے ہیں اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ اس اخبار کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ لندن ٹائمز کے ایک خفیہ نمائندے نے ہائیڈ پارک سے خبر دی ہے کہ شری شاستری کی اس زبردست، سراغ رسانہ، دریافت کی اشاعت کے فوراً بعد سکاٹ لینڈ یارڈ نے

انھیں لندن آنے کی دعوت دی ہے تاکہ ان کی سراغ رسانی اور قیافہ شناسی سے استفادہ کیا جاسکے۔

....

سرینگر سے پنڈت پریم ناتھ بزاز کی پُراسرار گمشدگی کے متعلق سیاسی اور تمدنی حلقوں میں طرح طرح کی چہ مہ گوئیاں ہورہی ہیں۔ کچھ سیاسی نجومیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ پنڈت صاحب کو کشمیر کی فضائیں راس نہیں آئیں اور وہ اب کشمیر نہیں آئیں گے، بلکہ دہلی میں بیٹھ کر ہی اپنی عقلیت سے یہاں کی اقلیت کو پریشان کریں گے۔ کامل، راہی، سنتوش اینڈ کو نے دعویٰ کیا ہے کہ بزاز صاحب کشمیر کلچرل سوسائٹی کی لاش دفنانے کے لیے دہلی گئے ہیں۔ تجہیز و تکفین کی رسومات ادا ہوتے ہی وہ پھر نمودار ہوں گے۔ بزاز صاحب کے قریبی حلقوں کا اندازہ ہے کہ وہ عنقریب لوٹ کر کشمیر میں ''یوگا'' کا ایک مرکز منظّم کررہے ہیں۔

....

آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ مرکزی سرکار کی طرف سے روس کا دورہ کرنے کے لیے جو صنعتی وفد منتخب ہوا تھا اس میں ریاست کی نمائندگی کرنے کے لیے جموں و کشمیر انڈسٹریل کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر آغا مظفر کا نام بھی شامل کیا گیا تھا، یہ الگ سوال ہے کہ شری آغا مظفر کو اس اعزاز کی اطلاع اس وقت موصول ہوئی جب کہ وفد روس پہنچ چکا تھا۔

....

سُنا ہے کہ ان دنوں کچھ بارسوخ اخبارات کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ بہت سے بزرگوں، نوجوانوں،

نادانوں اور نامعقولوں کے سر میں الیکشن لڑنے کا سودا سمایا ہے۔ ان میں اکثر کا خیال ہے کہ اخبار میں ان کے اس ارادے کی تشہیر سے ان کی ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ اس لیے وہ اپنے اس ''عزم'' کی اشاعت کے لیے ہر ممکن قیمت ادا کرنے کے لیے تیار رہیں ایک متوقع امیدوار نے اس نمایندے کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ'' اخبار میں خبر چھپنے سے سرکار ہمارا نوٹس لینے پر مجبور ہو جاتی ہے''۔ ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی؟

....

ایک اطلاع کے مطابق سرینگر میں ڈیپارٹمنٹ سٹور قائم کیے جانے سے تاجرانِ شہر اور منافع خوران قوم حکومت سے سخت ناراض و نالاں ہیں۔ ایک کمسن نمایندے نے اپنے ایک بزرگ کے حوالے سے یہ خبر بھیجی ہے کہ تاجروں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے'' انجمن چور بازاریاں'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے اور اس انجمن کا واحد مقصد ڈیپارٹمنٹ سٹور کے خلاف پروپا گنڈا کر کے اس کو کسی طور نا کام کرنا ہے۔ اِدھر حکومت وقت نے قسم کھائی ہے کہ وہ ڈیپارٹمنٹ سٹور کو کامیاب کر کے رہے گی چاہے کوئی مجھے جنگلی کہو!۔

....

سوپور کے ملک عبدالغنی ایم، ایل، اے نے وزیر مملکت غلام رسول کار سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے خلاف الزامات کی تحقیقات ہونے تک وزارت سے مستعفی ہو جائیں، شری کار نے اس نمایندے کو ایک غیر رسمی ملاقات کے دوران بتایا کہ مجھے ایسا کرنے میں کوئی اعتراض نہ تھا، لیکن بخشی صاحب کے ''استعفیٰ'' کے بعد اب ہر وزیر چوکنا ہو گیا ہے اور استعفیٰ دینے سے پہلے ایک بار نہیں بلکہ چھ سو بار سوچتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ملک صاحب کے

مشورے پر ہمدردانہ ''سوچ'' کررہا ہوں۔

☆☆☆

....

چھ لاکھ بنیادی ممبروں والی پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم نے پچھلے دنوں ایک مقامی پریس کانفرنس میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ بخشی غلام محمد کو اب یہ حیثیت حاصل نہیں ہے کہ ان کی ہر بات کا جواب دینا ضروری ہو، اس کے بعد صدر کانگریس نے بخشی صاحب کی طرف سے عائد کردہ الزامات کا توڑ کرنے کے لیے، اخبار نویسوں میں ایک ضخیم دستاویز تقسیم کردی۔ میر صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے بعد وہ ڈیڑھ گھنٹے تک اخبار نویسوں کے سامنے بخشی صاحب کا کچا چٹھا بیان کرتے رہے۔ آخر میں انہوں نے ایک بار پھر اپنے اس بیان کو دہرایا، کہ بخشی غلام محمد کو کوئی ایسی حیثیت حاصل نہیں کہ ان کی ہر بات کا جواب دینا ضروری ہو، اخبار نویس ابھی تک یہ سوچ رہے ہیں کہ جس آدمی کو کوئی حیثیت ہی حاصل نہ ہو اس کے الزامات کا جواب دینے کے لیے کتابیں شائع کرنے اور تین تین گھنٹوں والی پریس کانفرنس کرنے کا کیا مقصد ہے؟

....

کرگل کے آزاد ممبر اسمبلی جن کے بارے میں ہم نے پہلے ہی انکشاف کردیا تھا کہ وہ دراصل کانگریسی ہیں، نے باضابطہ طور اپنی آزادی بیچ کر اپنے گلے میں کانگریسی طوق ڈالنے کا اعلان کردیا ہے۔ ہمارے نمائندے سے ایک ملاقات کے دوران کاچو محمد علی نے کہا ہے کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں کہ

کانگریس کی مخالفت کروں، کیونکہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے میری کامیابی کا سہرا دراصل کانگریس ہی کے سر ہے جس نے مجھ کو کامیاب کرانے کے علاوہ کانگریسی امیدوار کو ہرانے میں جان توڑ محنت کی، کاچو صاحب نے کہا کہ اب جب کہ وزارت میں لداخ کو نمائندگی دینے کا سوال زیر غور ہے۔ میرا آزاد رہنا خطرے سے خالی نہیں، کیونکہ اس سے خواہ مخواہ ''ٹیکنکل'' مشکلات حائل ہونے کا اندیشہ ہے۔ آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے کاچو کی بے ایمانی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایک نائب تحصیلدار سے اور توقع ہی کیا رکھی جا سکتی تھی۔

....

ریاستی حکومت نے پچھلے ہفتے جن چھ اخبارات کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی ہے ان میں کانگریسی ممبر اسمبلی مبارک شاہ قادری کا اخبار ''رہنما'' بھی شامل ہے۔ قادری صاحب نے حکومت کی اس حماقت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ریاستی حکومت کا خیال ہے کہ میرے کانگریس میں شامل ہونے کے ساتھ ہی میرے اخبار نے بھی کانگریس میں شمولیت کی ہے۔ یہ اس کی بھول ہے۔ میرا اخبار فرقہ پرست تھا، فرقہ پرست ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو آئندہ بھی فرقہ پرست ہی رہے گا۔ اپنے بیان کی وضاحت کرتے ہوئے الحاج سید مبارک شاہ قادری نے یہ کہا کہ اگر حکومت یا کانگریس میرے اخبار کو بھی کانگریسی بنانا چاہتی ہے تو انہیں مجھ سے بات کرنا پڑے گی۔ قادری صاحب کا کہنا ہے، نومسلمہ پروین اختر عنقریب ہی ان کے اخبار کے لیے چندے کی اپیل جاری کر رہی ہیں۔

....

شہری اتحاد کونسل کے مرکزی دفتر نے یہ اطلاع دی ہے کہ کونسل کی

کوششوں سے اب شہر میں کمیونل ہارمونیم اس زور سے بج رہا ہے کہ آئندہ پچاس ساٹھ برسوں میں کسی قسم کی کوئی کشیدگی پیدا ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ کونسل کے ایک نمائندے نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ شہری اتحاد کونسل اب شہریوں میں اتحاد قائم کرنے کی بجائے ہندوستان اور پاکستان میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش کرے گی اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد کونسل کا ایک وفد چین اور روس میں مفاہمت قائم کرنے کی غرض سے ان دونوں ملکوں کا دورہ کرے گا۔

....

ضلع اننت ناگ میں توقعات سے زیادہ شالی پیدا ہونے سے غلہ داروں اور سرکاری افسروں میں شدید بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور ضلع بھر میں مصنوعی قحط پیدا کرنے کے لیے غلہ داروں اور سرکاری افسروں نے کچھ نئے تجربے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کی رو سے چار چار آٹھ ترک شالی کی نقل وحرکت پر بھی شدید پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ تا کہ لوگوں میں اضطراب کے ساتھ ساتھ خوف وہراس بھی پیدا ہو اور غلے کی قیمتوں میں کسی قسم کی کمی پیدا ہونے کا امکان باقی نہ رہے۔ ہمارے نمائندے کا کہنا ہے کہ افسروں اور غلہ داروں نے تحصیل دار شوپیان کو اپنی مشترکہ تنظیم کا سربراہ مقرر کر دیا ہے۔

....

سرینگر سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ ''نیوز'' کے ایڈیٹر حسام الدین سے کسی نے پوچھا کہ تم دیا لگام میں بیٹھ کر سرینگر سے کیسے اخبار نکالتے ہو، تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا، ''کون اخبار'' مجھے تو معلوم نہیں''۔ حسام صاحب کو جب اس امر کی اطلاع دی گئی کہ وہ کشمیر کے واحد انگریزی روزنامے کے

ایڈیٹر ہیں، تو خوش ہوکر کہنے لگے، آج ہی چندہ بھیج کر اپنے نام اخبار جاری کرالوں گا۔ کم بخت زتشی کو یہ توفیق بھی نہ ہوئی کہ ایک پرچہ ہمارے نام بھی جاری کردے۔ ادھر شری جانکی ناتھ زتشی کو یہ شکایت ہو رہی ہے کہ انگریزی وہ لکھے اور شہرت حسام الدین کی ہو۔ اپنے دیس میں سب چلتا ہے۔

....

رئیس التحریر ڈاکٹر اکبر حیدری کے ناول ''فطرت'' پر شیخ عبد اللہ نے مندرجہ ذیل تنقید فرمائی ہے۔

''میں نے ناول کا مطالعہ کیا۔ موجودہ سماج کی خرابیوں کو اُجاگر کرنے کی کافی کامیاب ''کوشش ہے'' مگر ناول کے پلاٹ میں آپ نے جو سیاسی اور مذہبی رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے، وہ ناول کے پلاٹ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی اور صحیح تاریخی واقعات کا خیال رکھے بغیر ذاتی رائے کا ہی زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ سیاسی اور مذہبی رنگ بھرنے کے بغیر ہی ناول میرے خیال میں زیادہ مقبولیت حاصل کرسکتا تھا'' اور حیدری صاحب اس رائے کو ناول کی عظمت کے ثبوت کے طور پر شائع کرانے پر مصر ہیں۔

☆☆☆

....

۱۲/ جون کو سرینگر وارد ہونے والی ایک خاتونِ مغرب نے ہمارے نمائندے کو ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ یہ غلط ہے کہ ریاستی حکومت مذہبی عبادت گاہوں اور اسکولوں کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی ہے۔ خاتون نے بتایا کہ اس نے کئی بار سینٹ پال چرچ اور رومن کیتھولک چرچ کے اندر جانے

کی کوشش کی، لیکن حفاظتی پولیس نے اُسے اندر جانے سے روک دیا۔ اسی طرح سکولوں کے باہر بھی حفاظتی پولیس کا پہرہ لگا ہوا ہے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ریاستی پولیس بڑی مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ جب ہمارے نمائندے نے خاتون پر یہ انکشاف کیا کہ یہ حفاظتی دستے ۷ / جون کو کہیں نظر نہیں آئے اور انہوں نے بعد از خرابی اپنے فرائض انجام دینا شروع کیا ہے۔ تو خاتون نے مسکراتے ہوئے پوچھا ''کیا آپ کی حکومت اصل عمارت کی بجائے ملبے کی حفاظت کو زیادہ اہمیت دیتی ہے''؟

....

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے اہتمام سے ابھی حال ہی میں دنیا کے اعلیٰ ترین ڈاکٹروں پر مشتمل ایک ٹیم نے وادی میں کشمیر کا دورہ مکمل کرلیا ہے۔ یہ ٹیم خاص طور پر سرینگر شہر کی صفائی اور سلیقے سے بہت متاثر ہوئی ہے۔ میونسپل ایڈمنسٹریٹر شری عبدالرشید کے نام ایک خط میں ٹیم کے سربراہ نے لکھا ہے کہ ایسا صاف و شفاف شہر مشرقِ قریب، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید میں کہیں نظر نہیں آیا۔ اور اس کا سہرا شہر کی میونسپلٹی کے سر ہے۔ ڈاکٹروں نے اس بات پر تشویش کا اظہار بھی کیا ہے کہ شہر سرینگر میں اکثر لوگ پیشاب نہیں کرتے، کیونکہ انہیں پورے شہر میں کہیں کوئی ''پیشاب گاہ'' نظر نہیں آئی۔ انہوں نے کہا ہے کہ شہر کے کسی بس اڈے پر بھی انہں کوئی ''یوری نل'' دکھائی نہیں دیا۔ جس سے ہم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ شاید یہاں کے لوگ پیشاب کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ ڈاکٹروں کے خیال میں یہ صحت کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے۔

....

نئی دہلی سے ہمارے نقاب پوش نمائندے نے اپنے ہفتہ وار مکتوب میں کچھ

سنسنی خیز انکشافات کیے ہیں۔ ایک انکشاف کی رُو سے ریاستی وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق اور مرکزی وزیر سیاحت ڈاکٹر کرن سنگھ کے درمیان شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے سلسلے میں کئی جھڑپیں ہوئیں۔ صادق صاحب کا دعویٰ ہے کہ شیخ صاحب کی رہائی سے ٹورسٹ سیزن درہم برہم ہو جائے گا اور ڈاکٹر کرن سنگھ کا خیال ہے کہ ان کی رہائی سے سیزن زیادہ بہتر ہو جائے گا کیونکہ شیخ صاحب کو دیکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگ کشمیر پہنچ جائیں گے۔ صادق صاحب کے خیال میں شیخ صاحب کو رہا کرنے سے اندرونی امن و امان کو خطرہ لاحق ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کا اندازہ ہے کہ ان کی مزید نظر بندی سے پورے ملک کی شہرت خطرے میں پڑ جائے گی۔ معلوم ہوا ہے کہ صادق صاحب اور کرن سنگھ کی اس کشتی میں شریمتی اندرا گاندھی نے ریفری کے فرائض انجام دیے۔ ادھر ماہرینِ قانون نے ٹورسٹ سیزن اور بنیادی حقوق کے باہمی تعلق پر تحقیق کرنا شروع کر دی ہے۔ ایک ستم ظریف نے ہمارے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ ٹورسٹ سیزن کو زیادہ کامیاب بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سیزن شروع ہوتے ہی ہر سیاسی لیڈر کو گرفتار کیا جائے۔

....

میر عبدالعزیز بی۔ اے (آنرز) ایڈیٹر ہفت روزہ ''انصاف'' راولپنڈی نے سرحد کے اس پار سے ہمارے نام ایک احتجاجی مراسلہ ارسال کیا ہے۔ میر صاحب نے اپنے ہم جماعت گھاسہ پیر عرف پیر غیاث الدین کے تئیں ہمارے رویہ کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''چونکہ غیاث الدین صاحب میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔ اس لیے کسی صاحب کو ان کا نام بگاڑنے کا حق حاصل نہیں۔ مدیر ''آئینہ'' کے نام اس خط میں انہوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر آئندہ سے ان کا نام صحیح طور پر نہ لکھا گیا تو پاکستان کشمیر پر ایک بار پھر حملہ کر دے گا''۔ مدیر

''آئینہ'' نے خط کے جواب میں میر عبدالعزیز کو لکھا ہے کہ چونکہ یہ ہمارا اندرونی مسئلہ ہے، اس لیے کسی پاکستانی (چاہے وہ غیاث الدین کا کلاس فیلو ہی کیوں نہ رہ چکا ہو) کو اس میں ٹانگ اڑانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ مدیر ''آئینہ'' نے میر صاحب کو اس بات کا احساس بھی دلایا ہے کہ گھاسی الدین کا کلاس فیلو ہونا کوئی ایسی قابل فخر بات نہیں کہ اس کا چرچا کیا جائے۔

....

۷ رجون کو جب سرینگر کی ''بہادر'' فوجیں گرجا گھروں، سیاحوں اور سکولوں پر اپنی معرکتہ الآراء پیش قدمی میں مصروف تھیں تو اردن کے ایک طالب علم اپنی ایک رشتے دار خاتون کے ہمراہ عربوں کے تئیں اہل کشمیر کی محبت اور ہمدردی کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے اپنے ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ ''عدیم المثال'' اور بے پناہ ہمدردی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر طالب علم کے ہونٹوں پر ایک پُر وقار مسرت پھیل گئی۔ اُدھر مجمع میں کسی نے اس غیر ملکی مسکراہٹ کو دیکھ لیا اور سارا ہجوم صاحبزادے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ عربی میں لاکھ چلاتا رہا کہ ''بھائیو! میں تو اُردن کا باشندہ ہوں۔ میرے ہی ملک پر اسرائیل نے حملہ کر دیا ہے''۔ لیکن اس وقت عربی سمجھنے کی کسے فرصت تھی اور جب تک ہمارے بہادروں نے اس بزدل کی ہڈی پسلی ایک نہ کر دی، اُسے نہ چھوڑا۔ رشتے دار خاتون کہاں گئیں؟ یہ کسی کو معلوم نہیں، وہ غالباً یہودی تھیں۔

....

گوا سے آنے والی اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ کشمیر پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ''کریش'' صدر بنانے کے امکانات روشن ہو گئے ہیں اور اغلب ہے کہ موجودہ صدر مسٹر نجی لنگاپا کو نااہلیت کے سنگین الزام کی بناء پر معیاد سے پہلے ہی برطرف کر کے یہ کرسی میر صاحب کو پیش کر دی جائے گی۔ یہ اہم صورت حال اس لیے پیدا ہو گئی ہے کیونکہ سید میر قاسم نے مسز

گاندھی کو باور دلایا ہے کہ وہ کانگریس کی ڈوبتی ہوئی لٹیا کو بچانا چاہتی ہیں تو اس جانب کی خدمات حاصل کرلیں۔ قاسم صاحب نے جب دیکھا کہ صدر کانگریس کے جلوس میں وہاں صرف ایک سو افراد مسز گاندھی کے جلوس میں صرف ستر اشخاص شامل ہیں تو اُنہوں نے اپنی خشخشی مونچھوں (جنہیں وہ جرمنی کے نازی ڈکٹیٹر ایڈولف ہٹلر کی طرز پر رکھتے ہیں) پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے یہ کام ٹھیکے پر دیا گیا ہوتا تو کانگریسی رہنماؤں کی یہ درگت نہ ہوتی۔ میں لیبر یونین کے مزدوروں اور دیہات کے بے کار کسانوں کو کرائے پر لاکر ٹرکوں میں گوا پہنچا دیتا اور اخباری نمائندوں کے باپ کو بھی یہ پتہ نہ چلتا کہ یہ استقبال کس اہتمام سے کیا گیا ہے۔

....

وزیر صنعت غیاث الدین کو اچانک خدا یاد آ گیا ہے، وہ اپنے الحاد سے کچھ بد دل ہو گئے ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ میری منسٹری کا نازک دھاگا میر قاسم صاحب کے انکار یا اقرار سے بندھا ہوا ہے، صادق صاحب نے فیصلہ کرلیا ہے کہ قاسم صاحب کی پیاس مٹانے کے لیے غیاث صاحب کو قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔ قاسم صاحب نے کابینہ میں اپنی شرکت کے لیے ایک شرط یہ بھی پیش کی تھی کہ پہلے غیاث صاحب کو دروازہ دکھایا جائے کیونکہ میں اس آدمی کے ساتھ بیٹھ کر ریاست کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کرسکتا، جس کو دیکھ کر مجھے اپنے بچھڑے ہوئے مربی، ڈی، پی، در کی یاد آتی ہو۔

....

حکومت نے سرکاری ملازموں کو وولن ملز سے دوسو روپے کی چیزیں خریدنے کا حق دے کر حاتم کی قبر پر جس طرح لات ماری ہے، اس کے پس منظر سے متعلق وولن ملز کے ایک اہلکار نے سنسنی خیز انکشاف کیا ہے، اُس کے بیان کے مطابق جو کپڑے اور کمبل ملازمین کو اُدھار دیے جاتے ہیں وہ در اصل مل کے Dead Stock سے تعلق رکھتے ہیں، یہ مال اس قدر ناکارہ، خستہ اور خراب ہو چکا ہے کہ

بازار میں اس کی بکری کا کوئی امکان نہیں، اکثر کپڑے پھٹے ہوئے ہیں اور دس دس سال سے سٹاک میں جمع رہے ہیں۔ لہٰذا مل نے سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کے مصداق ایک تو اس ڈیڈ سٹاک سے گلو خلاصی حاصل کرنے اور دوسرے ملازموں پر احسان جتانے کا یہ طریقہ نکالا ہے ایک ملازم نے اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال کا یہ شعر پڑھا۔

خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے اور سلطانی بھی عیاری

....

بخشی غلام محمد کے حامی آج بے انتہا خوش نظر آرہے ہیں اور چند ایک نے نئے کپڑوں کے پیشگی آرڈر دلوائے ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں، اس خلاف توقع مسرت کی وجہ یہ ہے کہ بقول بخشی صاحب وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے انہوں نے جب پچھلے دنوں ملاقات کی تو وزیر اعظم نے انہیں اصرار سے کافی کی ایک پیالی پلوائی۔ بخشی صاحب کو اس التفات میں بہت سے پوشیدہ راز نظر آئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب میں وزیر اعظم تھا تو کافی اسی کو پلاتا تھا، جس کی خوشنودی میرے لیے ضروری ہوتی تھی۔

....

نقاب پوش خبر رساں ایجنسی کے سفید پوش نمائندے نے وزارتی محکموں کے حالیہ تغیر و تبدل کے متعلق بڑے حیرت ناک، عبرت ناک اور خطرناک قسم کے انکشافات کیے ہیں۔ اس بظاہر ہموار تبدیلی کے پس منظر میں کتنی ناگواریاں اور ناکامیاں پریڈ کر رہی ہیں، اس کا اندازہ کرنے کے لیے سفید پوش نمائندے کی طویل رپورٹ سے چند اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) وزارتی محکموں میں تبدیلی کا مسئلہ پچھلے چار ماہ سے وزیر اعلیٰ کے زیرِ غور تھا

لیکن اپنے ساتھیوں کے خوف کی وجہ سے انہیں اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی......

....

(۲) وزیر داخلہ شری ڈی، پی در گھریلو وزارت کا محکمہ چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ کو یہ دھمکی دی تھی کہ اگر انہیں وزارتِ داخلہ سے بیدخل ہونے کی کوشش ہوئی، تو وزیر اعلیٰ کے خلاف بھی ڈی، آئی، آر استعمال کرنے سے گریز نہ کریں گے......''

یہی وجہ ہے کہ محکموں میں تبدیلی اس وقت کی گئی جب وزیر ڈی، آئی، آر جموں میں تھے۔''

....

(۳) شری ڈی، پی، در نے کہا اگر انہیں ڈی، آئی، آر کے استعمال سے محروم کیا گیا تو وہ ہند کشمیر الحاق کی ضمانت دینے کے لیے تیار نہیں۔''

....

(۴) وزیرِ خزانہ گردھاری لعل ڈوگرہ نے اس بات پر اصرار کیا کہ اُن کے کسی محکمے میں تبدیلی نہ کی جائے، کیونکہ اس تبدیلی سے صرف اُن ہی کی ذات نہیں، بلکہ ان کا پورا خاندان متاثر ہوتا ہے۔ اُنہوں نے خاص طور پر محکمۂ ٹکسائز کو اپنی تحویل میں رکھنے پر اصرار کیا۔

....

(۵) پیر غیاث الدین سے محکمۂ صحت اس لیے چھینا گیا کہ پچھلے دو ایک ہفتوں سے ان کی صحت خراب ہوگئی۔ وزیرِ اعلیٰ نے کہا کہ جو آدمی اپنی صحت کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا، وہ چالیس لاکھ عوام کی صحت کا خیال کیوں کر رکھ سکے گا۔ پیر صاحب کو اپنی صحت بنانے کے لیے محکمۂ خوراک کا محکمہ سونپ دیا گیا۔

....

(۶) وزیرِ بحالیات شری ترلوچن دت نے جب اپنے لیے کچھ اور محکموں کا

مطالبہ کیا تو وزیر اعلیٰ نے کہا [illegible]
میں کانگریس میں تنگ دواں کا [illegible]

....

(۷) وزیر مملکت غلام رسول کار نے [illegible] کہا "مجھ سے سب کچھ چھین لیجیے، لیکن محکمہ آبپاشی و بجلی سے محروم نہ کیجیے" وزیر اعلیٰ نے جواب دیا کہ "محکمہ افزائش نسل حیوانی بہت بُری حالت میں ہے اور اسے صرف آپ ہی سنبھال سکتے ہیں"۔ کار صاحب اپنی اس تعریف سے بے حد خوش ہو گئے۔

....

(۸) وزیر اعلیٰ نے محمد ایوب خان سے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟" خان صاحب نے جواب دیا، "جو کچھ بچ گیا ہو، وزیر اعلیٰ نے سارے بے ضرر محکمے انہیں سونپ دیئے، ٹرانسپورٹ کے خطرناک محکمے کے لیے انہیں غلام رسول کار جیسا خطرناک آدمی بطور جہیز کے عطا کیا گیا۔"

مشہور مصوّر، ناکام ناول نویس اور ناموزوں شاعر غلام رسول سنتوش "آئینہ" کی مجلس مشاورت سے مستعفی ہو گئے۔ استعفیٰ کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ "آئینہ" میں ان کے ناول کے خلاف ایک خط چھپا ہے، اصلی وجہ یہ ہے کہ "آئینہ" سے وابستگی کی بنا پر محکمۂ اطلاعات نے ان کی اس مصورانہ کاوش کا عمل روک دیا ہے، جو مسلسل بارشوں کی وجہ سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا ہے۔

....

"سینہ گزٹ" نامی خبر رساں ایجنسی نے نئی دہلی میں مقیم اپنے نمائندے کے حوالے سے خبر دی ہے کہ ریاستی سرکار کی طرف سے مرکزی سرکار کو یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ریاست میں غیر معمولی ہنگامی حالات کے پیش نظر ۱۹۶۷ء کے عام

انتخابات منعقد نہ کرائیں جائیں اور خصوصی اختیارات کا استعمال کر کے موجودہ لیجسلیچر کو مزید پانچ سال کے لیے اپنی خدمات انجام دینے کا موقع دیا جائے۔ نمائندے کا کہنا ہے کہ شریمتی اندرا گاندھی نے بعض نامعلوم وجوہات کی بناء پر تجویز ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ ریاستی سرکار کے قاصد کو شریمتی گاندھی نے یہ کہہ کر چلتا کر دیا۔ کہاافغان کاڈر ہے کہاافغان تو ہوگا!

....

ایک شرانگیز خبر رساں ایجنسی نے ان افواہوں کی تصدیق کر دی ہے کہ آئندہ چند دنوں میں ریاستی کابینہ میں حیرت انگیز تبدیلیاں ہونے کا زبردست اندیشہ ہے۔ وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق نے اپنی کابینہ میں جمع تفریق کر کے اسے زیادہ مہذب، حقیقت پسند، عوام دشمن اور خواص پسند بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ موجودہ وزیروں میں سے شری ڈی، پی، در، سید میر قاسم، شری کار غلام رسول کار، شری ترلوچن دت اور لالہ تیرتھ رام (وزیر بلا حلف) کو پارٹی کے کام کے لیے اپنے وزارتی فرائض سے سبکدوش کیا جائے گا۔ ان کی جگہ کامریڈ نور محمد، مفتی محمد سعید، عبدالخالق بٹ، سید حسین اور امرناتھ شرما کو وزیر بنایا جائے گا۔ شری گردھاری لعل ڈوگرہ کو آئندہ سے ''وزیر سفارشات برائے ہیرانگر'' کہا جائے گا۔

....

ڈائریکٹر فوڈ اینڈ سپلائز نے دعویٰ کیا ہے کہ وادی کے بعض علاقوں میں بھک مری سے چند افراد کی اموات کی خبر بالکل غلط، بے بنیاد اور شرانگیز ہے۔ ان کے بیان کے مطابق جن لوگوں کے متعلق یہ مشہور کیا جارہا ہے کہ وہ بھوک کی شدت سے مر گئے ہیں، دراصل بدہضمی کی وجہ سے مر گئے ہیں۔ فوت شدگان کے طبی معائنے سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ مرنے والوں نے مرنے سے قبل کئی من چاول، مرغ ہائے مسلم اور گشتابہ جات کے ساتھ زیادتیاں کی تھیں۔

پریس گیلری سے

نوک جھونک

وزیر اعلیٰ کے پیش کردہ مطالبات زر پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے تین ممبری جن سنگھ گروپ کے لیڈر پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ نے کہا کہ ریاست میں نکسلائٹ کمیونسٹوں کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں اور وہ کسانوں کو مالیہ ادا نہ کرنے اور گڑبڑ پھیلانے کی تلقین کر رہے ہیں۔ صادق صاحب نے جوابی تقریر میں اس الزام کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک کسانوں کو مالیہ ادا نہ کرنے کی تلقین کا سوال ہے یہ تو خود جن سنگھ لیڈر بھی کر رہے ہیں۔

"آپ کا مطلب ہے کہ پنڈت جی دراصل نکسلائٹ ہیں" شمیم احمد شمیم نے تشریح کی۔ "نہیں نہیں یہ غلط بات ہے۔" پنڈت جی نے پُرزور تردید کی۔

"جناب سپیکر صاحب! پنڈت جی کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے" شمیم صاحب نے مطالبہ کیا۔

....

یہ واقعہ قاسم صاحب کے اسمبلی سے مستعفی ہونے کے بعد کا ہے۔ مفتی محمد سعید نے کسی الزام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ بات ثابت ہو جائے تو میں بھی مستعفی ہو جاؤں گا۔ اس کے کچھ دیر بعد کنور رنجیت سنگھ جموال نے بھی

مستعفی ہونے کی پیشکش کی، بشرطیکہ جن سنگھی ممبر شیو چرن گپتا کے الزامات صحیح ثابت ہوں۔ پھر ایک ممبر نے وزیر صحت سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔

"ایسا لگ رہا ہے کہ بالآخر اس ایوان کے سبھی ممبر مستعفی ہو جائیں گے اور میں یہاں اکیلا رہونگا۔" شمیم احمد شمیم نے بآواز بلند اپنے خدشے کا اظہار کیا اور سب ممبر بے اختیار ہنس پڑے۔

....

ترال میں کچھ ویلیج لیول ورکرس کے معطل کیے جانے کے متعلق سوالات پوچھے جا رہے تھے۔ آزاد ممبر علی محمد نائیک نے پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ ان ملازموں کو اس لیے معطل کیا گیا تھا کہ اُنہوں نے ترال میں شیخ صاحب کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔

"یہ غلط ہے" وزیر مملکت عبدالغنی گونی نے جواب دیا۔

"کیا یہ صحیح ہے کہ شیخ صاحب نے نماز پڑھی تھی؟ اور کیا حکومت اس بات کی تحقیقات کرے گی کہ اُنہوں نے کیوں نماز پڑھی تھی؟" شمیم احمد شمیم نے ضمنی سوال پوچھا، جو ابھی تک جواب طلب ہے!۔

....

سوالات کے گھنٹے کے دوران کئی سوالوں کے جواب میں حکومت کی طرف سے یہ بتایا گیا کہ یہ معاملہ انٹی کورپشن کمیشن کے پاس ہے اور اس جواب سے کئی ممبروں کو سخت تاؤ آیا اور اُنہوں نے پوچھا کہ حکومت صاف جواب دینے سے کتراتی کیوں ہے۔

"گھبراؤ نہیں جلد ہی یہ ساری حکومت خود بھی انٹی کورپشن کمیشن کے پاس ہوگی" شمیم احمد شمیم نے پیشن گوئی کی۔

کانگریسی ممبر منوہر ناتھ کول نے بجٹ پر عام بحث میں حصہ لیتے ہوئے

بڑی زوردار تقریر کی، اُنہوں نے کہا کہ ریاستی حکومت سوشلزم کی بیخ کنی کر رہی ہے اور ریاست میں رشوت ستانی کو اب با قاعدہ ادارے کی شکل مل گئی ہے۔ اُنہوں نے حکومت پر بد دیانتی، کنبہ پروری اور بے عملی کے شدید الزامات عائد کر کے ایک سماں باندھ دیا۔ ان کی تقریر کے فوراً بعد شمیم احمد شمیم نے ایک ضمنی تقریر کر ڈالی، اُنہوں نے کہا:

''جناب والا! کول صاحب کی تقریر تو ہمارے دل کی آواز ہے، اگر کول صاحب واقعی یہ سب کچھ محسوس کرتے ہیں تو وہ پھر ابھی تک کانگریس سے چمٹے ہوئے کیوں ہیں۔ وہ یہاں ہمارے ساتھ آکر کیوں نہیں بیٹھتے، اور کیا یہ واقع نہیں کہ اس تقریر کے باوجود اگر صادق صاحب کول صاحب کو کل وزارت میں شمولیت کی دعوت دیں گے تو وہ سر کے بل دوڑیں گے، کیا کول صاحب ہم سے وعدہ کریں گے کہ ان حالات میں وہ وزارت میں شمولیت کی ہر پیشکش کو ٹھکرائیں گے، ورنہ ہم یہی سمجھیں گے کہ ان کی تقریر وزارت میں شامل ہونے کی ایک درخواست کے سوا کچھ نہیں۔

....

سابق وزیر مملکت غلام رسول کار نے بھی سوشلزم پر تقریر کر ڈالی۔ اُنہوں نے حکومت کی سخت برائی کرتے ہوئے کہا کہ اِس حکومت کی کوئی پالیسی نہیں ہے۔

نیشنل کانفرنس کے غازی عبدالرحمان نے پوچھا کہ ابھی چند ماہ پہلے آپ حکومت میں تھے تو ہر بات ٹھیک نظر آرہی تھی، اب آپ کو سب کچھ الٹا کیوں نظر آرہا ہے۔

شمیم احمد شمیم نے کہا کہ بات دلچسپ ہے، کہ وزارت سے آنے والے اور وزارت میں جانے کے خواہشمند سبھی ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ اُنہوں

نے کہا جب کار صاحب جیسے مغل اعظم بھی سوشلزم کی بات کرتے ہیں، تو سوشل ازم کے معانی مبہم بن جاتے ہیں۔

....

بجٹ پر عام بحث کے دوران تقریر کرتے ہوئے آزاد ممبر شیم احمد شمیم نے کہا:

"اب کی بار جن سنگھ کے شیو چرن گپتا نے فیلڈ سروے آرگنائزیشن کی مخالفت نہیں کی۔ اس لیے کہ ان کی سفارش پر اُن کے چھ آدمی اس محکمے میں لیے گئے ہیں۔ میں بھی اس محکمے کی مخالفت میں کچھ نہ کہوں گا، کیونکہ میرا سالا بھی یہاں ملازم ہے"۔

"یہ غلط ہے، فیلڈ سروے میں میرا کوئی آدمی نہیں ہے، وہ سب کانگریس ممبروں کے رشتے دار ہیں" شیو چرن گپتا نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

"رہنے بھی دیجیے، سب سالے وہیں کام کرتے ہیں" شمیم احمد شمیم نے گالی دی اور سارے ایوان میں بڑے زور کا قہقہہ پڑ گیا۔

"یہ غلط بات ہے، شمیم صاحب نے غیر پارلیمانی زبان استعمال کی ہے اور میں مطالبہ کرتا ہوں کہ اِسے ایوان کی کاروائی سے حذف کیا جائے" نیشنل کانفرنس کے سردار سریندر سنگھ نے سخت احتجاج کیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس کا بھی کوئی رشتے دار فیلڈ سروے میں کام کرتا ہے۔

"جناب والا! ہر آدمی کسی نہ کسی کا سالا ہوتا ہے، اس لیے فیلڈ سروے میں کام کرنے والے بھی کسی نہ کسی کے سالے ضرور ہونگے" سوگامی صاحب نے آئینی نکتہ اُبھارا، اور معاملہ رفع دفع ہو گیا!

....

جن سنگھی ممبر شیو چرن گپتا کی کوئی تقریر جب تک مکمل نہیں ہوتی، جب تک وہ اس میں کسی طرح شیخ صاحب کا ذکر نہیں لاتے، وزیر اعلیٰ کے مطالباتِ زر پر تقریر کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا:

''شیخ صاحب نے پچھلے دنوں بڑی اشتعال انگیز تقریریں کی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ان کے خلاف کاروائی کیوں نہیں کی جاتی''۔

''جب ضرورت پڑے گی تو کاروائی کی جائے گی'' صادق صاحب نے گپتا جی کو تسلی دی۔ ''یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ انہیں کس تاریخ کو گرفتار کیا جائے گا''، شمیم صاحب نے گپتا صاحب کی ترجمانی کی اور گپتا جی نے اپنی تقریر جاری رکھی!

....

۷ مارچ کو سری نگر میں مظاہرین پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس استعمال کرنے کے خلاف شمیم احمد شمیم، علی محمد نائیک اور سردار سریندر سنگھ کی تحریک التوا کے سلسلے میں بیان دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق نے کہا یہ سارا ہنگامہ ایک مقامی اخبار ''آفتاب'' میں شائع شدہ ایک غلط اور بے بنیاد خبر کی بنا پر ہوا، جس نے ۶ مارچ کی اشاعت میں خوراک کی قیمتوں میں اضافے کی خبر شائع کی تھی۔

''میں یہ جاننا چاہوں گا کہ جو حکومت صحیح خبروں کی تردید کرنے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کرتی، اس نے فوری طور اس خبر کی تردید کیوں نہیں کی، شمیم احمد شمیم نے دریافت کیا۔

صادق صاحب نے سوال کا جواب نہیں دیا، تو کچھ دیر بعد شمیم صاحب نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ اب کی بار صادق صاحب پھر ٹال گئے۔ معلوم ہو رہا تھا کہ ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں، شمیم صاحب کو صادق

صاحب کی الجھن کا احساس ہو گیا تو اُنہوں نے بآوازِ بلند کہا ''اچھا رہنے دیجیے، قیامت کے دن میں آپ سے اس سوال کا جواب لوں گا''۔

☆☆☆

....

قانون ساز اسمبلی کے حالیہ اجلاس کے دوران لداخ کے وزیرِ مملکت شری سونم وانگل اور نائب وزیر کاچو علی محمد دونوں ہی لاپتہ تھے، اجلاس کے آخری دن آنریبل سپیکر نے وزیرِ اعلیٰ کی توجہ ان وزراء کی گمشدگی کی طرف مبذول کی اور دریافت کیا کہ وہ ایک دن کے لیے بھی ایوان میں کیوں تشریف نہیں لائے۔ ''وہ لداخ میں ہیں''؟ وزیرِ اعلیٰ نے جواب دیا۔ وہ اتنے دن سے وہاں کیا کر رہے ہیں'' آنریبل سپیکر نے یہ جاننے کی خواہش ظاہر کی۔

''شری سونم وانگل تو وہاں کواپریٹو سوسائٹی میں غبن کر رہے ہوں گے، کاچو علی محمد کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا''۔

شمیم احمد شمیم نے سپیکر کی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔

....

فرقہ دارانہ منافرت پھیلانے والوں کے خلاف موثر کاروائی کرنے کی غرض سے رنبیر پینل کوڈ میں دفعہ ۱۵۳، الف کے اضافے کا جواز پیش کرتے ہوئے وزیرِ قانون شری گردھاری لعل ڈوگرہ نے کہا، کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض دوستوں نے اس مسودہ قانون کی مخالفت کیوں کی ہے۔ اس قانون کی زد میں صرف وہی لوگ آئیں گے جو فرقہ درانہ منافرت پھیلانے کے مرتکب ہوں گے، پھر شمیم صاحب اور دوسرے دوستوں کو تشویش کیوں ہے؟''

"ڈوگرہ صاحب بھول رہے ہیں کہ، اس ریاست میں آج تک جتنی بھی زیادتیاں اور ناانصافیاں ہوئی ہیں۔ وہ سب قانون ہی کے نام پرعمل میں آئی ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں شیخ صاحب کی گرفتاری بھی قانون ہی کے نام پرعمل میں آئی تھی اور پھر ۱۹۶۴ء میں بخشی صاحب بھی قانون ہی کے نام پر نظر بند کیے گئے تھے، دور کیوں جایئے آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے نائب وزیر عبدالغنی لون بھی صرف چند ماہ قبل قانون کے ہی نام پر حراست میں لیے گئے تھے اور اس دن کے انتظار میں رہیے کہ جب آپ کو اور صادق صاحب دونوں ہی کو قانون کے نام پر دھر لیا جائے گا"۔

شمیم احمد شمیم نے ایک ضمنی تقریر کر ڈالی۔

....

ضروریات زندگی کی قیمتوں میں تشویش ناک اضافے سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کرنے کے لیے آزاد ممبر شمیم احمد شمیم کی تحریک پر بحث کے دوران حزب مخالف اور حکمران جماعت کا فرق بالکل مٹ گیا اور کانگریسی ممبروں نے بڑھتی ہوئی قیمتوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا۔ سردار سریندر سنگھ نے موقع غنیمت جان کر سرکار کی مدح سرائی شروع کر دی اور کہا کہ ضروریات زندگی کی قیمتوں میں کوئی ایسا غیر معمولی اضافہ نہیں ہوا ہے کہ اس پر تشویش کا اظہار کیا جائے۔ سردار سریندر سنگھ کے خیال میں قیمتوں میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا اور چونکہ ضروریات کے حساب سے پیداوار میں اضافہ نہیں ہوا ہے، اس لیے حکومت کچھ نہیں کر سکتی۔ سردار سریندر سنگھ کی تقریر کے خلاف بہت سے ممبروں نے شدید احتجاج کیا۔

"جناب والا سردار سریندر سنگھ، ذخیرہ اندوزوں، منافع خوروں اور کفن

چوروں کی نمائندگی کرر ہا ہے''شمیم احمد شمیم نے کہا۔

'' پچھلے سال آپ کو یہ منطق کیوں نہیں سوجھی ؟''۔ بارہ مولہ کے پیر شمس الدین نے سردار صاحب کواپنا ماضی یاد دلانے کی کوشش کی''۔

'' سردار سریندر سنگھ دراصل خود بہت بڑا سبزی فروش ہے اور اسی لیے ان کی وکالت کرر ہا ہے''۔غازی عبدالرحمان نے کہا۔

'' جناب یہ تقریر نہیں ، وزیر بنائے جانے کے لیے درخواست ہے ۔ ڈوگرہ صاحب کو سریندر سنگھ کو وزیر بنا کر نا اہلوں کی فوج میں اضافہ کر لینا چاہئے''شمیم احمد شمیم نے کہا۔

....

سوالات کے گھنٹے کے دوران ضمنی انتخابات کا جواب دیتے ہوئے وزیر صحت نے یہ انکشاف فرمایا کہ اس ریاست میں کوئی ڈاکٹر بیکار نہیں ہے ۔ کانگریس کے شری ایس ، کے ،کول نے وزیر صحت کی توجہ ایک اور سوال کی طرف دلائی کہ جس میں اس بات کا اعتراف کیا گیا تھا کہ بہت سے ڈینٹل سرجن بے کار ہیں ۔کول صاحب نے اس تضاد بیانی کو سمجھنے کی کوشش کی تو وزیر صحت نے جواب دیا کہ ڈینٹل سرجن ڈاکٹر نہیں ہیں ۔ وزیر صحت کے اس مضحکہ خیز جواب پر ایوان میں قہقہے بلند ہوئے اور صدائے احتجاج بھی۔

'' جناب والا ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ گونی صاحب نے کس یونیورسٹی سے ایل ،ایل، بی کا امتحان پاس کیا ہے؟ کیا بھی ہے یا نہیں؟شمیم احمد شمیم نے جواب دیا۔

'' بیٹھ جایار'' گونی صاحب نے شمیم صاحب کو اپنی دوستی کا واسطہ دے کر بٹھا دیا۔

....

رنبیر پینل کوڈ میں ترمیم کے بل پر بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیر قانون شری گردھاری لعل ڈوگرہ نے آزاد ممبر شمیم احمد شمیم کو یہ طعنہ دیا، کہ انہوں نے لوگوں اور ووٹروں کو خوش کرنے کے لیے خالص جذباتی انداز میں اس بل کی مخالفت کی ہے۔

''جی ہاں!'' مجھے تو ووٹروں کو خوش کرنا ہی ہے، کیونکہ مجھے آپ کی طرح خالقوں اور نحویوں کے سہارے منتخب ہونے کا کوئی ارادہ نہیں'' شمیم صاحب نے جواب دیا۔

....

اس ریاست نے بہت سے میدانوں میں باقی ملک کی رہنمائی کی ہے اور ہمیں فخر ہے کہ ہم نے پچھلے پندرہ بیس سالوں کے دوران ایسے ایسے قدم اٹھائے ہیں کہ جن کے بارے میں دوسری ریاستیں ابھی سوچ رہی ہیں''۔ پونچھ کے میر غلام محمد نے رنبیر پینل کوڈ کے ترمیمی بل پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، اس میں کیا شک ہے، ہم ہی نے سارے ملک کو حلف نامے چرانے اور ووٹ گننے میں بے ایمانی کا راستہ بھی دکھایا ہے'' شمیم احمد شمیم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

....

سوالات کے وقفے کے دوران جب رہائشی مکانات کے متعلق شمیم صاحب کے ایک سوال کا جواب دینے میں وزیر خزانہ شری گردھاری لعل ڈوگرہ نے بار بار لعت ولعل سے کام لیا تو شمیم احمد شمیم نے دھمکی دی کہ اگر اس سوال کا تسلی بخش جواب نہ دیا گیا تو وہ ڈوگرہ صاحب کی نشست پر جا کر انہیں گلے سے پکڑ کر جواب حاصل کریں گے۔

وزیراعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے فوراً ہی مداخلت کر کے یہ اطمینان دلایا کہ جن سرکاری ملازموں کے اپنے مکانات ہیں انہیں آئندہ سرکاری مکانات الاٹ نہیں کیے جائیں گے، ساتھ ہی اُنہوں نے شمیم صاب سے درخواست کی کہ اس ایوان میں نکسلی طریق کار اختیار نہ کریں۔

☆☆☆

....

ریاستی اسمبلی کا یہ اجلاس، بحثیت مجموعی بے حد خشک اور بے مزہ رہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حکمران جماعت کے ممبروں سے ''نیک چلنی'' کی ضمانت حاصل کی گئی ہے بلکہ حزب مخالف سے تعلق رکھنے والے ممبران سے بھی مچلکہ لیا گیا ہے۔ حکومت کے وجود اور عدم وجود کا احساس صرف اس وقت ہوتا تھا کہ جب آنریبل سپیکر خواجہ شمس الدین سرکاری بنچوں سے مخاطب ہو کر وزیروں کو اپنے فرائض سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس اجلاس میں آنریبل سپیکر نے حکومت کی وکالت، نمائندگی اور طرفداری کا ٹھیکہ لے رکھا تھا ان کے اس رویے سے متاثر ہو کر ایک بار آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے یہ فقرہ چست کیا۔

''کہ سپیکر صاحب کو ڈوگرہ صاحب کی جگہ منسٹر اور ڈوگرہ صاحب کو ان کی جگہ سپیکر ہونا چاہئے تھا''۔

....

سوالات کے گھنٹے میں شمیم احمد شمیم نے یہ دریافت کیا کہ دہلی سے شائع ہونے والے ایک انگریزی رسالے کو سرکار کی طرف سے کتنی رقم کے

اشتہارات دیے گئے ہیں تو شری گردھاری لعل ڈوگرہ نے جواب دیا کہ محکمۂ اطلاعات کی طرف سے اس رسالے کو کوئی اشتہار نہیں دیا گیا ہے۔

لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اور کسی محکمہ کی طرف سے اس رسالے کو اشتہار دیے گئے ہیں یا نہیں؟ شمیم صاحب نے سپیکر سے دریافت کیا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں'' ڈوگرہ صاحب جان بوجھ کر لاعلمی ظاہر کی۔

''تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ مختلف محکموں کی طرف سے اس رسالے کو پانچ ہزار سے زائد روپے کے اشتہارات دیے گئے ہیں اور وجہ صرف یہ ہے کہ اس رسالے کی ایڈیٹر ایک خاتون ہیں، ایک خوبصورت خاتون، معاف کیجئے، ڈوگرہ صاحب اس خاتون کے تذکرے پر Blush ہونے لگے، شمیم صاحب نے ڈوگرہ صاحب کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''میں دراصل آپ کو دیکھ کر Blush ہو رہا ہوں، ڈوگرہ صاحب نے کہا اور ایوان میں بڑے زور کا قہقہہ بلند ہوا۔

''اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں، بڑھاپے میں اکثر یہی ہوتا ہے، شمیم صاحب نے جواب دیا اور خود ڈوگرہ صاحب بھی بڑے زوروں سے ہنسنے لگے۔

....

ضلع ڈوڈہ کے جگت رام آرین ریاستی اسمبلی میں تفریح کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ جب ممبران اسمبلی ایوان کی خشک کاروائی سے بور ہو جاتے ہیں تو سپیکر صاحب جگت رام آرین کا نام پکار کر انہیں تقریر کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے بعد ساری محفل زعفران زار بن جاتی ہے۔ آرین صاحب عام طور پر انگریزی میں تقریر کرتے ہیں اور انگریزی زبان کی انہوں نے ایک اپنی گرائمر مرتب کی ہے، ان کی تقریر کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہوتا ہے کہ اس کا موضوع

سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بات اگر ڈوڈہ میں ڈسپنسری کی ہے تو وہ حوالہ شیکسپئر، ملٹن اور لارڈ میکالے کا دیتے ہیں۔ اس طرح ایوان میں خوب تفریح رہتی ہے۔ ایک دن وہ ''فرقہ ورانہ منافرت پھیلانے کی روک تھام'' سے متعلق بل پر تقریر کر رہے تھے اور شمیم صاحب انہیں کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر یہ یاد دلا رہے تھے کہ انہیں جن سنگھ کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہئے، آرین صاحب نے چونکہ پچھلے چند ماہ سے جن سنگھ کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے اس لیے وہ شمیم صاحب کے یاد دلانے کے باوجود ٹال رہے تھے، ایک مرحلے پر سپیکر صاحب نے دریافت کیا ''شمیم صاحب آپ کو بار بار یہ کیا کاغذ دکھا رہے ہیں؟'' ۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے نام سے ش کا لفظ مٹا دو، آرین صاحب نے برجستہ کہا اور سارا ایوان قہقہوں سے گونجنے لگا۔

....

وزیر قانون گردھاری لعل ڈوگرہ فرقہ دارانہ منافرت کی روک تھام سے متعلق بل پر بحث کا جواب دے رہے تھے کہ آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے انہیں کسی بات پر ٹوکا، ڈوگرہ صاحب کو بہت کم غصہ آتا ہے لیکن اس وقت انہیں بڑا غصہ آیا، کہنے لگے کہ آپ ''ش'' کے بغیر شمیم ہیں''۔

اور آپ س یعنی سمجھ اور ش یعنی شرم دونوں سے خالی ہیں، ''شمیم صاحب نے فوراً جواب دیا۔

....

شراب نوشی پر' پابندی' کے جن سنگھی ریزولیشن پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے کانگریس کے سردار سریندر سنگھ نے ایوان میں جن سنگھی گروپ کے لیڈر پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ شراب پر پابندی کا

مطالبہ تو کرتے ہیں لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ اس سے پہلے آپ سگریٹ نوشی ترک کرتے، کیونکہ ڈاکٹروں کے خیال میں سگریٹ نوشی سے کینسر ہو جاتا ہے، سر یندر سنگھ نے کہا، کہ یہ غلط ہے، کہ شراب نوشی سے صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں شراب پینے والی قومیں سب سے زیادہ صحت مند ہیں، بشرطیکہ شراب اچھی کوالٹی کی ہو۔

....

اوڑی کے راجہ مظفر خان نے شراب نوشی پر پابندی کی مخالفت کرتے ہوئے کہا، کہ بڑے بڑے شاعر اور فن کار شراب پیتے تھے اور اُنہوں نے اس سے بڑے فائدے حاصل کیے ہیں۔ اس مرحلے پر انہیں ایک شعر یاد آ گیا اور کہنے لگے، اقبالؔ نے بھی اس سلسلے میں ایک شعر کہا ہے ۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

"یہ نہ اقبالؔ کا شعر ہے اور نہ غالب کا، یہ تو ماشاءاللہ آپ کا اپنا شعر ہے، نظر بد دور، ایک ممبر نے راجہ صاحب کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

....

امرناتھ یاترا کے متعلق توجہ دلاؤ نوٹس پر تقریر کرتے ہوئے شمیم احمد شمیم نے کہا، کہ حکومت کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے، کہ چونکہ ریڈیو کشمیر سے نشر شدہ موسمی بلٹن کی رُو سے پندرہ اگست کو امرناتھ کا موسم خراب ہونے کا امکان نہ تھا، اس لیے یاترا کو آگے بڑھنے کی اجازت دی گئی۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے ریڈیو کشمیر کے موسمی بلٹن کا اعتبار کیوں کیا، میں نے زندگی میں صرف ایک بار ریڈیو کشمیر کی موسمی پیشن گوئی کا اعتبار کر لیا تھا اور وہ تھا، اپنی

شادی کے دن ......لیکن اس شام جو قیامت کی بارش ہوئی، اُس سے ہمیشہ کے لیے ریڈیو کی پیشین گوئیوں سے میرا اعتماد اُٹھ گیا۔

....

سوالات کے گھنٹے کے دوران سرکاری ملازموں کو مہنگائی الاونس کے متعلق وزیرخزانہ شری گردھاری لعل ڈوگرہ پر ممبران نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی، اور ڈوگرہ صاحب پریشان ہو گئے۔ جن سنگھ کے شیو چرن گپتا نے کہا کہ دہلی میں سرینگر اور جموں کے مقابلے میں قیمتیں کم ہیں، لیکن وہاں 225 کے پرائس انڈکس کے مطابق ملازموں کو مہنگائی الاؤنس دیا جاتا ہے اور یہاں صرف 175 کے مطابق، یہ کیوں؟''۔

''ہمارا دہلی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ڈوگرہ صاحب نے جواب دیا،''
ڈوگرہ صاحب تو محاذ رائے شماری کے آدمی معلوم ہوتے ہیں'' شمیم صاحب نے نتیجہ اخذ کرلیا اور ڈوگرہ صاحب مسکرانے لگے، جیسے کہہ رہے ہوں، کہ ضرورت پڑنے پر یہ بھی ہوں!

....

اب کی بار سپیکر نے جن سنگھ کے شیو چرن گپتا اور آزاد ممبر شمیم احمد شمیم کو ایک ساتھ نشستیں الاٹ کردی تھیں۔ اجلاس کے دوسرے ہی دن شمیم صاحب نے سپیکر سے مخاطب ہوکر کہا کہ'' جناب والا! میری زیادہ ترلڑائی گپتا صاجب سے ہی رہتی ہے اور آپ نے مجھے ان ہی کے پہلو میں بٹھا کر مجھ سے بڑی زیادتی کی ہے، ویسے بھی جن سنگھیوں کے ساتھ اتنی قربت سے بدنامی کا اندیشہ ہے۔''

اگلے روز شیو چرن گپتا کی نشست بدل دی گئی اور انہیں اپنی جماعت

کے دوسرے رکن شری رام لعل بلگوترہ کے ساتھ ہی جگہ دی گئ ے

کند ہم جنس ، با ہم جنس پرواز

☆☆☆

....

ریاستی اسمبلی میں چوتھے پلان کے مسودے پر بحث؟ کی تحریک پیش کرنے کا فریضہ وزیر پلاننگ شری درگا پرشاد در کو انجام دینا تھا لیکن ان کی ناسازیٔ طبع (وہ ایوان میں موجود تھے) کی وجہ سے وزیر مال شری گردھاری لعل ڈوگرہ کو یہ ذمہ داری نبھانا پڑی، وہ تحریک پیش کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور تحریک پیش کیے بغیر مسودہ پلان پر تقریر کرنے لگے۔

"پہلے بحث کی تحریک تو پیش کر دیجیے" آنریبل سپیکر نے شری ڈوگرہ کو یاد دلایا۔

"تحریک کیا پیش کرنا ہے، میں تو بحث کا آغاز کرنے کے لیے کھڑا ہوں، شری ڈوگرہ نے اپنی لاعلمی کا اشتہار دیا۔

"پہلے تحریک پیش کیجیے، پھر بحث شروع کیجیے، ڈی، پی، در نے خفیف ہو کر کہا، "حضور! تحریک کیا پیش کریں گے، تحریک سے تو ان کا رشتہ ہوئے بہت سال کٹ گیا ہے۔ شمیم احمد شمیم نے طعنہ دیا اور ڈوگرہ صاحب نے بحث کی تحریک پیش کر دی۔

....

علی محمد طارق کے خلاف شمیم احمد شمیم کی پیش کردہ مراعت شکنی کی تحریک کے لیے مراعتی کمیٹی کے چیرمین پریم ناتھ ڈوگرہ نے توسیع معیاد کی تحریک پیش کی تو شمیم صاحب نے اس کی مخالفت میں ایک تقریر کر ڈالی، انہوں نے کہا کہ

"پچھلے دو سال سے یہ تحریک مراعتی کمیٹی کے پاس ہے اور میری اطلاع ہے کہ علی محمد طارق نے سید میر قاسم کی وہ دستخطی تحریر پیش کی ہے جس کی رُو سے مراعت شکنی کا اصل الزام قاسم صاحب پر عائد ہوتا ہے اور قاسم صاحب کوئی بار مراعتی کمیٹی نے طلب کیا ہے لیکن وہ کمیٹی کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے، اس لیے چیرمین کو وضاحت کرنا چاہئیے کہ معیاد میں کن وجوہات کی بناء پر توسیع کا مطالبہ کرر ہے ہیں"۔

غلام محمد صادق: آنریبل ممبر کی تقریر سنتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا کہ ممبر نہیں بلکہ "آئینہ" کا چراغ بیگ بول رہا ہے۔

شمیم احمد شمیم: آپ کا اندازہ صحیح ہے۔

....

ممبروں، وزیروں، نائب وزیروں، سپیکر، ڈپٹی سپیکر کے الاؤنسوں میں اضافے کا بل ایوان کے زیرِ غور تھا، شمیم صاحب بل کی مخالفت میں تقریر کرر ہے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ زندگی دشوار سے دشوار تر ہوتی جارہی ہے اور میر کے الفاظ میں "اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے۔"

میر غلام محمد پونچھی حیران کہ یہ کس میر کا ذکر ہو رہا ہے۔

"آپ کی بات نہیں کر رہا ہوں، میر تقی میر کا ذکر کر رہا ہوں" شمیم صاحب نے میر غلام محمد کی غلط فہمی دور کر دی!۔

....

"باہر کے لوگ ہی نہیں، یہاں کے لوگ بھی ریاست کے باہر سرمایہ لگاتے ہیں، کیونکہ اس ریاست میں لوگوں کو اقتصادی تحفظ حاصل نہیں ہے، یہاں پر کوئی سیاسی مسئلہ یا سیاسی عدم محفوظیت نہیں، سیاسی مسئلہ تو بہت دن

ہوئے طے ہو چکا ہے، کانگریس کے سری کنٹھ کول مسودہ پلان پر اظہارِ خیال فرما رہے تھے۔

''اس میں مجھے ذرا شک ہے، شمیم صاحب نے اپنے شکوک کا اظہار کیا۔

''مجھے کوئی شک نہیں ہے، یہ مسئلہ تو اس وقت حل ہو گیا تھا جب آپ ابھی بچے تھے، کول صاحب نے غصے میں کہا۔

''اچھا، تو یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ یووک سبھا میں تھے، شمیم صاحب نے جوابی حملہ کیا۔

....

کول صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ ریاستی باشندے بھی ریاست میں نہیں بلکہ ریاست سے باہر اپنا سرمایہ لگاتے ہیں، لیکن یہ بات کشمیری ہندو کے بارے میں صحیح ہو تو ہو، کشمیری مسلمان کے بارے میں صحیح نہیں، شمیم احمد شمیم نے پلان کے مسودے پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا،'' یہ بات غلط ہے، مسلمان بھی ریاست سے باہر پیسہ لگا رہے ہیں، مثلاً بخشی غلام محمد نے ریاست سے باہر کئی جگہوں پر پیسہ لگایا ہے، میر غلام محمد پونچھی نے شمیم صاحب کی تردید کی۔

''آپ کو اس بات کا ذاتی علم ہوگا، مجھے نہیں ہے، ویسے میں قاعدے کی بات کر رہا ہوں، استثناء کی نہیں، شمیم صاحب نے جواب دیا۔

☆☆☆

....

پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم نے بجٹ پر عام بحث کے دوران

تقریر کرتے ہوئے ایک بار پھر یہ انکشاف کیا کہ اُنہوں نے ریاستی اور مرکزی حکومت کو سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے خلاف ایسی دستاویزی شہادت اور ثبوت بہم کیا ہے جس کی بناء پر ان کے خلاف کاروائی کی جانی چاہئیے۔

" آپ کی دھمکی ہم پچھلے تین سال سے سنتے آئے ہیں، شہادت ثبوت موجود ہے تو دیر کا ہے کی ہے" شمیم احمد شمیم نے دریافت کیا۔

" یہ کام مرکزی سرکار کا ہے اور مجھے بھی مرکزی سرکار سے شکایت ہے کہ انہوں نے ابھی تک کوئی کاروائی نہیں کی، قاسم صاحب نے وضاحت کی۔

" میرا خیال ہے کہ یہ محض Bluff ہے شمیم صاحب نے پھر چھیڑا۔

" یہ بلف نہیں ہے، آپ کو خود بھی بہت سی ایسی باتوں کا علم ہے اور اس سلسلے میں، میں نے مرکزی حکومت کو مناسب شہادت اور ثبوت پیش کیا ہے، قاسم صاحب نے ذرا گرم ہو کر کہا:

" Then, how is it that Government of India is not taking you seriously"

شمیم صاحب نے انگریزی بولی۔

" بہت لوگ شیخ صاحب کو بھی Seriously نہیں لیتے، قاسم صاحب نے شمیم صاحب کو لاجواب کر دیا۔

مارشل

خواجہ غلام نبی وانی سوگامی صرفے کے بل پر تقریر کر رہے تھے عین اس وقت جب کہ وہ پورے جلال پر تھے، ڈپٹی سپیکر شری بیلی رام نے گھنٹی بجائی کہ ان کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ سوگامی صاحب بولتے گئے اور ڈپٹی سپیکر گھنٹی بجاتے رہے، بالآخر ڈپٹی سپیکر کو غصہ آ گیا اور اُنہوں نے باآواز بلند سوگامی صاحب

سے مخاطب ہو کر کہا:

''سوگامی صاحب، آپ کا ٹائم ختم ہو گیا ہے، آپ نیچے بیٹھ جایئے۔

سوگامی صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اس مرحلے پر شمیم صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے ڈپٹی سپیکر سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جناب والا! اگر آپ کا ارادہ سوگامی صاحب کو ایوان سے باہر نکالنے کا ہو تو اس بات کا خیال رکھئے کہ ایک مارشل سے کام نہ چلے گا۔ سوگامی صاحب کو باہر نکالنے کے لیے کم از کم آدھ درجن مارشلوں کی ضرورت ہوگی۔'' اس پر ایوان میں زبردست قہقہہ بلند ہوا اور خود سوگامی صاحب بھی ہنستے ہنستے نیچے بیٹھ گئے۔

خدا کی قدرت

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں خدا کی قدرت پر بھروسہ ہے'' ڈی۔ پی در پیر یحییٰ صدیقی کے ایک سوال کا جواب دے رہے تھے۔

''جی ہاں، کیوں نہ ہو'' شمیم احمد شمیم چلائے، ووٹوں کے بغیر ہی وزیر بن گئے ہو، یہ خدا کی قدرت نہیں تو کیا۔

''مذاق کا جواب گالی نہیں ہوتا، ڈی۔ پی در نے اخلاقیات کا سہارا لیا۔

''نہیں حضور میں تو خدا کی قدرت کا قائل ہو گیا ہوں جن لوگوں کو حوالات میں ہونا چاہئے تھا، وہ وزیر بنے بیٹھے ہیں، اس سے بڑھ کر خدا کی قدرت کیا ہو سکتی ہے اور آپ کو اس کی قدرت پر بھروسہ نہ ہو تو کس کو ہوگا۔ شمیم احمد شمیم نے ضمنی تقریر کر ڈالی۔

مچھلی فروش

کانگریس کے ہنس راج ڈوگرہ پنچائت بل پر تقریر کر رہے تھے اور شمیم احمد شمیم بار بار مداخلت کر رہے تھے'' شمیم صاحب کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اسمبلی

ہے مچھلی بازار نہیں، جہاں وہ مچھلی خرید نے جاتے ہیں، ڈوگرہ صاحب غرائے
''اور جہاں آپ مچھلی بیچتے ہیں'' شمیم صاحب نے فقرہ چست کردیا۔

جن سنگھ اور سیب

سوالات کے گھنٹے کے دوران عبدالغنی میر نے شکایت کی کہ دلی میں جن سنگھ ایڈمنسٹریشن کی سرد مہری اور بے التفاتی کی وجہ سے کشمیری سیب کی صنعت کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس پر جن سنگھی ممبر شیو چرن گپتا اور رام ناتھ بلگوترہ سیخ پا ہو گئے اور اُنہوں نے عبدالغنی میر کو آڑے ہاتھوں لیا۔ ایوان میں دس منٹ تک سخت گرما گرمی رہی جن سنگھی ممبروں نے دلی کے جن سنگھی ایڈمنسٹریشن کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے اور عبدالغنی میر پر الزام لگایا کہ وہ دراصل دلی میں اپنے لیے پلاٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں

کچھ دیر بعد شمیم احمد شمیم اپنی نشست پر کھڑے ہوئے اور یوں گویا ہوئے:
جناب والا! عبدالغنی میر نے غلط کہا ہے کہ جن سنگھی ایڈمنسٹریشن کی وجہ سے دلی میں کشمیری سیب کی صنعت کو نقصان پہنچا ہے۔ جن سنگھ کی وجہ سے ساری دلی بلکہ سارے ہندوستان کو نقصان پہنچا ہے''۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب کانگریسی ممبروں نے زور زور سے تالیاں بجا کر شمیم احمد شمیم کی تائید کی۔

آہنگر کمیشن

جناب والا! میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ کسانوں سے شالی زبردستی وصول کی گئی ہے اور ایسا کرتے ہوئے پٹواریوں، تحصیلداروں اور کواپریٹو کے اہلکاروں کے علاوہ پولیس کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ غلط

ہے کہ کسانوں نے اپنی مرضی سے حکومت کوشالی دی، شمیم احمد شمیم نے کہا۔

''یہ غلط ہے اور میں اس کی پُر زور تردید کرتا ہوں ،ڈی ، پی در نے صحیح بات کوغلط قرار دے کراس کی تردید کی۔

''میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ منسٹر صاحب غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں اور اگر میں غلط کہتا ہوں تو میرے خلاف کاروائی کی جانا چاہئے''، شمیم احمد اپنی بات پر اڑے رہے۔

''آنریبل ممبر کے خلاف اتنی مرتبہ کاروائی کی گئی ہے کہ مزید کاروائی کی گنجائش ہی نہیں ہے''۔ڈی ، پی در نے طنزاً فرمایا۔

''میرے خلاف کی گئی کاروائی کی فکر نہ کرو۔ اس کاروائی کی فکر کرو جو آہنگر کمیشن (آئینگر نہیں) تمہارے خلاف کرنے والا ہے۔ جب ہتھکڑیاں پہنا کر تمہیں بازاروں میں پھرایا جائے گا۔ شمیم احمد شمیم نے کہا۔ڈی ، پی صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

صحیح عکاسی

''جناب والا ! آپ بھی اخبار پڑھتے ہیں اور آپ کو معلوم ہوگا ،ڈی ، پی در ایک سوال کا جواب دے رہے تھے'' آئینہ'' پڑھتے ہو یا نہیں''، شمیم احمد شمیم نے ضمنی سوال پوچھا'' پڑھتا ہوں اور اسے پڑھ کر کبھی کبھی طبیعت خوش ہوتی ہے اور کبھی بے حد زچ'' ڈی ، پی در نے جواب دیا۔ زچ اس وقت ہوتی ہوگی جب اپنے متعلق کوئی صحیح بات نظر سے گذرتی ہوگی''، شمیم صاحب نے کہا۔

''زچ اس وقت ہوتی ہے جب یہ اخبار معیاری صحافت کی سطح سے گر جاتا ہے'' ڈی ، پی صاحب نے کہا۔'' اس وقت یہ آپ کی گری ہوئی سطح کی عکاسی کرتا ہے''۔شمیم احمد شمیم نے جواب دیا۔

"جی ہاں، آپ کو میری گری ہوئی سطح کا علم ہوگا، ڈی، پی صاحب نے کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے کہا۔

☆☆☆

....

ریاستی آئین میں دسویں ترمیمی بل پر بحث کے دوران آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے بڑی زوردار تقریر کی۔ وزیر قانون گردھاری لعل ڈوگرہ بل پر بحث کا جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا:

"شمیم صاحب نے ایک بیوہ بڑھیا کی طرح حکومت کو بددعائیں دی ہیں" "میں کی کروں رام مجھ کو بڈھا مل گیا" شمیم صاحب نے ڈوگرہ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بہ آواز بلند فلم "سنگم" کا یہ مقبولِ عام مصرعہ پڑھ دیا اور سارا ایوان قہقہوں سے گونجنے لگا۔

....

سوالات کے گھنٹے کے دوران کیمیائی کھاد کی تقسیم کے سلسلے میں نائب وزیر مفتی محمد سعید پر تابڑتوڑ حملے ہو رہے تھے کہ وزیر خزانہ شری درگا پرشاد دراس کی مدافعت میں کھڑے ہو گئے۔

"کھاد کی تقسیم میں بڑی بے ایمانیاں ہوئی ہیں۔ نائب وزیر نے خود بھی کھاد کھائی ہے" شمیم احمد شمیم نے رواں تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے پاس کھاد کی بہت سی قسمیں ہیں، شمیم صاحب کو اگر ضرورت ہو تو ہم انہیں مہیا کر سکتے ہیں" ڈی، پی صاحب نے جواب دیا۔

"جی ہاں، معلوم ہوتا ہے کہ کھاد کھا کھا کر ہی آپ کی صحت اب اتنی اچھی

ہوگئی ہے، شمیم احمد شمیم نے اپنا تبصرہ جاری رکھا۔

....

علی محمد نائیک کی ''توجہ دلاؤ'' نوٹس کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے کہا کہ ٹرانسپورٹ ورکرس نے بھوک ہڑتال ختم کی ہے۔

''یہ غلط ہے وہ آج بھی بھوک ہڑتال پر ہیں''۔ شمیم احمد شمیم نے آواز بلند کی۔

''وہ پھر ''آئینہ'' کے دفتر پر بھوک ہڑتال کررہے ہوں گے۔'' جنگلات کے ایک بقایا دار ممبر غلام احمد برزہ نے صادق صاحب کو خوش کرنے کے لیے کہا۔

''آئینہ کے دفتر کے جاؤ، قربان : اس کا نام کاہے کو لیوت ہے، شمیم صاحب نے پوربی بولی۔

....

نائب وزیر تعلیم نور محمد بڑی معشوقانہ ادا سے سوالات کا جواب دیتے ہیں، لیکن ان کی آواز اتنی نحیف اور کمزور ہے کہ ان کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ممبران کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں سن پاتا۔ ممبروں نے کئی بار مطالبہ کیا کہ ڈپٹی منسٹر صاحب مائک استعمال کریں لیکن اُنہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ''اپنی آواز ہم تک نہیں پہنچا سکتے ہو تو ان کی آواز کیا پہنچاؤ گے، جن پر تمہیں منتخب کرنے کا الزام ہے۔ شمیم احمد شمیم نے فقرہ کسا!۔

....

بھگت چھجو رام کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر مملکت عبدالغنی گونی نے کہا'' ایک ہری جن کالڑ کا تھرڈ کلاس تھا، اسے بھگت جی کی سفارش پر لگادیا گیا ہے'' اس پر ایوان میں کانگریسی ممبروں نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

'' اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے، بڑے بڑے تھرڈ کلاس تو یہاں منسٹر بنے بیٹھے

ہیں۔شمیم صاحب نے بھگت جی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

....

تارکان وطن کی جائیدادوں پر قابض اشخاص کے نام بقایا کرایہ کی وصولی کے متعلق شمیم احمد شمیم کے ایک سوال کے جواب میں حکومت کی طرف سے بقایاداروں کی جو فہرست ایوان کی میز پر رکھی گئی ،اس میں وزیراعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق ،وزیرخزانہ شری درگا پرشاد دراور سید میر قاسم کے اسمائے گرامی بھی شامل تھے۔شمیم احمد شمیم نے وزیر مال گردھاری لعل ڈوگرہ سے مخاطب ہوکر کہا ''کم ازکم چیف منسٹر کا کرایہ تو ادا کر دیجیے ،آخر دنیا کیا کہے گی''؟اس حقیقت بیانی پرصادق صاحب برافروختہ ہوکر کہنے لگے'' یہ غلط ہے چیف منسٹر کے نام کوئی رقم بقایانہیں ہےاور آنریبل ممبرایوان کوگمراہ کررہے ہیں''۔

''میں تو صرف آپ کی حکومت کا مہیا کردہ جواب پڑھ رہا ہوں جس میں آپ کا نام بقایاداروں کی فہرست میں ہے۔غصہ نہ کیجیے۔میں آپ کی عزت کا تحفظ کررہاہوں اورآپ کو بدنامی سے بچانا چاہتاہوں۔آپ بدنامی سے نابچنا چاہیں تو وہ الگ بات ہے،شمیم احمد شمیم نے چلاکر کہا۔

....

چیف پارلیمانی سکریٹری عبدالعزیز زرگر ضمنی سوالات کا جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو شمیم احمد شمیم نے سخت احتجاج کیا۔اُنہوں نے کہا کہ مرکزی پارلیمنٹ اور اس ایوان میں چیف پارلیمانی سکریٹریوں کے ضمنی سوالات کا جواب دینے کی کوئی روایت نہیں اور خاص طور پر جب کہ منسٹر صاحبان ایوان میں موجود ہوں۔سپیکر نے صادق صاحب کو جواب دینے کے لیے کہااور صادق صاحب نے جواب دیا۔

''زرگر صاحب ضمنی سوالات کا جواب دے کر اپنے منسٹر بننے کی ہوس پوری کر رہے ہیں لیکن جب تک میں یہاں ہوں ان کی یہ ہوس پوری نہ ہونے دوں گا، شمیم صاحب نے زرگر صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔

....

آئینی ترمیمی بل پر بحث اور ووٹنگ کے دوران کچھ دلچسپ باتیں دیکھنے میں آئیں۔ پیر یحییٰ صدیقی نے بل کی مخالفت میں تقریر کی، لیکن ووٹ حکومت کے حق میں دیا، جن سنگھ کے لیڈر شری پریم ناتھ ڈوگرہ نے حکومت کا ساتھ دیا اور ان کی جماعت کے دو ممبران رام ناتھ بالگوترہ اور شیو چرن گپتا نے اپوزیشن کا۔ شری گردھاری لعل ڈوگرہ نے پیر یحییٰ صدیقی (سابق نیشنل کانفرنس حال آزاد) کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ پیر صاحب بہت سنجیدہ آدمی ہیں۔

''یوں کہیے کہ پیر صاحب تو اپنے ہی آدمی ہیں'' شمیم صاحب نے وضاحت کر دی۔

....

''کل کتنی رقم کی کھاد تقسیم ہوئی ہے؟'' سوالات کے گھنٹے میں سوگامی صاحب نے دریافت کیا۔

''ایک کروڑ ۶۴ لاکھ روپے کی''، نائب وزیر مفتی سعید نے جواب دیا۔

''اس میں ایک کروڑ کھاد پر صرف ہوا ہے اور ۶۴ لاکھ روپیہ غبن ہوا ہے شیم احمد شمیم نے ضمنی سوال کا جواب دیا۔

....

آئینی ترمیمی بل پر بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیر قانون گردھاری لعل ڈوگرہ نے کہا Mr. Shamim is pregnant with impatient ideas

شمیم صاحب نے جواب دیا:

I thought you were a minister, but you turned to be a midwife. Health minister to note it please.

....

مسٹر غلام نبی سوگامی کی پیش کردہ تحریک التوا پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے شمیم احمد شمیم کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا:

This Government is honourable

انہیں فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور انہوں اس کی تصحیح کی:

I am sorry Sir, I don't mean honourable, I mean answerable this Government is anything but honourable.

....

خواجہ غلام نبی سوگامی ایک ضمنی سوال پوچھ رہے تھے کہ بلا مقابلہ کانگریسی ممبر (خالق میڈ) مکھن لعل فوطیدار نے مداخلت کی، کچھ دیر سوگامی صاحب ٹالتے رہے لیکن جب شری فوطیدار باز نہ آئے تو سوگامی صاحب نے چلا کر کہا "چُپ رہ! ابے او چمچے"۔

....

"آنریبل ممبر کو اچھی طرح سے جان لینا چاہیئے کہ شور مچانے سے کچھ نہیں ہوگا"، ڈی، پی، در نے نیشنل کانفرنس کے سریندر سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"یہ شور نہیں ہے، یہ اس ریاست کے چالیس لاکھ عوام کی آواز ہے"

سریندر سنگھ نے جواب دیا، "میں مانتا ہوں کہ سردار صاحب ۴۰ لاکھ عوام کی

نمائندگی کا فرض ادا کر رہے ہیں''۔ڈی، پی، در نے طنزاً کہا'' یہ الیکشن لڑ کے آیا ہے، چالیس لاکھ نہ سہی، ۴۰ ہزار کی تو نمائندگی کرتا ہے۔آپ بتائیے کہ آپ جو چور دروازے سے یہاں داخل ہوئے ہیں۔کس کی نمائندگی کر رہے ہیں''۔شمیم احمد شمیم نے دریافت کیا اور ڈی، پی، صاحب نے بات ٹال دی۔

....

آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے محکمہ اطلاعات سے متعلق مطالبات زر پر تقریر کرتے ہوئے ریاستی محکمہ اطلاعات کو ایک نیشنل سیکنڈل اور محکمہ فیلڈ سروے کو اس کی ناجائز اولاد قرار دیا۔شمیم صاحب نے اپنی تقریر کے دوران یہ انکشاف کیا کہ اس محکمے میں ابھی تک سات آدمی پاگل ہو چکے ہیں اور بہت سے اہلکار اور افسر نیم پاگل ہیں۔تقریر کے بعد جب وزیر اطلاعات گردھاری لعل ڈوگرہ نے شمیم صاحب سے سات پاگلوں کے نام دریافت کیے تو شمیم صاحب نے ڈوگرہ صاحب کو پاگلوں اور نیم پاگلوں کی فہرست پیش کر دی۔

....

شمیم احمد شمیم نے الزام لگایا کہ فیلڈ سروے کی طرف سے اخبارات کو خریدنے کے لیے بے تحاشا روپیہ تقسیم کیا جا رہا ہے اور یہ محکمہ پریس کی آزادی کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، ایک کانگریسی ممبر نے دریافت کیا کہ'' آپ کے پاس اس کا ثبوت کیا ہے''۔

محکمے کی طرف سے میرے اخبار کو بھی پانچ سو روپے کی رقم ملی ہے اور میں ابھی تک نہیں جانتا کہ مجھے یہ روپیہ کیوں دیا گیا ہے۔یہ اگر میرے ساتھ ہو سکتا ہے تو اوروں کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔

....

صحت عامہ اور جیل خانہ جات سے متعلق مطالبات زر پر تقریر کرتے

ہوئے شمیم احمد شمیم نے شکایت کی کہ جیلوں کی حالت نا گفتہ بہ ہے اور قیدیوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جا رہا ہے۔ وزیر صحت محمد ایوب خان نے اپنی جوابی تقریر میں تفصیل کے ساتھ ان سہولیات اور مراعات کا ذکر کیا جو اخلاقی قیدیوں کو دی جا رہی ہیں۔ ''کیا شمیم صاحب ان سہولیات سے مطمئن ہیں'' صادق صاحب نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دریافت کیا''۔

''جی نہیں'' یہ سب آپ کے ساتھیوں کے لیے مخصوص ہیں، میں تو سیاسی قیدیوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں''۔ شمیم احمد شمیم نے جواب دیا۔

....

شمیم احمد شمیم انڈسٹریز سے متعلق مطالباتِ زر پر تقریر کر رہے تھے کہ شری مکھن لعل فوطیدار نے مداخلت کی۔

''جناب والا! اس ممبر پر اپنے مخالف امیدوار کا حلف چرا کا کامیاب ہونے کا الزام ہے، اس لیے اسے ہدایت کی جائے کہ جب میں بولوں تو یہ خاموش رہا کرے،'' شمیم احمد شمیم نے ڈپٹی سپیکر سے درخواست کی۔

''چپ رہو، تم جھوٹ بول رہے ہو'' شری فوطیدار نے احتجاج کیا۔

''جناب والا! میں خدا کو حاضر و ناظر کہہ سکتا ہوں کہ شری فوطیدار حلف چور ہیں'' شمیم صاحب نے الزام دہرایا، ''آپ اپنی تقریر جاری رکھئے'' ڈپٹی سپیکر نے حکم دیا۔

☆☆☆

مشورے

''مشورے'' کے عنوان سے ایک نئے کالم کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اس عنوان کے تحت سیاسی لیڈروں، ذہنی مفلسوں، سیاسی یتیموں، ابن الوقتوں، ارباب حکومت، ملازمین سرکار اور طالبانِ اقتدار کو مفت مشورے دئے جائیں گے۔ اس کالم کو تجربے کے طور پر شروع کیا جا رہا ہے۔ اگر اسے شرفِ پسندیدگی حاصل ہوا تو اسے ایک مستقل عنوان کی شکل دی جائے گی۔ ادارے نے اس کالم کے لیے ایک مشہور اور ناکام وکیل کی خدمات حاصل کی ہیں۔ وکیل صاحب سے مزید مشورے حاصل کرنے کے لیے ''آئینہ'' کی معرفت انہیں خط لکھئے۔ (ادارہ)

....

شیخ صاحب کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ اپنی نظر بندی کے دوران باغبانی اور مرغبانی کے علاوہ کبھی کبھی کوئی کتاب بھی پڑھا کریں۔ کتاب پڑھنے سے انسان کا ذہن گھِستا نہیں ہے، وسیع ہو جاتا ہے۔

....

صادق صاحب کو ہم یہ مشورہ دیں گے کہ وہ فی الحال کتابیں پڑھنا چھوڑ دیں۔ کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے وہ اب اتنے کتابی ہو گئے ہیں کہ ہر مسئلے کا حل کتاب میں تلاش کرتے ہیں۔ ان سے گذارش یہ ہے کہ زندگی کے ہر سوال کا جواب کتاب میں نہیں ملتا اور پھر جتنی دیر میں آپ کتاب کے اوراق الٹتے ہیں، سوالات کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔

....

بخشی صاحب کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ سب کچھ کریں، لیکن اقتدار میں آنے کا خواب دیکھنا ترک کر دیں کیونکہ اس قسم کے خوابوں سے ان کی صحت پر اثر پڑنے کا احتمال ہے۔ انہیں ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ جس ہڈی کو انہوں نے دس سال بعد چھوڑ دیا، اُسے صادق صاحب، ڈی پی صاحب اور قاسم صاحب صرف دو یا تین سال بعد کیوں کر چھوڑ سکیں گے۔

....

شری درگا پرشاد در کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ اپنے کسی مالدار دوست سے بہت سارو پیہ لے کر پوری ریاست کو اپنے لیے خرید ہی لیں، کیونکہ ویسے بھی وہ ریاست کو اپنی جاگیر ہی سمجھتے ہیں، جس پر حکومت کرنا ان کا پیدائشی حق ہے۔

....

شری گردھاری لال ڈوگرہ کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ابھی تک ان کا کوئی رشتے دار یا عزیز سرکاری ملازمت سے باہر ہو، تو اس ایک سال کے اندر اندر اُسے بھی ''بھرتی'' کرالیں اور جن عزیزوں کو ترقی دلانا مقصود ہو، انہیں بھی جلد اوپر اٹھانے کی کوشش کریں۔ ماہرین، جوتش کا خیال ہے کہ ۱۹۶۷ء کا سال ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔

....

خواجہ غلام محی الدین قرہ نے کبھی بھی ہمارا مشورہ قبول نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم انہیں یہ مشورہ دیں گے کہ وہ سیاست سے علیحدہ ہو کر اپنی صحت کی طرف متوجہ ہوں۔ ان کی سیاست ایک ایسے بھنور میں پھنس گئی ہے

کہ اس کا جغرافیہ متعین کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

....

ممبران اسمبلی کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اگر وہ مزید پانچ سال کے لیے ریاستی عوام پر مسلط رہنا چاہتے ہیں۔ تو اسمبلی میں کوئی ایسا سوال نہ کریں جس سے موجودہ حکومت کی اہلیت پر کوئی حرف آئے۔ اسمبلی کے لیے کانگریس کی ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے وہ صادق صاحب کی بجائے قاسم صاحب، ڈی پی صاحب اور کار صاحب پر اپنی توجہ مرکوز کردیں۔ اس سلسلے میں ان صاحبان کے ڈرائیور صاحبان سے مراسم پیدا کرنا بہتر رہے گا۔

....

ملک سپلائی سکیم کے ذمہ دار آفیسران کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ دودھ میں صاف پانی ملایا کریں۔ مناسب یہ ہوتا کہ دودھ میں دیا جانے والا پانی الگ سے اُبال کر پھر دودھ میں ملا دیا جاتا۔ ان دنوں جو پانی ملایا جاتا ہے وہ بڑا ہی کثیف اور گندہ ہوتا ہے اس سے صحت عامہ پر بڑا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

☆☆☆

وزیر داخلہ شری گلزاری لال نندہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھ کر کچھ دنوں کے لیے سنیاس لے کر بن باس چلے جائیں۔ تاکہ حکومت کو چند دنوں کے لیے ڈی، آئی، آر کا سہارا لیے بغیر زندہ رہنے کا تجربہ ہو جائے۔ جب سے یہ ''سادہ مزاج'' اور ''سادھو سماج'' بزرگ وزیر داخلہ ہو گئے ہیں، عوام ''آئینی حکومت'' کا ذائقہ بھی بھول گئے ہیں۔ جو وزیر داخلہ

ڈی، آئی، آر کے بغیر حکومت چلانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اُسے کسی دماغی امراض کے ماہر سے اپنا معائنہ کروانا چاہیئے۔

....

وزیر ڈی، آئی، آر شری، ڈی، پی، در کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں پر بھوک سے مرنے کا الزام عائد کیا گیا ہے انہیں ڈی، آئی، آر کے تحت گرفتار کر کے ان کی لاشوں کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں تاکہ اُن لوگوں کو عبرت ہو جو مستقبل قریب میں بھوک سے مرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مزید مشورہ دیا جاتا ہے کہ رنبیر پینل کوڈ میں ترمیم کر کے بھوک سے مرنے کو ناقابلِ ضمانت جرم قرار دیا جائے۔

....

پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کو مشورہ دیا جاتا ہے وہ ریاستی حکومت پر زور دیں کہ شیخ عبداللہ کی رہائی کا مطالبہ کرنے والے ہر شخص کو ڈی، آئی، آر کے تحت نظر بند رکھا جائے کیونکہ شیخ صاحب کی رہائی کا مطالبہ کرنے والا ہر آدمی در اصل پاکستانی جاسوس ہے۔ ڈوگرہ صاحب کو چاہیئے کہ وہ تب تک شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کی مخالفت کرتے رہیں، جب تک شیخ صاحب بھارتیہ جن سنگھ میں شامل نہیں ہوتے، کیونکہ پنڈت جی کی نگاہوں میں صرف جن سنگھی ہی ہندوستان کے وفادار ہو سکتے ہیں۔

....

ڈائریکٹر ٹیلی کمیونکیشن شری ڈیسائی کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے محکمے کے اہلکاروں میں ''اعلیٰ کارکردگی'' اور ''فرض شناسی'' کے لیے بونس تقسیم کرنے کی سفارش کریں، کیونکہ محکمۂ ٹیلی فون کے عملے کی بدولت شہر کے اکثر

ٹیلی فون زیادہ تر خاموش رہتے ہیں۔ اس طرح ''کثرت استعمال'' سے ٹیلی فون گھس جانے کا جو خطرہ تھا، وہ کلیتاً ختم ہوگیا ہے اگر کچھ دیر کے لیے محکمے کے اہلکار اسی طرح اپنے ''فرائض'' انجام دیتے رہے تو ایکسچینج پر بڑھتا ہوا دباؤ کم ہو جائے گا، کہ ایکسچینج کی بھاری عمارت فضا میں تیرتی ہوئے نظر آئے گی۔

....

عوامی ایکشن کمیٹی کے لیڈروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ شہر میں لگے ہوئے کمیٹی کے سائن بورڈوں پر جمی ہوئی گرد کو صاف کر کے احساس شہریت کا ثبوت دیں۔ گرد کی موٹی موٹی تہوں کے نیچے دبے ہوئے حروف میں یہ اندازہ مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ عوامی ایکشن کمیٹی کا دفتر ہے یا انجمن جالک دوزوں وقالبافاں کا مرکز۔

....

ناظم تعلیمات کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ پلاٹوں کی تقسیم کی طرح اساتذہ کے انتخاب میں بھی قرعہ اندازی کا طریقہ روا رکھیں۔ اُمیدواروں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی ذہنی استعداد کے پیش نظر'' قابلیت کا کا معیار'' سوشلسٹ طرز کا سماج تعمیر کرنے میں مدد و معاون نہیں ہوسکتا۔ ہمارے ہاں چونکہ ہر نالائق طالب علم اُستاد بننا چاہتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ قابلیت کی بجائے کم سے کم نالائقی کو معیار قرار دیا جائے۔ عام انتخابات کے پیش نظر یہ رویہ بہت مُفید ثابت ہوسکتا ہے۔

....

ہند پاک مصالحتی گروپ کے چیرمین شری رو گھناتھ ویشنوی ایڈوکیٹ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کبھی کبھی اپنے معصوم توہمات کی دنیا سے باہر آ کر نا گوار

حقائق اور مظلوم تصورات کی صحبت میں بھی بیٹھا کریں۔ اگر سیاسی لیڈروں اور ارباب اقتدار کے نام تاریں دینے یا اخبارات کے نام بیانات شائع کرنے سے کشمیر کی الجھن حل ہوسکتی، تو آج ملک کی تاریخ مختلف ہوتی۔

....

ناظم اطلاعات شری جی، ڈی، شرما اور ان کی ''اشتہاری کمیٹی'' کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ریاستی اخبارات کے لیے اشتہارات تقسیم کرنے کے لیے صرف اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ کون سا اخبار کتنا پڑھا جاتا ہے اور جو اخبار سب سے کم پڑھا جاتا ہے اسے سب سے زیادہ اشتہارات ملنے چاہئیں کیونکہ زیادہ تعداد میں پڑھا جانے والا اخبار حکومت کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

....

جاہلان مطلق کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ''آئینہ'' پڑھنے کی زحمت گوارا نہ کریں، کہ ایسا کرنے سے ان کی جہالت کو خطرہ لاحق ہوگا۔ جاہلان مطلق العنان کو چاہیے کہ وہ باقاعدگی سے ''آئینہ'' کا مطالعہ کیا کریں۔ ایسا کرنے سے ان کی جہالت تو نہیں، لیکن ان کی مطلق العنانی ضرور کم ہوگی۔

....

سید میر قاسم کو چاہیئے کہ وہ کانگریس کے ان چھ لاکھ ممبروں کا سراغ لگانے کے لیے مرکزی محکمۂ سراغرسانی سے رجوع کریں، جو پچھلے ایک سال کے دوران کانگریس کے ممبر بن گئے تھے لیکن کچھ مدت سے لاپتہ ہیں۔ مرکزی محکمۂ سراغرسانی کے ماہروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ محاذ رائے شماری، پولٹیکل کانفرنس اور جن سنگھ کی صفوں میں ان لاپتہ ممبروں کی تلاش کریں۔

....

شریمتی اندرا گاندھی کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ آئین میں ترمیم کا ایک بل پیش کریں جس کی رُو سے ہر سٹیٹ کی وزیر اعلیٰ ایک خاتون ہونا چاہیئے۔ ہماری ریاست میں کچھ خواتین وزیر اعلیٰ بننے کے لیے تڑپ رہی ہیں اور ہم سے اُن کی بے چینی اور بے قراری دیکھی نہیں جاتی !۔

....

مرزا محمد افضل بیگ کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ فرصت کے اوقات میں اپنی ان تقریروں کا مطالعہ کیا کریں جو انہوں نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک کی ہیں۔ بعض اوقات پرانی یادوں کے سائے میں بیٹھ کر انسان کو "تازہ بلاؤں" کی تاریخ پیدائش یاد آ جاتی ہے۔

....

لیجسلیٹو اسمبلی کے سپیکر میر غلام محمد راجپوری کو مشورہ دینا بے کار ہے، لیکن مشورہ چونکہ مُفت ہے اس لیے دینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ عوام الناس کو اعتماد میں لے کر یہ راز آشکارا کریں کہ ان کے سینے میں دل ہے یا نہیں .... اور اگر ہے تو کس دھات کا بنا ہوا ہے۔

....

سٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو کشمیر کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ "وادی کی آواز" نام کا پروگرام فوراً بند کر دیں، نہیں تو شہر کی آدھی آبادی گھر بار چھوڑ کر چلی جائے گی۔ ریڈیو سے "غیر خورا کی غذا" اور "یونیورسٹی کنونشن" جیسی اصطلاحیں نشر کرا کے آپ ویسے ہی عوام سے کیا کم زیادتیاں کر رہے ہیں کہ "وادی کی آواز" سنا کر آپ انہیں شہر چھوڑنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

....

حکومت وقت کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ خواجہ عبدالصمد پنڈت اینڈ کو سے ٹینڈر طلب کر کے ریاستی محکمۂ پولیس کو ٹھیکے پر دیدے۔ ابھی حال ہی میں عبدالصمد پنڈت اور ان کے آدمیوں نے فوکر فرنڈ شپ جہاز کی تلاش میں جس مستعدی اور اہلیت کا ثبوت دیا ہے اس سے ثابت ہوا ہے کہ ریاستی پولیس کو اگر انہی کی نگرانی میں دیا جائے تو کارکردگی کا معیار مقابلتاً زیادہ بلند رہے گا۔

....

مالکان سینما کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے سینما گھروں میں بلیک ٹکٹ بیچنے کے لیے ایک الگ کاؤنٹر قائم کردیں۔ ایسا کرنے سے ٹکٹ ملنے میں بھی آسانی ہوگی اور مالکانِ سینما کی شرح منافع بھی بڑھ جائے گی کیونکہ بلیک ٹکٹوں سے حاصل شدہ سرمایہ بہرحال انہی کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔

....

جن سنگھ کے نئے پردھان شری بلراج مدھوک کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً اپنے نئے عہدے سے مستعفی ہو جائیں کیونکہ ان کا عہدہ سنبھالنے کے صرف چند گھنٹے بعد پنجابیوں کو پنجابی صوبہ دیا گیا اگر وہ سال بھر تک پردھان رہے تو کشمیریوں کو کشمیری صوبہ مل جانے کا خطرہ ناگزیر ہو جائے گا۔

....

شہر میں دودھ کی شدید قلت کے پیش نظر شہریوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ صبح سویرے چائے کے بدلے ''شربت روح افزا'' پیا کریں۔ شیر خوار بچوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ صورت حال کی نزاکت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہ دودھ کے بجائے اپنے آنسو پی جانے پر ہی اکتفا کریں۔

....

سرینگر میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر سے دست بستہ عرض ہے کہ شہریوں کو اپنی دیانت داری اور کارکردگی کا تختۂ مشق نہ بنائیے۔ خالص دودھ کی تلاش میں آپ نے ہمیں دودھ ہی سے ''خلاصی'' کردلائی ہے۔ خدارا اب آپ کسی اور چیز کو ہاتھ نہ لگائیے۔

....

شری غلام رسول رینزو کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ''انسداد انٹی کرپشن'' کے موضوع پر فوراً ایک کتابچہ مرتب کریں تا کہ کرپشن کے الزام میں ماخوذ سرکاری افسروں کو یہ معلوم ہو سکے کہ الزامات کی تحقیقات ہوئے بغیر آدمی ہوم سیکریٹری کیوں کر بن جاتا ہے۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہزاروں سرکاری ملازمین کتابچے کی اشاعت سے پہلے ہی اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

☆☆☆

....

محترم شیخ صاحب

۱. وقت کی پابندی کا خیال رکھا کیجیے، لوگوں کو چار بجے بلا کر خود پانچ بجے نہ آیا کیجیے۔

۲۔ تقریر کرتے کرتے جب مائیکروفون فیل ہو جایا کرے تو سامعین پر برس پڑنے کی بجائے منتظمین جلسہ کی خیر و خیریت پوچھا کیجیے۔

۳. مختصر تقریر زیادہ موثر ثابت ہوگی۔ طویل تقریروں سے سامعین کا جی

گھبرانے لگتا ہے، آدھے گھنٹے سے زیادہ تقریر نہ کیا کیجیے۔

۴. کھلی کار میں بیٹھ کر نہ گھوما کیجیے نظر لگ جائے گی۔

۵. ''آئینہ'' کا سالانہ چندہ فوراً ادا کر دیجیے۔

محترم صادق صاحب

۱۔ ہر صحیح بات کی تردید نہ کیا کیجیے، ورنہ یہ عادت بن جائے گی۔

۲۔ اپنی کرسی کی نہیں، عاقبت کی فکر کیجیے۔ کیونکہ کرسی نے ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیا ہے۔

۳۔ خوشامدیوں اور چاپلوسوں کے نرغے سے باہر آ کر کبھی کبھی عام لوگوں سے بھی ملا کیجیے۔ آپ کی صحت اچھی ہو جائے گی۔

۴. ڈی، پی، در کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آجایئے، وہ آدم خور ہے۔

۵. سیّد میر قاسم کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھئے ورنہ کسی کو کاٹ کھائے گا۔

محترم فاروق صاحب

۱. آپ کمسن ہیں، بزرگوں کا احترام کیا کیجیے۔

۲. سیاست کا میدان پُر خار ہے اس لیے ہر قدم پھونک کر رکھیے۔

۳. سفلہ، رذیل اور بد باطن لوگوں کو اپنا دوست نہ بنایئے کہ آپ میر واعظ کشمیر کے جانشین ہیں۔

۴. اپنے وقت کا کچھ حصہ مطالعے اور غور و فکر میں بھی صرف کیا کیجیے کہ اس سے شخصیت کی تعمیر ہو گی۔

۵. سفر پر روانہ ہونے سے پہلے سوچ سمجھ کر اپنی منزل کا تعین کیجیے۔ بعض لوگوں کو آخر تک یہی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں

محترم سید میر قاسم صاحب

۱. ساری دنیا کو بے وقوف اور اپنے آپ کو افلاطون نہ سمجھا کیجیے۔
۲. مسلسل جھوٹ بولنے سے انسان کے ضمیر پر سیاہی کی ایک موٹی تہہ جم جاتی ہے۔ آپ کبھی کبھی سچ بھی بولا کیجیے۔
۳. مسلم فرقہ پرستی کے الزام سے بچنے کے لیے جن سنگھی لیڈروں کی زبان میں بات نہ کیجیے۔ اس سے آپ ہی کی نہیں کانگریس کی شہرت بھی خراب ہو رہی ہے۔
۴. شیش محل میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر نہ پھینکا کیجیے۔
۵. فرصت کے وقت کبھی اس بات پر غور کیجیے کہ "بخشی عبدالرشید اور آپ میں اب کون سا فرق رہ گیا ہے۔

محترم بخشی صاحب

۱. اپنے ساتھیوں، اپنی جماعت کے عہدیداروں اور کارکنوں پر کڑی نگاہ رکھئے کہ ان میں سے بہت سے لوگ آپ کو داغ مفارقت دینے کی سوچ رہے ہیں۔
۲. پارلیمنٹ سے مستعفی ہو کر صفا کدل سے ریاستی اسمبلی کے لیے انتخاب لڑیئے کہ آپ کا اصل میدان دلی نہیں، سری نگر ہے۔
۳. جمہوری طریقوں سے صادق سرکار کو گرانے کا خیال چھوڑ دیجیے کہ یہ نسخہ اس ریاست میں کام نہیں آسکتا، اعلیٰ سطح پر کوئی تک تگڈم لڑائیے۔
۴. نیشنل کانفرنس کے لیے کہیں سے آئیڈیالوجی کا انتظام کیجیے ورنہ بچاری ایک دن مر جائے گی۔

۵. پیر یحییٰ کو برخاست کرنے کے بعد شمیم احمد شمیم کو اپنی پارٹی کا لیڈر بنایئے، مگر اُسے نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے پر مجبور نہ کیجیے۔

☆☆☆

....

خدائے قدوس کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ فیملی پلاننگ کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر وہ خود بھی بندوں کی تخلیق میں قناعت سے کام لے۔ ایسا کرنا خود اس کے بندوں کے حق میں مفید ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات جلدی میں کچھ بندگانِ خدا کے سروں میں غلطی سے گدھے کا دماغ رکھ دیا جاتا ہے ان میں سے اکثر لوگ بعد میں سیاسی لیڈر یا وزیر ہو کر عوام الناس کے لیے دردسر بن جاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ہمارے اس مشورے پر ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔

....

ابلیس کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اب اللہ میاں کے ساتھ صلح صفائی کر کے ایک کولیشن حکومت بنا دے۔ کیونکہ انسان کی مہربانی سے سارے خدائی منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں۔ اس وقت چونکہ آدھی سے زیادہ دُنیا پر ویسے بھی ابلیس ہی کا قبضہ ہے اس لیے اللہ میاں کو یہ سمجھوتہ کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اللہ میاں اور ابلیس دونوں ہی کو ہمارے ہاں کے سیاسی لیڈروں سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ کس طرح ضرورت پڑنے پر اصولوں کو طویل چھٹی دے کر اپنی ''حفاظت'' کا انتظام کیا جاتا ہے۔

....

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ مسٹر زیڈ۔ اے، بھٹو کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ

اگر اُنہیں پاکستان میں نوکری نہ مل سکے تو وہ سیدھے کشمیر کا رُخ کریں، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آنے کے ساتھ اُنہیں ریاستی کانگریس میں کسی مناسب جگہ تعینات کیا جائے گا۔ ہمارے ہاں بہت سے ایسے لوگ کانگریسی پریذیڈنٹ اور کنونیر بن چکے ہیں جو صرف چند سال پہلے بھٹو صاحب کا ہی دیا کھاتے تھے۔ ویسے بھی ریاستی کانگریس میں شامل ہونے کے لیے پاکستان نواز یا ملک دشمن ہونا کوئی Disqualification نہیں ہے۔

....

سرود یہ لیڈر جے پرکاش نرائن کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ شیخ صاحب کی وکالت میں ان سے ایسی باتیں منسوب نہ کریں جن سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ جے پرکاش جی اپنی وکالت سے ملک کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں اور شیخ صاحب کی پوزیشن کو بھی مضحکہ خیز بنا رہے ہیں۔ ان کے بیانات سے ایسا لگ رہا ہے کہ انہوں نے شیخ صاحب کو کبھی قریب سے دیکھا ہی نہیں، انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ جس طرح وہ کبھی شیخ صاحب کی سطح پر نہیں سوچتے شیخ صاحب بھی ان کی سطح پر جا کر نہیں سوچ سکتے۔

....

۵۵ سال کی عمر کے تمام سیاسی لیڈروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً عملی سیاست سے کنارہ کش ہو کر اپنی داستانِ حیات مرتب کرنا شروع کریں، اگر وہ ۵۵ سال کے بعد بھی سیاست میں حصہ لینے پر بضد ہیں تو اُنہیں ہر چھ ماہ بعد دماغی صحت اور توازن کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوگا۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر ان تمام لیڈروں کو ریٹائر کیا جائے، جنہوں نے ۱۹۳۱ء سے ہماری رہنمائی کا ٹھیکہ لیا ہے تو ہماری بہت سی مصیبتیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

....

ابھی حال میں بیج بہاڑہ میں منعقد کیے گئے ایک کانگریس کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے وزیراعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے اعلان کیا کہ کسی داغدار ماضی رکھنے والے شخص کو کانگریس کا ٹکٹ نہیں دیا جائے گا۔ داغ دار ماضی رکھنے والے تمام ایسے اشخاص کو جنہیں کانگریس ٹکٹ کی سخت ضرورت ہے کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ٹکٹ کی تقسیم سے قبل ہی اپنے ماضی کی ڈرائی کلیننگ کرا کے اس کے داغ دور کرنے کی کوشش کریں۔ ڈرائی کلیننگ کا یہ نسخہ اُن کانگریسی لیڈروں کو معلوم ہے جو کل تک پاکستان سے روپیہ حاصل کرتے تھے اور آج ریاستی کانگریسی اور سٹی زن کونسل کے کرتا دھرتا بنے بیٹھے ہیں۔

....

ایک اطلاع کے مطابق سرینگر میونسپلٹی شہریوں پر مزید ٹیکس لگانے کے سوال پر غور کر رہی ہے اور جلد ہی پیدائش، اموات اور شادی بیاہ پر ٹیکس عائد کیے جائیں گے۔ شہر کی اس نمائندہ باڈی کے خداوندگان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آمدنی بڑھانے کے لیے وہ شہریوں کے مسکرانے، رونے، نہانے، بھوکا رہنے اور سڑک پر تھوکنے پر بھی ٹیکس عائد کرے۔ تو آمدنی میں قابل ذکر اضافہ ہوگا۔

☆☆☆

....

سیاسیات کشمیر کی سب سے پُر اسرار شخصیت مولانا محمد سعید مسعودی کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے سیاسی نظریات کا ضرور

اعلان کریں۔ کیونکہ ان کی موت کے بعد طرح طرح کی افواہیں اڑنے کا امکان ہے اور چونکہ ؎ ''آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں''، اس لیے مناسب یہ ہوگا کہ مولانا جموں جیل میں اپنی داستانِ حیات مرتب کرنا شروع کریں۔

....

پنڈت پریم ناتھ بزاز کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں دہلی چھوڑ کر کشمیر تشریف لائیں کیونکہ دہلی میں بیٹھ کر کشمیر کے متعلق مضامین لکھنے سے کشمیر کی اُلجھنیں کم نہیں ہوتیں۔ کشمیر میں کچھ عرصہ رہ کر ہی اُنہیں اس تلخ حقیقت کا احساس ہوگا کہ ان کے ''مشورے'' کتنے دلفریب مگر ناقابلِ عمل ہیں۔

....

پنڈت شیو نرائن فوطیدار کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ سٹی زن کونسل کا نام سٹی، زن کونسل، یعنی شہری عورتوں کی کونسل رکھ دیں۔ کیونکہ کونسل کی زنانہ شاخ نے جس تن دہی، لگن اور محنت سے اس کونسل کے مصنوعی وجود کو زندہ رکھا ہے اس کے پیش نظر اس کونسل کے جملہ حقوق زنان شہر ہی کے نام محفوظ ہونے چاہئیں۔ کام کی نوعیت کے اعتبار سے یہ کونسل زنانہ ہے ہی، اب نام کی معنویت سے اس کا حقیقی کردار بھی اُبھر آئے گا۔

....

شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ بڑھتی ہوئی گران بازاری اور مہنگائی کے پیشِ نظر وہ اپنی فیسوں میں مزید اضافہ کریں۔ صحت عامہ کے معیار کو بلند کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مریض کے جسموں سے خون کا آخری قطرہ نچوڑ کر انہیں زندگی کی کشمکش سے نجات دلائی جائے اور ظاہر ہے

کہ یہ کام صرف بڑے بڑے ڈاکٹر ہی کر سکتے ہیں۔امیروں، رئیسوں، بڑے بڑے افسروں اور لیڈروں کا مفت علاج کرنے کی روایت برقرار رہنی چاہیئے، کیونکہ فیس دینے کی استطاعت صرف شہر کے غریبوں ہی میں ہے۔

....

پرنسپل ویمن کالج سرینگر کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کالج کے آڈیٹوریم کو صرف کالج کی تقریبات ہی کے لیے مخصوص رکھیں اور اسے ٹاؤن ہال کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں، کم از کم میونسپلٹی کے بے ہنگم مشاعرے کے لیے کالج آڈیٹوریم استعمال کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

....

ڈی۔آئی۔جی (سی۔آئی۔ڈی) کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اگر انہیں شمیم احمد شمیمؔ کی زندگی، ان کے سیاسی نظریات اور ان کی خفیہ سرگرمیوں کا صحیح سراغ لگانا ہے تو انہیں سی۔آئی۔ڈی کے درجن بھر آدمیوں کو اس ''تحقیقی مشن'' پر مامور کرنے کی بجائے خود شمیم صاحب سے ملاقات کرنا چاہیے۔وہ آپ کو ان حالات سے بھی روشناس کریں گے جن سے آپ کی معلومات ہی میں نہیں آپ کی لیاقت عامہ میں بھی اضافہ ہوگا اور اگر آپ اُردو پڑھ سکتے ہوں تو ہر ہفتے ''آئینہ'' کا مطالعہ کیجیے کہ یہ شمیم صاحب کی سیاست کا اشتہار ہوتا ہے۔

....

حسینانِ شہر کی خدمت میں عرض ہے کہ بس اب حد ہوگئی۔لباس میں مزید سکڑنے کی گنجائش موجود نہیں۔اس لیے اب اپنے حال پر رحم کھا کر اپنے لباس کو اسی حال میں رہنے دیجئے۔انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ کبھی فرصت کے اوقات میں یہ بھی سوچا کریں کہ وہ اپنے ساتھ یہ زیادتی کیوں کر رہے ہیں۔

وہ سڑک پر ٹھیک سے چل نہیں پاتے، وہ آسانی سے بس میں سوار نہیں ہو سکتے اور جب بروقت سوار ہو جائیں تو پھر اُتر نہیں سکتے، یہ لباس نہ ہوا، دیوانے کی زنجیریں ہوئیں!۔

....

ڈویژنل کمشنر شری انور کریم کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت میونسپلٹی کے حدود کے اندر مشاعروں پر پابندی عائد کر دیں۔ میونسپلٹی کے حالیہ مشاعرے کے بعد ملک کی سلامتی کو واقعی خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور اگر مزید مشاعرے روکنے کے لیے فوری اقدامات نہ کیے گئے تو شہر کی آدھی آبادی شاعر ہو کر شہر کو رسوا کر دے گی!۔

☆☆☆

....

وزیر اعظم برطانیہ مسٹر ولسن کو اگر عام انتخابات میں لیبر پارٹی کے امکانات تاریک نظر آ رہے ہیں تو انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً ہمارے ہاں کے کچھ ''بکس توڑ'' ماہرین انتخابات کی خدمات حاصل کریں پھر نہ صرف ان کی کامیابی یقینی ہو گی بلکہ کنزرویٹو پارٹی کے اکثر ممبروں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو جائیں گی۔

....

ہندو پاکستان کے اخبار نویسوں، نشر گاہوں اور لیڈروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آئندہ وہ جب بھی معاہدہ تاشقند کا ذکر کیا کریں تو اس کے ساتھ آنجہانی یا مرحومہ کا لفظ ضرور جوڑ دیا کریں کہ بچارا معاہدہ دونوں ملکوں کی ''کثرت

خلوص“ کی وجہ سے قبل از وقت واصل بہ حق ہوگیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

....

شریمتی اندرا گاندھی کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ وائٹ ہاؤس ہی سے صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان اور صدر چین لیوشائی چی کو شکریے کے تار ارسال کریں، ان دونوں حضرات کی بروقت اور برمحل کاروائی سے اندرا جی کی بہت سی مشکلات خود بخود حل ہوگئیں۔

....

صدر پاکستان محمد ایوب خان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اگر آئندہ کبھی مداخلت کار بھیجنے کا ارادہ ہوتو ریاستی وزیر داخلہ شری ڈی، پی، در کو ایک ماہ قبل اور مرکزی وزیر دفاع کو کم از کم پندرہ دن قبل اس کی اطلاع دی جانا چاہیئے۔

....

وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کو اگر جموں میں اپنی غیر معمولی مصروفیات سے فراغت مل سکے تو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ دو ایک دن کے لیے سرینگر تشریف لائیں اب چونکہ یہاں کا موسم بھی بہتر ہوگیا ہے اس لیے اگر محترم قاسم صاحب بھی ان کے ہمراہ آئیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

....

کچھ عرصے سے بخشی غلام محمد دوبارہ سیاست میں داخل ہونے کا صرف ٹریلر ہی دکھارہے ہیں۔ اُنہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً پوری فلم کی نمائش کریں کیونکہ ٹریلر دکھا دکھا کر ہی تماشائیوں کے ذوق کی تسکین ممکن نہیں۔

....

وزیر ماحولیات شری ترلوچن دت کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ پنجابی صوبہ

اور کشمیری صوبہ کے وزن پر اپنے لیے ایک ''کشمیر موٹرس صوبہ'' کا مطالبہ شروع کر دیں۔ ویسے بھی وہ رسل و رسائل کی مملکت کے بے تاج بادشاہ ہیں لیکن اگر جموں پرانت میں سے انہیں اپنی موٹر کمپنی کے نام پر ایک الگ ہی حصہ دیا جائے تو قوم کے بہت سے مسائل حل ہوں گے۔

....

فری تھنکرس فورم کے ممبران کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً ''مفت'' سوچنا ترک کر دیں۔ اس ریاست میں مفت تو کیا، پیسے دے کر سوچنا بھی جرم ہے۔ تعجب نہیں کہ وہ سوچنے کے الزام میں ڈی، آئی آر کے تحت دھر لیے جائیں۔

....

انجینئرنگ کالج سرینگر کے پرنسپل کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ریجنل انجینئرنگ کالج کو کشمیر صوبائی کانگریس کی نسیم باغ شاخ قرار دیں اور طالب علموں کا سالانہ امتحان لینے کی بجائے ریاستی کانگریس کے لیڈروں سے مشورہ کیا کریں کہ کس طالب علم کو پاس ہونا چاہئے اور کس کو نہیں۔ اس طرح موجودہ امتحانات کا پیچیدہ اور وقت ضائع کرنے والا سلسلہ ختم ہوگا اور کالج میں ''صحیح طور پر سوچنے والے'' انجینئر تیار ہوں گے۔ بعد میں یہی نسخہ میڈیکل کالج اور پالی ٹیکنک کالجوں میں بھی آزمایا جا سکتا ہے۔

....

وزیر خوراک وانیمل ہسبنڈری سردار ہربنس سنگھ آزاد کو چاہئے کہ وہ ملک سپلائی سکیم کی بجائے واٹر سپلائی سکیم کی ذمہ داریاں سنبھال لیں اگر واٹر سپلائی کا محکمہ اُسی مستعدی کے ساتھ کام کرے جس سے ملک سپلائی سکیم کر رہی ہے تو شہر میں پانی کی قلت ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گی۔

....

کلچرل اکاڈمی کے علی محمد لون کی خدمت میں دستہ بستہ عرض ہے کہ خدارا یہ مشاعروں کا سلسلہ بند کر دیجیے کہ ان سے شاعری کی عظمت اور شاعروں کی عصمت داغدار ہو رہی ہے۔ اگر شاعروں میں پیسے تقسیم کرنا مقصود ہے تو ان کے نام منی آرڈر کر کے بھیجا کیجیے اور اگر شاعروں میں ذرہ بھر بھی غیرت ہے تو انہیں آئندہ اکاڈمی کے کسی مشاعرے میں شرکت میں نہیں کرنا چاہئے۔

مشغلے

خواجہ غلام محمد صادق

کمیونسٹ ہونے کے باوجود خواجہ کہلانا، شاعر ہوئے بغیر تخلص رکھنا (یعنی بغیر بندوق کے لائنس رکھنا) اور پھر اسی تخلص کے عنوان سے مشہور ہو جانا، شریف آدمی ہونا، مگر غیر شریفوں کے چنگل میں پھنس جانا، کسی بات پر غصہ نہ آنا مگر جب آنا تو بے پناہ آنا۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۶۶ء تک ایک ہی بات کہنا (یعنی مستقل مزاج ہونا) بار بار شکست کھانے کے باوجود ہمت نہ ہارنا اور بالآخر وزیر اعظم ہونا، کثرتِ سادگی سے وزیر اعلیٰ ہونا، وزیرِ اعلیٰ ہوکر دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو دشمن بنانا، بدکردار افسروں کی پردہ پوشی کر کے انہیں با اختیار افسر بنانا، سب کچھ کر سکنے کے باوجود کچھ نہ کرنا وزیر اعلیٰ ہونے سے پہلے کتابیں پڑھنا، وزیر اعلیٰ ہونے کے بعد کتابیں خریدنا، وزیر اعلیٰ ہونے کے باوجود وزیرِ داخلہ سے ڈرنا [اب یہ خطرہ ٹل گیا ہے) بہت ہی زندہ دل اور بذلہ سنج ہونا، صاف وشفاف کپڑے پہننا، چھوٹے قد کے باوجود بہت بڑا دل رکھنا، پان کھانا، جگالی کرنا، سگریٹ نہ پینا وغیرہ وغیرہ۔

سید میر قاسم

پہلے سید میر قاسم ہونا، پھر میر قاسم بننا اور آخر میں بخشی عبدالرشید ہو جانا، فارسی خوان ہونا، سیاسی جلسوں میں وعظ شریف پڑھنا، اپنے آپ کو موجودہ

دور کا بقراط سمجھنا، مرزا افضل بیگ اور خواجہ نبہ جی کو اپنا شاگرد قرار دینا، کئی بار وزیر ہونا، بار بار مستعفی ہونا، صادق صاحب کو یقین دلانا کہ ان کے بغیر نہ کانگریس چل سکتی ہے اور نہ حکومت، جنرل اسمبلی میں کشمیر کی نمائندگی کرنا، وہاں کسی کی لکھی ہوئی تقریر پڑھنا، اس میں تلفظ کی غلطیاں کرنا اور واپسی پر مسٹر بھٹو (وزیر خارجہ پاکستان) سے اپنے فرضی معرکوں کا احوال سنانا، کانگریس چیف ہونا مگر قدم قدم پر ایڈمنسٹریشن میں مداخلت کرنا، ہر غلط بات کے لیے جواز تراشنا، بس ڈرائیوروں، ٹیکسی ڈرائیوروں اور تانگہ بانوں کو عوام سمجھنا، نئے نئے کوٹ پہننا، سب کو خوش کرنے کی کوشش میں کسی کو خوش نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ

قبر میں پاؤں لٹکائے رہنا [نہیں شمشان گھاٹ پر پاؤں پھیلانا] شروع سے تحریک حُریت کی مخالفت کرنا، پھر شیخ صاحب کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا، بعد میں بخشی صاحب کو ملک کا دشمن قرار دینا، اب صادق صاحب پر پاکستانی ہونے کا الزام عائد کرنا، غرض ہر کشمیری سے بلالحاظِ مذہب وملت نفرت کرنا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لیے خواب دیکھنا، جموں کے ڈوگروں کو صراط مستقیم سے ہٹانا، جموں اور کشمیر کے درمیان اختلاف اور تشکیک کی خلیج کو وسعت دینا، سیکولر بھارت کو رام راج میں بدلنے کی خواہش رکھنا، اپنی موت سے پہلے دفعہ ۳۷۰ کو ختم کرنے کی حسرت رکھنا، کشمیری صوبہ کی مخالفت کرنا، مگر جموں کو ہماچل پردیش میں ملانے کی کوشش کرنا، جن سنگھیوں سے اپنے مکان کے باہر بم رکھوانا، پھر پولیس کو اس کی اطلاع دینا، ہر

رجعت پسند نظرے کی حمایت کرنا، صبح سویرے دودھ پینا وغیرہ وغیرہ۔

غلام رسول کار

پہلے بے کار ہونا، پھر اخبار بیچنا، تانگہ چلانا اور بہت سے ''عوامی'' کام کرنا، پھر محکمہ ''تحریکِ آزادی'' میں ملازم ہونا۔ ۱۹۶۳ کے بعد ڈی، پی صاحب سے منتھی ہو جانا، بخشی صاحب کے دور میں ہڈی پسلی کی مرمت کرانا، صادق وزارت کی تشکیل کے بعد لوگوں کی سفارشیں کرتے پھرنا، پھر ایک دن وزیر ہونا.......... یعنی با کار ہونا، اس کے بعد پیچھے کی طرف نہ دیکھنا، زندگی بھر کی محرومیوں سے انتقام لینا، بہت سی حکومتیں کرنا، ہر محکمے میں راستے صاف کرنا، لیکن جلد ہی تھک جانا، دوستوں کی مدد کرنا، درہ حاجی پیر فتح کرنا، پٹن میں بہت سی زمین خریدنا، مدیر ''آئینہ'' کے خلاف پروپاگنڈا کرنے والوں کو اپنی جیب سے پیسہ دینے کی پیش کش کرنا، صادق صاحب کے علاوہ رفیق صاحب اور حفیظ صاحب کی خوشامد بھی کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆

....

ڈاکٹر کرن سنگھ

خود ڈاکٹر ہونا مگر علاج کے لیے یورپ جانا، کتابیں پڑھنا، پھر کتابیں لکھنا، ریاست کی لسانی تشکیل کی تجویز پیش کرنا، پھر اس کے متعلق کچھ نہ کہنا، گورنری چھوڑ کر سیاست میں آنے کی دھمکی دینا، اپنے لیے مکان بنانا، مکان کا ایک حصہ کرایے پر اٹھانا، غرض اپنی آمدنی میں اضافہ کرتے رہنا۔ انگریزی اور ڈوگری میں شاعری کرنا اور دوست واحباب کو سننے کے لیے مجبور کرنا، پیسہ

خرچ نہ کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

پیر غیاث الدین

منہ بنانا، مارکسزم پر کتابیں پڑھ کر سامراج سے سمجھوتہ کرنا، ہیگل کے فلسفے پر بخشی عبدالرشید سے تبادلۂ خیال کرنا، ڈیڑھ ڈیڑھ میل لمبی تقریر کرنا، انگریزی کی ٹانگ توڑنا، اپنی ہر غلطی کے لیے تاریخی اسباب کی تلاش کرنا، پیٹھ پیچھے اپنے دوستوں کی برائی کرنا، پڑھے لکھے لوگوں کی قدر کرنا، جاہل اور گنوار لوگوں کو دوست بنانا، اخبار کا چندہ نہ دینا، خود باتیں کرنا، دوسروں کی باتیں غور سے نہ سننا۔

میر اسد اللہ

عمدہ کپڑے پہننا، ہر وزارت میں منسٹر بننے کی کوشش کرنا، اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقل مند سمجھنا، باقی ساری دنیا کو بیوقوف جاننا، اپنے ہر جاننے والے کی سفارش کرنا، بانہال کو دنیا کا سب سے خوبصورت اور متمدن حصہ سمجھنا اور اپنے آپ کو وہاں کا مقبول ترین رہنما تصور کرنا، دوستوں سے وفا کرنا دوسروں کے عیب گنانا، آئیندہ انتخابات میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑنے کا ارادہ کرنا، مگر نتائج کے ڈر سے ارادہ ملتوی کرنا۔

علی محمد طارق

پانچ وقت نماز پڑھنا، اخبار پڑھنا، جھوٹے وعدے کرنا، سبز باغ دکھانا، نایاب اور عمدہ کتابیں جمع کرنا، مگر کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنے دینا۔ دوستوں سے دوستی کرنا، فرضی دشمنوں سے لڑتے رہنا، کسی کو معاف نہ کرنا، بات بات پر غصہ کرنا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونا۔ ساری دنیا کو اپنا تابع

بنانے کی کوشش کرنا، اپنی دیانت کی قسمیں کھانا، کرشنا منین سے عشق کرنا، دلیپ کمار سے دوستی کرنا اور کریم بٹ کو جھاڑ پلانا، اپنی پبلسٹی کرنا، صادق صاحب کی تعریفیں کرنا، باقی سب کی برائی کرنا، رات گئے تک نماز پڑھنا!۔

ڈاکٹر طاہر مرزا!

روز بروز موٹا ہونا، ہر روز ''آب حیات'' پینا۔ مریضوں کو ملاحظے کی فیس ادا کرنا، ہر آدمی کو غریب اور مفلس سمجھ کر اس کی مدد کرنا، شہر کی گندی دیواریں صاف کرنا، مریضوں کے ہاتھوں بیوقوف بننا، بیوقوفوں کے ہاتھوں پریشان ہونا، مگر اُف نہ کرنا، ہر اجنبی کی خاطر تواضع کرنا، دوستوں سے دھوکہ کھانا، اور پھر ان کو کھانا کھلانا، اپنے نوکر کو چوری کرتا ہوا دیکھ کر خود ہی گھر سے بھاگ جانا گھر میں دو عدد بلیوں کو صرف اس لیے پالنا کہ کہیں یہ کسی دوسرے گھر میں جا کر چوہے نہ کھائیں، عمر بھر شادی نہ کرنے کا عہد کرنا، پھر شادی کرنا۔

اکبر لداخی

پُر اسرار طور پر غائب ہونا، دوست احباب کو خط لکھنا کہ وہ لداخ کا وزیر اعلیٰ ہو گیا ہے۔ دھوبی کے پیسے ادا نہ کرنا۔ مگر ٹیکسی پر ایک سو روپیہ خرچ کرنا، کوشک بکولا کی بجائے اپنے آپ کو لداخی عوام کا نمایندہ سمجھنا۔ مہینے میں ایک دو بار نہانا، اُردو ادب سے زیادہ اُردو ادیبوں سے محبت کرنا۔ دوست احباب کی خاطر داری کرنے کے لیے قرض اٹھانا، اپنے آپ کو لداخ کا سب سے زیادہ ذہین انسان سمجھنا (جو بہت حد تک صحیح ہے) زندگی میں صرف ایک افسانہ لکھنا مارکسزم پر ایک کتاب پڑھے بغیر مارکسٹ کہلانا............وزیر داخلہ سے دوستی کا دم بھرنا، پتلون کو کثرت استعمال سے شلوار بنانا۔

☆☆☆

....

درگا پرشاد در

درگا پرشاد در ہونا، مگر ڈی، پی کہلانا۔ خطرناک ذہین ہونا۔ اپنی ذہانت کو ملک وقوم کے لیے ایک مصیبت بنا دینا۔ اپنے سے بڑے آدمیوں کے خلاف سازشیں کرنا۔ اپنے سے چھوٹے آدمیوں کو انسان نہ سمجھنا۔ زندہ دل ومرنجان مرنج ہونا۔ شستہ انگریزی بولنا، دوست کو گلے سے لگا کر اس کی پیٹھ میں خنجر اُتارنا۔ اپنی گفتگو سے دشمنوں کو بھی موہ لینا۔ اپنی حرکتوں سے دوستوں کو بھی دشمن بنا دینا۔ اپنے آپ کو پیدائشی وزیر داخلہ سمجھنا، وزارت داخلہ چھننے پر مچھلیوں کا شکار کھیلنے کے لیے جانا۔ جینے کا سلیقہ رکھنا۔ ڈوبنے والوں کو منجدھار میں چھوڑ دینا اور خود ساحل سے تماشا دیکھنا۔ عوام کو انتہا درجے کا بے وقوف سمجھنا۔ عوام سے ہاتھ ملا کر فینائل سے ہاتھ دھونا۔ خوش پوش اور خوش مذاق ہونا۔ اہل کشمیر کی بہت سی مصیبتوں کا مصنف ہونا۔ زندگی میں اصولوں اور آدرشوں کو بے معنی چیز سمجھنا۔ حسب موقع اور حسب ضرورت کمیونسٹ اور انٹی کمیونسٹ ہونا۔ معدے کا مریض ہونا، الغرض بڑی دل چسپ شخصیت ہونا۔

محمد ایوب خان

پاکستان کے صدر محمد ایوب خان کی پیروڈی ہونا، انتہائی شریف اور سادہ ہونا۔ دیکھنے میں بڑا مسکین ہونا۔ موقع بے موقع محل بے محل مسکراتے رہنا۔ ہر انسان کی ہاں میں ہاں ملانا۔ ہر کاغذ پر دستخط کرنے سے پہلے اپنے پی، اے کا منہ دیکھنا۔ اپنے ماتحتوں سے خوف کھانا، وزیر مال ہونا۔ مگر اپنی جیب میں مال نہ رکھ [illegible] وزیر ٹرانسپورٹ ہونا، مگر ٹرانسپورٹ کمشنر کو اپنا افسر سمجھنا۔ اپنا قد

بڑھانے کی بجائے اپنی چوڑائی میں اضافہ کرنا۔جس کا ایک بار ہو جانا پھر اُسی کا ہو کر رہنا۔ بنیادی طور پر قوم پرست ہونا، اس لیے جن سنگھیوں کے ہاتھوں پٹتے پٹتے بچنا۔ اکثر ریاسی کا دورہ کرنا۔ کار صاحب کے مقابلے میں پورا پورا وزیر ہونا۔ لیکن ہر بات میں کار صاحب سے دبنا، نہ کسی سے لڑنا نہ جھگڑنا۔ الغرض بے پناہ شریف آدمی ہونا۔

ممبرانِ اسمبلی

چہروں پر ہوائیاں اڑنا۔ انتخابات کے نام سے کانپنا، راتوں کو نیند نہ آنا دن کو ڈراؤنے خواب دیکھنا! ماضی پر شرمندہ ہونا۔ اپنا مستقبل خطرے میں نظر آنا۔ دوبارہ ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے پیروں، فقیروں کے پاس جانا۔ لیڈروں کے پیر دبانا۔ اپنے حلقہ انتخاب کے چکر کاٹنا۔ دشمنوں کو دوست بنانے کی کوشش میں لگے رہنا اور اس مشغلے پر پیسہ صرف کرنا۔ اسمبلی کو اپنے باپ دادا کی جائیداد سمجھ کر کسی اور کے نام اس کے انتقال کرنے کی مخالفت کرنا۔ عوام کے سامنے جانے کے لیے اپنے چہروں پر وائٹ واش کرنا۔ عوام سے زیادہ انتخابات کی تکنیک پر بھروسہ کرنا۔ کانگریس کا منڈیٹ حاصل کر کے ہارنے کی فکر سے آزاد ہونا۔ ہر جمعرات کو اپنے گھروں میں ''ہزاروں'' لوگوں سے خطاب کر کے اخبارات اور ریڈیو کو اس کی رپورٹ بھیجنا۔ الغرض سخت پریشان ہونا!۔

لالہ تیرتھ رام

خوش بخت ہونا۔ بدبختی سے دور رہنا۔ دوستی کے لیے صحیح آدمیوں کا انتخاب کرنا۔ جنگ آزادی کے دوران ہوٹلوں میں ڈنر کھانا۔ پھر آزادی کی

برکتوں سے مالا مال ہونا۔ پھر اتنا مالدار ہونا کہ پوری حکومت کو خریدنا Defacto وزیر جنگلات ہونا، عرف عام میں شہنشاہ جنگلات کہلانا۔ وزیروں کے درباروں میں اپنے سے چھوٹے آدمیوں کی سفارش کرنا اور اپنے رقیبوں کا پتہ کٹوانا۔ یاروں سے وفا کرنا اور جنگلات کے ٹھیکداروں سے خفا رہنا، بااخلاق ہونا، کسی اچھے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دینا، الغرض بہت ہی سمجھدار انسان ہونا!۔

مرزا محمود بیگ

جس جلسے کے لیے کوئی صدر نہ مل سکے اس کی صدارت کرنا۔ تین روپے کا کام کر کے تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ لینا۔ کشمیر کو جنت بے نظیر سمجھنا۔ ہر تیسرے دن دہلی جانا۔ محکمہ تعلیم کا ایڈوائزر رہونا۔ خود بھی اس عہدے کو فضول اور لامعنی سمجھنا، اسی لیے یونیورسٹی کا پرو وائس چانسلر بننے کی کوشش کرنا۔ صبح سویرے سیر کو جانا۔ شستہ اُردو بولنا۔ بنیادی تعلیم کے لیے سکیم مرتب کرنا۔ پھر تعلیمی کمیشن کے سامنے بنیادی تعلیم کی برائی کرنا۔ ابھی تک یہ معلوم نہ کرنا کہ ان کے فرائض کیا ہیں۔ کشمیر آنے سے پہلے اچھی شہرت رکھنا۔ کشمیر میں رہ کر اپنی شہرت خراب کرنا وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆

اِنکشافات

۱۸ ؍اگست کو صفا کدل کے ضمنی انتخابات میں شوپیان، اننت ناگ، اور بیج بہاڑہ سے جو نقلی ووٹر درآمد کیے گئے تھے وہ اپنی منزل تک پہنچ کر اپنی ڈیوٹی انجام دینے سے پہلے ہی اصلی ووٹروں کے ہاتھ پٹ گئے اور انہیں جان بچانے کے لیے جوتے ہاتھ میں لے کر بھاگنا پڑا۔ ایک اطلاع کے مطابق ریاستی کانگریس عرف حکومت نے نقلی ووٹروں کی درآمد پر ۴۳ ہزار روپے سے بھی زائد رقم خرچ کی، ان کی آمد و رفت، قیام و طعام اور طبی امداد کے لیے بہت ہی موزوں انتظامات کیے گئے تھے اور انہیں دس روپیہ یومیہ اُجرت بھی پیشگی ادا کردی گئی تھی۔ ان کی رہائش کا انتظام ٹیگور ہال کے عقب والے یوتھ ہوسٹل میں کیا گیا تھا اور ان کی دیکھ بھال کا کام بیج بہاڑہ کا نقلی مفتی محمد سعید کر رہا تھا۔ ان حالات میں پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم کا یہ اندازہ کچھ غلط نہ تھا کہ بائیکاٹ کے باوجود ۶۰٪ لوگ ووٹ کا استعمال کریں گے یہ الگ سوال ہے کہ ۵۵٪ نقلی ووٹروں نے اصل ووٹروں کو اپنا ''حق'' استعمال کرنے نہ دیا۔

....

محاذ رائے شماری کے بانی صدر اور مختارِ عام مرزا محمد افضل بیگ نے الیکٹورل آفیسر کی معرفت چیف الیکشن کمشنر سے یہ درخواست کی کہ انہیں ۱۸ ؍

اگست کو پولنگ بوتھوں پر اپنے کارکن تعینات کرنے کی اجازت دی جائے
تا کہ وہ اصل ووٹروں کی شناخت کر کے بوگس ووٹروں کو ووٹ ڈالنے سے باز
رکھیں۔ بیگ صاحب کی اس درخواست کو سال ۱۹۶۸ء کا سب سے بڑا لطیفہ
قرار دیا گیا ہے اور اسے بیگ صاحب کی ستم ظریفی کی بجائے ان کی سادگی پر
محمول کیا جا رہا ہے۔ میرے ایک دوست نے بیگ صاحب کی اس مضحکہ خیز
درخواست پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سے ان کی قانون دانی بھی مشکوک
ہوگئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بائیکاٹ کی تحریک سے پہلے انتخابی
ایکٹ کا مطالعہ کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں ہے۔ ایک دوست نے تبصرہ
کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ کوئی صاحب مٹی کے تیل بانٹنے
والے افسر سے جا کر کہہ دے کہ مجھے مٹی کے تیل کا ایک ٹین دید یجیے، تا کہ میں
آپ کے گھر میں آگ لگا سکوں۔

....

صفا کدل میں نقلی ووٹروں کی پٹائی اور بڈ گام میں سید میر قاسم پر حملے کی
خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے صادق صاحب کا ذاتی اخبار ''دی نیوز'' لکھتا ہے
کہ اب کی بار پہلی مرتبہ حکمران جماعت کے کارکنوں کو پیٹا گیا اور بخشی غلام محمد
کے دور میں ایسا ممکن نہ تھا، معاصر ''نیوز'' بھول گئے کہ آج سے صرف چند ماہ
قبل ایک مخالف ایم، ایل، اے کو ایک ڈپٹی منسٹر نے مدعو کر کے اپنے سامنے
سرکاری غنڈوں کی مدد سے پٹوایا اور یہ بات بخشی غلام محمد کے دور میں ممکن نہ
تھی۔ بہت سی باتیں جو بخشی غلام محمد کے دور میں ممکن نہ تھیں، صادق صاحب
کے دور میں ممکن ہوگئی ہیں، اس پر فخر کرنے کے بجائے شرمندہ ہونا چاہئے۔

....

وزیرِ لا قانونیت و غلط اطلاعات شری گردھاری لعل ڈوگرہ نے آل انڈیا ایڈیٹرس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ ریاست میں پریس کی آزادی کا یہ عالم ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی سیاسی جماعت ہوگی جس کا اپنا کوئی اخبار نہ ہو۔ ایک اخبار نویس نے پوچھا کہ محاذ رائے شماری کے اخبار کا نام کیا ہے، تو ڈوگرہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا، وہ کوئی سیاسی جماعت ہے، اس جماعت کے ساتھ کل ملا کر بیس آدمی بھی نہ ہونگے ! عوامی ایکشن کمیٹی کے اخبار کا نام کیا ہے ؟ سوال کرنے والے نے پھر دریافت کیا، وہ کوئی جماعت ہے؟ کل ملا کر ۱۵ آدمی بھی نہ ہوں گے اس کے ساتھ، وزیرِ موصوف نے غلط اطلاع فراہم کرتے ہوئے کہا:

پولٹیکل کانفرس کے اخبار کا نام کیا ہے؟ سوالی نے پھر سوال کیا

"اس نام کی کوئی جماعت اس ریاست میں ہے ہی نہیں" شری ڈوگرہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "اچھا کوئی آزاد خیال ہے اس ریاست میں ؟ سوال کرنے والے نے آخری سوال کیا" جی ہاں ، وہ ہیں" اخبار خدمت" اور روزنامہ "نیوز" ڈوگرہ صاحب نے ایک اور جھوٹ بول کر چھٹکارا حاصل کرلیا؟

سیاں جھوٹوں کا بڑا سردار نکلا۔

....

ریاست کے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد، جو صادق تخلص کرنے کے باوجود بڑے بڑے جھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں کرتے ، نے صفا کدل کے ضمنی انتخابات میں صرف ۵ % ووٹ پڑنے کی توجیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حلقۂ انتخاب میں کانگریس کا کوئی امیدوار انتخابی میدان میں

نہ تھا، بالفاظِ دیگر اگر کانگریسی امیدوار منشی محی الدین صلواتی کے کاغذاتِ نامزدگی رد نہ کیے جاتے تو صفا کدل کے ووٹر شیخ عبداللہ، مولوی فاروق اور دیگر لیڈروں کی اپیل کو ٹھکرا کر صلواتی صاحب کو گلے لگاتے۔ میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہوئے خواجہ غلام محمد کے تخلص کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی اور یہ وہی صادق ہے جس کی ایمانداری اور صاف گوئی کا اس کے دشمنوں کو بھی اعتراف تھا۔ ۱۸ راگست کو بڈگام میں پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمنوں کے نرغے میں کچھ اِس بُری طرح پھنس گئے کہ اگر بخشی غلام محمد بروقت مداخلت نہ کرتے تو وہ اس وقت نرسنگ ہوم میں مزاج پُرسی کرنے والوں کو اپنی شجاعت کے قصے سناتے ہوتے۔ ایک عینی شاہد کا کہنا ہے کہ جب ایک نیشنل کانفرنسی حلقہ پریذیڈنٹ نے ان کا گریبان پکڑ کر انہیں چور کہا، تو قاسم صاحب نے بڑی معصومیت سے پوچھا کہ میں نے تم لوگوں کا کیا چرایا ہے؟

''تم نے پچھلے انتخاب میں حلف نامے چرائے ہیں اور اب تم ووٹ چرانے آئے ہو'' حلقہ پریذیڈنٹ نے سوال کا جواب دیا۔

....

آل انڈیا ایڈیٹرس کانفرنس کے صدر رنبیر سنگھ ایڈیٹر ''ملاپ'' نے صدراتی تقریر ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ کشمیر سیکولرازم اور رواداری کا سب سے بڑا خوبصورت مرکز ہے۔ فرقہ دارانہ میل ملاپ اور مذہبی بھائی چارے کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ یہاں کا ہندو قسم کھائے تو خدا کی قسم کھاتا ہے اور مسلمان قسم کھائے تو بھگوان کی قسم کھاتا ہے۔ جی ہاں جب دونوں جھوٹی قسم کھانا چاہئے ہوں، پریس گیلری سے آواز آئی۔

....

بڈشاہ ہوٹل میں مہمان ایڈیٹروں کو دئے گئے سرکاری عصرانے میں خواجہ غلام محمد صادق، میرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد فاروق، خواجہ غلام محی الدین قرہ، سید میر قاسم، غلام محمد شاہ اور صدرالدین مجاہد ایک ہی صف میں بیٹھے۔ بے تکلفی سے باتیں کرتے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ چائے سے فارغ ہوکر بیگ صاحب نیچے تشریف لائے۔ تو محاذ کے ایک سرگرم رکن نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بائیکاٹ کیا ہوا۔

'' ان سے کہدو کہ بائیکاٹ ووٹ کے معاملے میں ہے۔ چائے کے معاملے میں نہیں'' بیگ صاحب نے موٹر پر سوار ہوتے ہوئے فتویٰ صادر کردیا۔

....

بڈشاہ ہوٹل کے عصرانے میں پنڈت پریم ناتھ بزاز صادق صاحب کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ صادق صاحب بزاز صاحب سے اس لیے ناراض ہیں کہ وہ کشمیر میں جمہوریت بحال کرنے کے لیے کیوں کوشاں ہیں۔ اس لیے انہوں نے ان سے ملنا بھی ترک کردیا ہے۔ بڑی مدت کے بعد یہ اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو صادق صاحب نے رسماً خیریت دریافت کی۔

'' خیریت ہے، بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے'' بزاز صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا، '' میں اور دُعا؟ میں کون پیر فقیر ہوں'' صادق صاحب کو اپنا کمیونسٹ ہونا یاد آیا۔

'' کیوں نہیں، اب تو آپ، مسجدوں کی تعمیر کے چندہ دیتے ہیں، زیارت گاہوں کی ٹین پوشی کرتے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ کب آپ مسجدوں میں امامت کرنا شروع کردیں''۔ بزاز صاحب نے چوٹ کی اور صادق صاحب

یہ سوچنے لگے کہ یہ شیخ محمد عبداللہ ہم سے کیا کیا کروا رہا ہے۔

....

وزیراعلیٰ کی طرف سے دیے گئے لنچ کے دوران شمیم احمد شمیم مہمان اخبار نویسوں کو کشمیر کی صحیح صورت حال کے متعلق معلومات فراہم کر رہے تھے کہ وزیراعلیٰ کے پرائیوٹ سیکریٹری سوم ناتھ زتشی آن ٹپکے، ایک مرحلے پر اُنہوں نے شمیم صاحب کی کسی بات کی تردید کرتے ہوئے زور سے کہا کہ یہ ''غلط'' ہے۔

''یہ وزیراعلیٰ کے پرائیوٹ سیکریٹری ہیں'' شمیم صاحب نے تعارف کروایا اور زتشی صاحب دم دبا کر بھاگ گئے۔

☆☆☆

....

وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے محکمۂ اطلاعات اور فیلڈ پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کو باضابطہ طور ریاستی کانگریس کی ایک شاخ کے طور پر کام کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ناظم اطلاعات جی، ڈی شرما سے کہا گیا ہے کہ وہ وزیر اطلاعات کی بجائے پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم کو اپنا وزیر تصور کریں۔غالباً اسی لیے ''سٹی کانگریس ورکرس کنونشن'' کی پبلسٹی کا سارا کام محکمۂ اطلاعات نے ہی انجام دیا اور محکمے کے فیلڈ پبلسٹی، فلم اور فوٹو یونٹ، نے دن رات ایک کر کے کنونشن کی کاروائی ریکارڈ کر لی۔ پارٹی پروگراموں کے لیے سرکاری مشینری کا یہ استعمال صادق صاحب کی ایمانداری، دیانتداری اور جمہورنوازی کی تازہ ترین مثالوں میں سے ہے۔

....

مولینٰا محمد فاروق نے سرکاری اخبار ''دی نیوز'' میں شائع شدہ اس خبر کی تردید کی ہے کہ نظر بندی کے دوران ریاستی سرکار نے ان کے ساتھ ''داماد'' کا سا سلوک کیا ہے۔ مولینٰا نے ایک بیان میں کہا ہے، کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ ریاستی سرکار اپنے دامادوں کے ساتھ اس درجہ وحشیانہ اور غیر مہذبانہ سلوک روا رکھتی ہے۔ اب معلوم نہیں کہ معاصر ''نیوز'' نے مولینٰا کو ریاستی سرکار کا داماد قرار دیا تھا یا ''خانہ داماد'' .... اگر معاصر کا مطلب خانہ داماد ہے تو پھر مولینٰا کو یقیناً کوئی شکایت نہ ہونا چاہیئے۔

....

کانگریس کے ایک بہت ہی معتمد ارو معتبر کارکن نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ۱۷ اگست کی شام کو ریاستی کابینہ کے وزیر، نیشنل کانفرنس کے کچھ لیڈروں کے ساتھ مرکزی چیف الیکشن کمشنر کی بارگاہ میں یہ درخواست لے کر پہنچے کہ بائیکاٹ کو ناکام بنانے کے لیے صفاکدل اور بڈگام میں دس دس ہزار جعلی ووٹ ڈالنے کی اجازت دی جائے۔ خوش قسمتی سے (بدقسمتی؟) مسٹر سین ورما نے یہ تجویز ماننے سے انکار کر دیا اور اس طرح بڈگام میں بائیکاٹ کو ناکام بنانے کے لیے ریاستی کانگریس کو تن تنہا ''جدوجہد'' کرنا پڑی۔

....

محاذ رائے شماری کے صدر مرزا محمد افضل بیگ مجاہد منزل میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کر رہے تھے کہ ایک نمائندے نے سوال کیا کہ آخر آپ انتخابات میں حصہ لے کر اپنی قوت اور مقبولیت کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتے؟

''اگر ہم موجودہ ماحول میں انتخابات لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں تو ہمیں اندیشہ ہے کہ شیخ صاحب کی بھی ضمانت ضبط ہو جائے گی'' بیگ صاحب نے انکشاف کیا۔

''اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی کیونکہ اس سے پہلے ہی ان کے کاغذاتِ نامزدگی سے حلف نامہ چرایا گیا ہوگا'' ایک اور نمائندے نے بیگ صاحب کے اندیشے کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں ٹھیکدار ثابت کر کے ان کے کاغذات نامزدگی رد کر دیے جائیں'' ایک اور نمائندے نے قیاس آرائی کی۔

''سب سے بہتر یہ ہوگا کہ ان کو سرکاری ملازم قرار دے کر ان سے سرکاری ملازم نہ ہونے کا سرٹیفکیٹ طلب کیا جائے''۔ شمیم احمد شمیم نے آسان تر نسخہ تجویز کیا۔

....

پردیش کانگریس سے تعلق رکھنے والے قریبی حلقوں کا کہنا ہے کہ ریاستی اسمبلی کے سپیکر میر غلام محمد راجپوری کے خلاف انتخابی عذر داری کا فیصلہ سننے کے بعد صدر کانگریس سید میر قاسم کے منہ سے بے اختیار ''الحمد اللہ'' کے الفاظ نکل گئے۔ ایک اطلاع کے مطابق کپواڑہ میں رات گئے تک اس ''کامیابی'' پر جشن منایا گیا اور اس میں وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے بھی شرکت کی۔ راجپوری صاحب پر یہ الزام تھا کہ وہ سپیکر کی حیثیت سے مخالف ممبروں کی طرف داری کرتے تھے۔

....

یہ بات اب قریب قریب طے ہے کہ وزیر خوراک درگا پرشاد در ریاستی

کابینہ سے خرابی صحت کی بناء پر مستعفی ہو رہے ہیں۔ خیال ہے کہ اسمبلی کے اجلاس کے فوراً بعد در صاحب اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونگے۔ در صاحب کا استعفیٰ حکمران جماعت کے اندرونی خلفشار کا نقطہ عروج ثابت ہوگا۔

☆☆☆

....

نئی دہلی کے موقر انگریزی روزنامہ ''سٹیٹسمن'' کے ایڈیٹر شری کلدیپ نائر نے اپنے ایک مضمون میں یہ انکشاف کیا ہے کہ ریاستی کانگریس کے لیڈر اب کھلم کھلا شیخ محمد عبداللہ کے خلاف تقریریں کر رہے ہیں اور حاضرین کی طرف سے کوئی احتجاج نہیں ہوتا۔ شری نائر کا کہنا ہے کہ اب ریڈیو کشمیر سے شیخ عبداللہ کے خلاف زوردار پروپاگنڈا بھی ہوتا ہے تو کوئی احتجاجی خط موصول نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سے قبل شیخ صاحب کے خلاف کوئی بات نشر ہوتی تھی تو سینکڑوں احتجاجی خطوط موصول ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شری کلدیپ نائر سرینگر میں اپنے قیام کے دوران پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم اور ریڈیو کشمیر سرینگر کے ڈائریکٹر مسٹر نندلال چاؤلہ کے علاوہ کسی سے نہیں ملے۔

....

پچھلے ہفتے کشمیر پریس کلب کی طرف سے دی گئی ایک استقبالیہ تقریب میں تقریر کرتے ہوئے وزیراعلیٰ غلام محمد صادق نے کہا ''یہ بات بھی ہماری نوٹس میں آئی ہے کہ کالج سٹاف کے ارکان اپنی ذمہ داریوں کو نہ تو ٹھیک طرح سے سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ یعنی وہ طلباء

کی دیکھ بھال کی طرف اتنا دھیان نہیں دیتے، جتنا کہ انہیں دینا چاہئیے۔ ان میں کچھ افراد ایسے بھی ہیں، جن کی سوچ غلط ہے"۔ اس کے بعد وزیر اعلیٰ نے کالج کے موجودہ پرنسپل شری مونس رضا جو انجینئرنگ کے بجائے جغرافیہ کے پروفیسر ہیں کو ایک اچھا ایڈمنسٹریٹر ہونے کی سند عطا ہو کرتے ہوئے کہا "پرنسپل کا کام ایڈمنسٹریشن چلانا ہے، اگر کوئی شخص اچھا انجینئر یا اچھا پروفیسر ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک ایڈمنسٹریٹر بھی ثابت ہو"۔

تو گویا صادق صاحب کے نزدیک اب انجینئرنگ کالج کے لیے پروفیسر ہونا بھی ضروری نہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پیر غلام حسن شاہ ڈپٹی انسپکٹر پولیس کو انجینئرنگ کالج کا پرنسپل کیوں نہیں بنایا جاتا!۔

....

۹ ستمبر ۱۹۶۷ء کو شری تیرتھ رام آملہ کے کے ہاں رات کو کھانے کی دعوت میں شری ڈی، پی، در، سید میر قاسم، شری ترلوچن دت اور گردھاری لعل ڈوگرہ موجود تھے۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب کشمیری پنڈت ایجی ٹیشن کے سلسلے میں شری در اور شری قاسم کے اندرونی اختلافات نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی اور شری تیرتھ رام آملہ نے صلح وصفائی کے لیے سب دوستوں کو اکٹھا کر لیا تھا۔ شری در نے آتے ہی میر قاسم کو للکارا کہ میں ہندوستان بھر میں تمہارا سیاسی کردار ختم کر کے رکھ دوں گا۔ میر قاسم نے جواب دیا تم کس کھیت کی مولی ہو، میں تمہیں اچھی طرح سے جانتا ہوں اور تمہاری ساری خباثت سے پردہ اُٹھاؤں گا، شری در نے الزام لگایا کہ تم پاکستانی ہو۔ قاسم صاحب نے جواب دیا کہ تم جن سنگھی ہو اور کشمیری پنڈت ایجی ٹیشن تم نے شروع کرا دی۔ شری تیرتھ رام اور ڈوگرہ صاحب کی مداخلت سے عارضی امن قائم ہو گیا

ورنہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی۔

یہ بیان ایک عینی شاہد کا ہے اور اگر قاسم صاحب یا ڈی پی صاحب اس کی تردید کرنا چاہیں تو تردید کے ساتھ ایک عدد بیان حلفی بھی شامل کریں کہ دُنیا ان کی کسی بات کا اعتبار نہیں کرتی۔

....

شیخ محمد عبداللہ نے ایک بار پھر ریاستی حکومت اور کانگریس کے ذمہ دار لیڈروں پر فرقہ وارانہ فسادات منظّم کرانے کا الزام عائد کیا ہے۔ عید میلاد النبیؐ کی تقریب پر گیارہ جون کو شاہی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے شیخ صاحب نے کہا: ''صادق صاحب کو ان واقعات کی تحقیقات کرنی چاہیئے یہ ریاست کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ غلام رسول کار جیسے ناخواندہ منسٹر یہاں کے لوگوں پر مسلط کیے گئے ہیں جہاں تک میر قاسم کا سوال ہے اس کی زندگی ہمارے سامنے ہے وہ ذاتی مفاد کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہے، اس کا کوئی اخلاق نہیں نہیں، وہ غلط بیانی سے ہندوستانی لیڈروں کو اپنے دام میں لاتا ہے ایسے لوگوں سے ہمیں ہر وقت چوکنا رہنا چاہیئے''۔

حیرت ہے کہ شیخ صاحب نے اصلی مجرم ڈی، پی، در کی شان میں کچھ نہیں کہا، حالانکہ بیچارے قاسم اور کار اِسی ہدایت کار کے اشاروں پر ناچنے والے کلاکار ہیں۔

....

خبر آئی ہے کہ ملک بھر کے تین گونگے اور بہرے نوجوان ریاستی سرکار کی دعوت پر کشمیر آ رہے ہیں۔ ان گونگوں اور بہروں کی قیادت ایک ممبر پارلیمنٹ کر رہے ہیں اور وہ ایک مہینے تک کشمیر کے مختلف مقامات کی سیر کریں گے۔

ہمیں یہ خبر سن کر کوئی تعجب نہیں ہوا ہے، کیونکہ صادق صاحب کی گونگی اور بہری سرکار سے ہمیں یہی توقع تھی کہ اس ریاست میں صرف انہیں لوگوں کو مدعو کیا جائے جو یا تو بہرے ہوں کہ کسی کی بات ہی نہ سن سکے یا گونگے ہوں کہ سن کر کسی کو سنا بھی نہ سکیں۔

....

یاری پورہ تحصیل کولگام میں سرکاری ملازموں کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے پردیش کانگریس کے صدر سید میر قاسم نے کہا: '' شیخ محمد عبداللہ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ ہم ہندوستان سے روپیہ حاصل کررہے ہیں۔ لیکن شیخ صاحب کو کون سمجھائے کہ ہندوستان ہمارا ملک ہے اس سے ہم اپنی ریاست کی تعمیر وترقی کے لیے اسی طرح روپیہ حاصل کرتے ہیں جس طرح ملک کی دیگر ریاستوں کی حکومتیں حاصل کرتی ہیں، ایسا کرنا ہمارا حق ہے اور اس حق کے استعمال سے ہمیں روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن شیخ صاحب کو کون سمجھائے کہ ہندوستان سے روپیہ وصول کرنا ہمارا پیدائشی حق ہے اور یہی روپیہ حاصل کرنے کے لیے ہم نے ہندوستان سے الحاق کیا ہے۔ ورنہ یہاں دھرا ہی کیا ہے اور جس تاریخ سے روپیہ بند ہو جائے گا الحاق بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس لیے اس حق کے استعمال سے ہمیں روک نہیں سکتا۔

☆☆☆

۱۹۶۹ء میں شمیم صاحب پاکستان کے دورے پر گئے تھے، پاکستان میں ''چالیس دن'' کے عنوان کے تحت اپنے لمبے سفر نامے کے علاوہ انھوں نے چھوٹی چھوٹی طنز و مزاح سے بھرپور مندرجہ ذیل تحریریں بھی قلمبند کیں۔

نمکدان

۱۶ر جنوری کو دن کے دو بجے لاہور پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پاس اپنے چچا مولوی عبدالرحیم کا جو ایڈرس ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ میں سکوٹر رِکشا پر بیٹھ کر پورے دو گھنٹے مکان کی تلاش کرتا رہا مگر بے سود، اس دوران میں چوبرجی پارک کے قریب سکوٹر رِکشا یک موٹر سائیکل سے ٹکرا گئی اور موٹر سائیکل نیچے گر گئی۔ بس پھر کیا تھا، موٹر سائیکل والے صاحب نے بڑی بے دردی سے رِکشا والے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا میں نے نیچے اُتر کر بیچ بچاؤ کرنا شروع کر دیا، لیکن وہ صاحب بے حد اکھڑ تھے۔ گالیاں بکتے رہے اور بے چارے ڈرائیور کو مارتے رہے۔ اس دوران میں وہاں پر اچھا خاصا مجمع ہو گیا اور میں نے مجمع سے بہ آوازِ بلند یوں خطاب کیا:

دیکھیے، میں سیدھا کشمیر سے آ رہا ہوں، اور یہاں اس مصیبت میں پھنس گیا ہوں، میرا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع موٹر سائیکل والے پر ٹوٹ پڑا اور وہ بے نقط سُنائیں کہ وہ موٹر سائیکل وہیں پر چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گیا۔ کشمیر کا جادو چل چکا تھا۔

ملک یا زندگی

معاہدہ تاشقند کے متعلق پاکستان میں بہت سے لطیفے بلکہ تاش قندے مشہور ہیں۔ ایک لطیفہ یہ مشہور ہے کہ تاشقند پہنچنے پر روسی وزیر اعظم کوسی گن نے صدر ایوب اور آنجہانی لال بہادر شاستری کو بُلا کر اُن سے کہا "بولو، تمہیں ملک چاہیئے یا زندگی، شاستری نے جواب دیا مجھے ملک دے دیجئے اور میری زندگی لے لیجیے، ایوب نے کہا، مجھے اپنی زندگی عزیز ہے، ملک نہیں چاہیئے۔

شاستری نے زندگی کی قربانی دے کر ملک کو بچا لیا اور ایوب نے زندگی لے کر ملک کو کھو دیا۔

رشوت

میں راولپنڈی سے اسلام آباد جا رہا تھا اور راستے میں، میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے صدر ایوب کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کیسا آدمی ہے

ڈرائیور نے صدر کے نام ایک موٹی سی گالی دیتے ہوئے کہا" آپ کو معلوم ہے کہ اس .... نے تاشقند میں لال بہادر شاستری کے ہاتھوں ۷۶ کروڑ روپیہ لے کر کشمیر کو بیچ دیا؟

پاکستان میں یہ خیال اتنا عام ہے کہ میرے قیام پاکستان کے دوران سینکڑوں آدمیوں نے مجھ سے یہی بات کہی۔

فیصلہ ہو گیا

کشمیر کے متعلق پاکستان میں کئی دلچسپ مذاق سننے میں آئے۔ جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اہل پاکستان اپنے اوپر ہنسنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک محفل میں ایک صاحب نے بڑی سنجیدگی سے یہ خبر سنائی کہ کشمیر کا فیصلہ ہو

گیا اور اب پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

محفل میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں نے بڑی دلچسپی سے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے؟ ''فیصلہ یہ ہوا ہے کہ کشمیری ہمارے اور کشمیر ہندوستان کا'' خبر سنانے والے صاحب نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا اور پوری محفل میں قہقہوں کی آواز گونجنے لگی۔

مسئلہ کشمیر

ایک صاحب نے ایک اور لطیفہ سنایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک شادی میں بھانڈ ڈرامہ کر رہے تھے، کشمیر کا موضوع بھی پیش ہوا۔ ایک بوڑھے بھانڈ نے ہندوستان، پاکستان دونوں کو سامنے بلوا کر کہا، کہ جو فیصلہ میں دوں، وہ تمہیں منظور ہے؟

ہندوستان، پاکستان نے کہا منظور ہے؟

''میں نے مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کر لیا ہے، دونوں کو ماننا پڑے گا، بھانڈ نے کہا'' تسلیم ہے حضور'' پاکستان نے منظوری دینے میں پہل کی۔

''مسئلہ پاکستان کے پاس رہے گا اور کشمیر ہندوستان کے پاس'' بھانڈ نے فیصلہ دیا۔

دیکھ لیا

مرحوم میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ عفی عنہ کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ وہ بے حد ظریف، شگفتہ مزاج اور بذلہ سنج ہونے کے علاوہ انتہائی سیدھے آدمی تھے۔ بڑے نرم لہجے اور دھیمی آواز میں ایسی بات کہہ جاتے کہ سننے والا سٹپٹا کر رہ جاتا، کہتے ہیں ایک دفعہ وزارت امور کشمیر کے ایک سیکریٹری نے

اُن سے پوچھا کہ:

"مولانا اگر ریاست میں رائے شماری ہو تو ریاست کے لوگ کس کے حق میں ووٹ دیں گے؟

"وہاں کے لوگ تو آپ کو ووٹ دیں گے اور یہاں کے لوگ اُن کو ووٹ دینگے"۔ میر واعظ صاحب نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مولانا، یہ کیسے ہو سکتا ہے" سیکریٹری کو قدرے حیرت ہوئی۔

"ہم نے آپ کو دیکھ لیا اور اُن لوگوں نے اُن کو دیکھ لیا" میر واعظ مرحوم نے وضاحت کی"۔

اصلی صدر کون؟

آزاد کشمیر کے موجودہ صدر عبدالحمید خان بڑے ہی سیدھے اور شریف آدمی ہیں، آزاد کشمیر ایکٹ ۶۸ عیسوی کے رُو سے اُن کی حیثیت برائے نام صدر کی ہے۔ اصل حکومت اسلام آباد میں وزارت امور کشمیر کے سیکریٹری مسٹر اے، بی اخوان کے ہاتھ میں ہے، جن دنوں میں مظفر آباد میں تھا، انہی دنوں ایک صدراتی لطیفہ سننے میں آیا۔

معلوم ہوا کہ صدر موصوف راولپنڈی گئے تھے اور واپسی پر انہوں نے اپنا ٹی، اے، بل اکوٹنٹ جنرل کو بھیج دیا۔ اکوٹنٹ جنرل کے دفتر میں ایک کلرک نے اعتراض کیا کہ بل میں سفر کا مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے بل واپس کیا جاتا ہے۔ صدر کو غصہ آیا، اُنھوں نے کلرک کو معطل کیے جانے کے احکام صادر کر دیے۔ دوسرے دن منسٹری نے کلرک کو بحال کر دیا کہ صدر کو کلرک معطل کرنے کا اختیار نہیں۔

صدر ایوب زندہ باد

حبیب جالبؔ آج کل پاکستان کے سب سے محبوب اور مقبول شاعر ہیں اُنھوں نے صدر ایوب کے خلاف کچھ بڑی زوردار نظمیں لکھی ہیں اور ہر پبلک جلسے کا آغاز اُن کی نظم سے ہوتا ہے، لاہور کے ایک جلسے میں اُنھوں نے جب اپنی نظم کے یہ اشعار پڑھے تو دادِ تحسین کے نعرے بلند ہوئے

بیس گھرانے ہیں آباد اور ہزاروں ہیں نا شاد
صدر ایوب زندہ باد !

مسدس کی طرز پر ان کی ایک نظم کے کچھ شعر آپ بھی سُن لیجیے

وہ صدروں میں غاصب لقب پانے والا
وہ اپنے پرائے کا زر کھانے والا
بھتیجوں اور بھانجوں کے کام آنے والا
وہ اپنے ہی بیٹوں کا غم کھانے والا
مُرادیں وہ چمچوں کے بھر لانے والا
نہ شرمانے والا نہ گھبرانے والا
ہزاروں سے نکلا سوئے قوم آیا
اور ایک نسخۂ بی، ڈی [1] ساتھ لایا

[1]: بی، ڈی، بیسک ڈیموکریسی

....

خواجہ غلام نبی وانی سوگامی نے ایک پریس کانفرنس کے سامنے یہ انکشاف کیا کہ پردیش کانگریس کمیٹی کا وجود غیر آئینی ہے۔ہم سوگامی صاحب سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کانگریس نام سے وابستہ کون سی چیز آئینی ہے جو انہیں پردیش کانگریس کمیٹی کا وجود غیر آئینی نظر آیا۔

....

پردیش کانگریس کے مستعفی شدہ صدر سید میر قاسم نے کہا ہے کہ وہ کانگریس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش کو خاموش تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ اُنہوں نے ریاست میں کانگریس کی تنظیم کو اپنے خون سے سینچا ہے۔ قاسم صاحب بمہربانی یہ بتائیں کہ انہیں کس حکیم نے مستعفی ہونے کو کہا تھا، اور اگر اب وہ اپنا تھوکا چاٹنے کے لیے بیقرار ہیں، تو اس کے لیے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ استعفیٰ واپس لینا چاہتا ہوں۔ اب رہی کانگریس کو خون سے سینچنے کی بات، ہر مہینے تنظیم پر ۷۵ ہزار روپے کی رقم سے آپ جو خون خریدا کرتے تھے، پیر غیاث الدین صاحب اور سوگامی صاحب اُسی خون کا حساب مانگتے ہیں۔

....

مرکزی نائب وزیر محمد شفیع قریشی نے کہا ہے کہ ”ساتھ سال پہلے جب میں نے اس ریاست میں کانگریس کی شاخ کھولی تھی، تو غیاث الدین اور نور محمد نے میری عدم موجودگی میں اس کے دفتر کو مقفل کر دیا تھا۔“

....

....

ایک اطلاع کے مطابق سید میر قاسم کے ساتھ مکھن لال فوطیدار، پیر حسام الدین، عبدالعزیز زرگر، محمد اشرف، منوہر ناتھ کول، عبدالغنی لون اور غلام رسول کار کے علاوہ کوئی ممبر اسمبلی نہیں ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ غلام رسول کار کے بغیر یہ سبھی ممبرانِ اسمبلی سید میر قاسم سمیت پچھلے عام انتخابات میں بلا مقابلہ کامیاب قرار دیے گئے تھے۔ غالباً یہ سبھی ممبر اپنے محسن کا احسان ابھی تک نہیں بھولے ہیں۔ اب رہی بات غلام رسول کار کی، ان کا انتخاب ابھی تک جائز اور ناجائز کی کھونٹی پر لٹک رہا ہے۔

....

سید میر قاسم نے جموں میں کارکنوں کی ایک منتخب ٹولی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "میں بخشی کی طرح ڈرامے کرنے کا قائل نہیں ہوں میں نے استعفیٰ دیا ہے اور میں اس پر قائم ہوں"۔ سری نگر پہنچتے ہی قاسم صاحب نے ڈراما شروع کر دیا لوگ "استعفیٰ واپس لے لو" کے نعرے بلند کرتے ہوئے ان کی قیام گاہ پر گئے اور قاسم صاحب نے انہیں اطمینان دلایا کہ وہ استعفیٰ واپس لینے پر راضی ہو گئے ہیں۔ ہماری اطلاع ہے کہ "لوگوں" کو نعرے دلوانے کی اُجرت کے طور پر تین ہزار روپے کی رقم ابھی تک کار صاحب کے نام بقایا ہے۔

....

وزیر اعلیٰ کی سفارش پر گورنر نے چیف پارلیمانی سیکریٹری عبدالعزیز زرگر کو اپنے عہدے سے برخواست کر دیا ہے۔ یعنی صادق صاحب کو پورے دو

سال بعد یہ پتہ چل گیا کہ زرگر صاحب انگریزی میں اپنے دستخط کرنے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ عوامی حلقوں میں یہ مطالبہ زور پکڑتا جا رہا ہے کہ زرگر صاحب سے پچھلے دو سال کی تنخواہ واپس لی جائے۔ حالانکہ ہم اس سے متفق نہیں ہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ پچھلے چند سال کے دوران زرگر صاحب نے جو تین مکانات بنائے ہیں، ان میں سے ایک میں فیملی پلاننگ سنٹر کھولا جائے۔

....

غلام نبی وانی سوگامی نے پچھلے دنوں ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا کہ کانگریس کے کل بنیادی ممبروں کی تعداد دو لاکھ سے زائد نہیں۔ سوگامی صاحب اب اتنے انکشافات کر رہے ہیں کہ انہیں علامہ کشفی کا خطاب دیا جانا چاہیے ہم فی الحال ان سے یہ گذارش کریں گے کہ وہ پھر حساب لگا کر کل تعداد کا پتہ لگائیں گے تو بنیادی ممبروں کی تعداد دو سو سے زائد نہ نکلے گی، قاسم صاحب تو اس ڈسٹرکٹ سے تعلق رکھتے ہیں جہاں عمرین ٹرار رہا کرتے تھے، ان کے لیے چھ سو کا چھ لاکھ بنانا بڑی معمولی سی بات ہے۔

....

مرکز کے نائب وزیر شری محمد شفیع قریشی نے کہا ہے کہ دو سرکاری ملازموں نور دین قریشی اور جانکی ناتھ رتشی نے سری نگر میں کانگریس کے دفتر کو مقفل کر دیا ہے۔ قریشی صاحب یہ بھول گئے ہیں کہ اننت ناگ کے پارلیمانی حلقۂ انتخاب میں سے ان کو بلا مقابلہ کامیاب کروانے والے بھی کچھ سرکاری ملازم ہی تھے، اس لیے سرکاری ملازموں سے یوں ناراض ہونا اچھا نہیں اور پھر جس تنظیم کے دفتر کو دو سرکاری ملازم مقفل کر سکتے ہیں اس تنظیم کا بند ہو جانا ہی بہتر ہے۔

وزیر صنعت پیر غیاث الدین نے کہا ہے کہ موجودہ پردیش کانگریس کمیٹی ایک حرامی بچہ ہے، اور پیر صاحب اور ان کے دوسرے ساتھی اس حرامی بچے کی اولاد ہیں، لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پیر صاحب گنڈے تعویز سے حرامی بچے کی اولاد کو تخمِ حلال ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

☆☆☆

یک نہ شد، دو شد

اکبر لداخی لداخ کے ایک ذہین اور باشعور نوجوان ہیں اور وہ ۱۹۵۰ء سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں اکبر نے ڈیموکریٹیک نیشنل کانفرنس کا ساتھ دے کر بخشی غلام محمد کا عتاب خرید لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی کوشک بکولا کی دشمنی بھی۔ صادق صاحب کی دوستی اور بخشی صاحب کی دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکبر کو سیاست چھوڑ کر ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کے بعد اکبر کو اب محکمۂ فیملی پلاننگ میں لوپ گننے کا افسر مقرر کر دیا گیا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس محکمے کے ڈپٹی منسٹر لداخ کے کاچو علی محمد ہیں، کہ جو آج سے صرف دو سال قبل لداخ میں نائب تحصیلدار تھے اسے کہتے ہیں یک نہ شُد دو شُد۔

....

فلم مہجور کے پریمیر میں پلاننگ کمشنر کے۔ ایل سہگل کی ''تشریف آوری'' اور سینہ زوری کا قصہ تو آپ سُن چکے ہیں کہ کس طرح وہ تمام ضابطوں کو توڑ کر چیف منسٹر کے سیکورٹی سٹاف کے لیے مخصوص نشستوں پر براجماں ہو گئے۔ ۱۸ اگست کو قلعہ ہاری پربت پر پانو سانیک ڈرامہ کے افتتاح کے دن بھی سہگل صاحب نے تقریباً یہی حرکت کی، سہگل صاحب پروگرام شروع ہونے کے کچھ آدھ گھنٹہ بعد اپنے خاندان سمیت تشریف لائے اور اس وقت ساری

نشستیں پُر ہو چکی تھیں۔ سہگل صاحب نے دائیں بائیں نظر دوڑائی تو ان کی نگاہ چیف منسٹر کے سیکورٹی سٹاف پر پڑی، لیکن اب کی بار انہیں ہمت نہ ہوئی کہ ان کی طرف دوبارہ آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں، اسے کہتے ہیں یک شُد مگر دو نہ شُد۔

....

عبدالرشید میر، میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے کافی بدنام ہو چکے ہیں ان کا جرم یہ ہے کہ وہ اس بددیانت معاشرے میں دیانت داری اور فرض شناسی کا پرچم بلند رکھنا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جن دنوں وہ میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر تھے، سارا شہر ان کے خون کا پیاسا نظر آرہا تھا، ایڈمنسٹریشن اور سماج کو عبدالرشید میر سے محفوظ رکھنے کے لیے میر صاحب کو چیف انجینئر اری گیشن کا پرسنل اسسٹنٹ مقرر کر کے دفتر کی چار دیواری میں نظر بند کر دیا گیا ہے تا کہ دیانت دار، اصول پرست اور فرض شناس افسروں کو عبرت ہو اور وہ اپنی ''حماقتوں'' سے باز آئیں۔ یک نہ شُد دو شُد!

....

ریجنل انجینئرنگ کالج کے پرنسپل مسٹر دیو کی تقرری کے خلاف طالب علموں کو یہ اعتراض تھا کہ وہ انجینئرنگ گریجویٹ نہیں ہیں اور اس لیے کالج کے پرنسپل ہونے کی بنیادی اہلیت سے محروم ہیں۔ ریاستی حکومت نے طلباء کے احتجاج اور اعتراض کا جواب یوں دیا ہے کہ کالج کے تین تجربہ کار پروفیسروں کو برطرف کر کے پرنسپل کو یہ حق دیا ہے کہ موجودہ سٹاف میں وہ جس کو چاہیں برطرف کر سکتے ہیں، اندازہ یہ ہے کہ مسٹر دیو کالج کے ہر اُس استاد کو بر طرف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ جو تعلیمی اہلیت اور تجربے میں ان سے بہتر ہو۔ اس طرح ان کے پرنسپل رہنے کا قانونی اور اخلاقی جواز نکل آئے گا۔

....

محاذ رائے شماری کے سیکریٹری مسٹر غلام محمد شاہ بچھ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ فی الحال شادی کی تقاریب پر صاحبِ دختر اور صاحبِ پسر بیس بیس کلو گوشت پکانے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ جہاں تک جہیز اور دیگر باتوں کا تعلق ہے اس کے متعلق شاہ صاحب نے اعلان فرمایا ہے کہ محاذ کی طرف سے جلد ہی قوم کے سامنے لائحہ عمل پیش ہوگا۔ شاہ صاحب کے اس اعلان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محاذی کارکن اب رائے شماری کا مطالبہ کرنے کی بجائے صبح شام ترازو لے کر صاحب دختر اور صاحب پسر کے گھر پر گوشت تولا کریں گے کہ کہیں کوئی صاحب بیس کلو کی بجائے اکیس کلو گوشت پکا کر محاذ کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرے۔ حقِ خودداریت کے علمبرداروں کے لیے شغل اچھا رہے گا! اور پھر ایک ہفتہ بعد آل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری'' آل جموں و کشمیر میرج بیورو'' کہلائے گا۔

....

شہر کے آشپازوں نے ریلجس میرج کمیٹی کے پروگرام کے خلاف احتجاج کے طور پر ۱۹ اگست سے عام ہڑتال کا اعلان کیا ہے۔ آشپازوں نے شکایت کی ہے کہ کمیٹی کے کارکن ان گھروں کا گھیراؤ کرتے ہیں کہ جہاں ''وازہ وان'' تیار کیا جاتا ہے اور اس طرح ان کے پیشے کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ریلجس میرج کمیٹی نے آشپازوں کے اس ''تعاون'' کے لیے اُن کا شکریہ ادا کیا ہے اور اپنے ایک بیان میں انہیں اس جرأت مندانہ قدم پر مبارکبادی دی ہے۔ یک نہ شُد، دو شُد۔

....

دنیا کے نقشے پر ریاست جموں وکشمیر ہی ایک ایسی ریاست ہے کہ جہاں جغرافیہ کا پروفیسر بھی انجینئرنگ کالج کا پرنسپل بن سکتا ہے اور پورے تین سال اس منصب پر قائم رہ سکتا ہے۔ پروفیسر مونس رضا میرے بہت اچھے دوست تھے۔ ان کی بے پناہ ذہانت، علمیت اور بہت سی صلاحیتوں پر شک کرنا کفر ہوگا لیکن تھے وہ جغرافیہ کے استاد اور جب انہیں انجینئرنگ کالج کا پرنسپل بنا دیا گیا، تو میری ہی طرح خود انہیں بھی اس انتخاب پر حیرت ہوئی ہوگی۔ پورے تین سال تک میں نے اسمبلی اور اخبارات میں اس غلط اور ناجائز انتخاب پر سخت احتجاج ظاہر کیا، لیکن میری آواز صدا بصحرا ثابت ہوگئی اور جب تک مونس رضا صاحب نے خود اس عہدے کو نہیں چھوڑا، صادق صاحب کو کالج کے لیے ایک موزوں پرنسپل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور اب پورے تین ماہ کی تلاش، تحقیق اور محنت کے بعد سرینگر کے ریجنل انجینئرنگ کالج کے لیے ایک عدد "پرنسپل" دریافت کرلیا گیا ہے اور یہ ہیں چندی گڑھ انجینئرنگ کالج میں فزیکس کے پروفیسر مسٹر دیو! یک نہ شد دوشُد۔

کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک کی خاک چھاننے کے بعد بھی سرینگر کے انجینئرنگ کالج کے لیے کوئی ایسا پرنسپل نہ ملا، کہ جو کبھی انجینئر رہا ہو یا جس نے کبھی انجینئرنگ کا امتحان پاس کیا ہو۔ مسٹر دیو فزیکس کے پروفیسر ہیں اور سنا ہے کہ بڑے اچھے پروفیسر ہیں، لیکن انجینئرنگ کالج کا پرنسپل تو یونیورسٹی میں انجینئرنگ کے شعبے کا Dean ہوتا ہے اور ایک فزیکس کا پروفیسر، جس نے ساری زندگی کبھی انجینئرنگ کا ایک امتحان بھی پاس نہ کیا ہو۔ اس شعبے کا Dean کیسے رہ سکتا ہے؟ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ کمیسٹری کے کسی اچھے پروفیسر کو میڈیکل کالج کا پرنسپل بنا دیا جائے لیکن اپنے ہاں ایسا بھی ہو، تو تعجب

کی کوئی بات نہیں۔ جہاں جغرافیہ کا پروفیسر انجینئرنگ کالج کا پرنسپل ہو، وہاں اب فزیکس کا استاد اس کی جگہ لے لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مسٹر دیو کو اس سے قبل چندی گڑھ انجینئرنگ کالج کا پرنسپل بنا دیا گیا تھا، لیکن وہاں ان کے خلاف پنجاب ہائی کورٹ میں رِٹ داخل کر دی گئی کہ وہ فزیکس کے اچھے استاد ہونے کے باوجود انجینئرنگ کالج کے پرنسپل نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ اس کے لیے بنیادی طور پر انجینئرنگ گریجویٹ ہونا ضروری ہے۔ پنجاب ہائی کورٹ کے جج صاحبان کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات آگئی اور انہوں نے مسٹر دیو کا تقرر ناجائز قرار دیا۔ اس کے بعد مرکزی حکومت کی طرف سے قائم کردہ سلیکشن کمیٹی نے بھی مسٹر دیو کو کسی ٹیکنیکل عہدے کے لیے ناموزوں قرار دے کر ان کے کالج کے ایک اور استاد کو پرنسپل کے لیے منتخب کر دیا۔ اب مسٹر دیو ریجنل انجینئرنگ کالج کے پرنسپل ہوتے ہیں تو اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ایسے مال کی کھپت صرف کشمیر میں ہی ممکن ہوسکتی تھی۔ آئی ٹی آئی کے مسٹر ڈوگرہ چندی گڑھ انجینئرنگ کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ وہ اب کی بار سلیکشن کمیٹی میں ٹکنیکل ماہر کی حیثیت سے موجود تھے۔ مسٹر دیو ان کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ اس لیے مسٹر ڈوگرہ نے بہت سے قابل اور اعلیٰ سند یافتہ انجینئروں کو رد کر کے مسٹر دیو کو اس منصبِ جلیل کے لیے منتخب کر دیا اور ان کے لیے اٹھارہ سو کی بجائے دو ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ کی سفارش کر دی! حالانکہ اس عہدے کے لیے اخبارات میں جو اشتہار دیا گیا تھا، اس کی رُو سے امیدوار کا انجینئرنگ گریجویٹ ہونا ضروری تھا۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ تنخواہ اٹھارہ سو روپے ماہوار مقرر تھی، لیکن چونکہ مسٹر دیو انجینئرنگ گریجویٹ ہونے کی بجائے فزیکس میں پی، ایچ، ڈی ہیں۔ اس

لیے انہیں کچھ ''زیادہ'' ہی تنخواہ دی گئی ہے جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز
کرے! سرینگر کے یونانی کالج میں داخلہ بند کئے جانے پر ممبرانِ اسمبلی کی
نکتہ چینی کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے کہا تھا کہ
ہمیں اس کالج کے لیے پرنسپل اور پڑھانے والا عملہ دستیاب نہیں ہو سکا''۔
اب جب کہ انہوں نے انجینئرنگ کالج کے لیے ایک فزیکس کے پروفیسر کو
منتخب کر دیا ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ یونانی کالج کے لیے کہیں سے ایک فارسی کا
پروفیسر ڈھونڈ کر لایا جائے؟

پرچۂ امتحان ششماہی

وقت: لامحدود　　　　کل نمبرات ۴۲۰

ذیل کے سوالات میں سے چھ کا جواب دینا از حد ضروری ہے۔ تمام سوالات کے نمبر برابر ہیں۔ جوابات دینے سے قبل بزرگوں سے مشورہ کرنے کی آزادی ہے۔ نقل کرنے والے کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی، غیر سنجیدہ جوابات کا کوئی نوٹس نہیں لیا جائے گا، پرچہ حل کرنے سے پہلے خدا کا نام لینا ضروری ہے۔

سوال نمبر ''سفید چہروں'' اور'' کالے چہروں'' میں کیا فرق ہے؟ ایک

۱. سفید چہرے کو کالا ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے اور اس پر ٹیکس دہندگان کا کتنا پیسہ صرف ہوتا ہے؟

۲. جموں و کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر مسٹر ایڈ وانی کی تاریخ پیدائش بتایئے؟ ۱۹۱۲ء میں ایس، پی، کالج میں جو ایڈ وانی لیکچرر تھے، ان کا ان سے کیا رشتہ ہے؟

۳. ریاست جموں وکشمیر میں سرکاری ملازمین کو کس عمر میں ریٹائر کیا جاتا ہے؟

۴. معاہدہ تاشقند کی رُو سے کس ملک کو فتح نصیب ہوئی ہے؟ ہندوستان، پاکستان یا روس؟ ہند پاک جنگ میں کون جیتا اور کون ہارا؟

۵. ''اصلی مجرم کون ہے'' اس کا نام، پتہ اور ٹیلی فون نمبر لکھو۔

۶. سابق وزیر اعظم خواجہ شمس الدین پر ایک مضمون لکھو، جس میں یہ بتاؤ کہ وہ ان دنوں کس قسم کے خواب دیکھتے ہیں؟

۷. ''بور'' کی تعریف کرو، اور یہ بتاؤ کہ کشمیر کا سب سے بڑا ''بور'' کون ہے، بور سے چھٹکارا پانے کا آسان نسخہ بیان کرو؟

۸. بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے میں ہمارے صدر ہسپتال کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

ہسپتال کو مکمل ذبح خانہ بنانے کے لیے مزید کتنے ڈاکٹروں کی ضرورت ہوگی؟

۹. سرکاری ملازموں کی تنخواہوں میں بیس روپے کے اضافے کے بعد سے سبزی، دودھ، گوشت اور مچھلی کی قیمتوں میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟

۱۰. مسٹر این، ایم سٹیورٹ کون ہیں؟ انہیں اس کے کس جرم کی پاداش میں سرکار کی طرف سے ۱۵۰۰ روپے مشاہرہ دیا جا رہا ہے۔ ان کی تعلیمی قابلیت اور فنی مہارت کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟

نوٹ: خوشخطی کے لیے کوئی نمبر نہیں دیے جائیں گے۔ سب سوالوں کے صحیح جوابات دینے والے کو حوالۂ پولیس کر دیا جائے گا۔

☆☆☆

پرچۂ امتحان سالانہ

وقت، ماہ دسمبر، نمبرات ۴۲۰

جو لوگ نقل کرنے کے خواہش مند ہوں، انہیں، ماسٹر جی کے نام فیس نقل (مبلغ پانچ روپے صرف) بھیج کر باقاعدہ اجازت حاصل کرنا ہوگی۔ ایمانداری سے جواب دینا ضروری نہیں، تمام سوالات کا معقول جواب دینے والے کا نام ''آئینہ'' کے الیکشن نمبر میں شائع ہوگا۔ جوابات کی جانچ پڑتال کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جائے گی جس میں مدیر ''آئینہ'' کا نائی، دھوبی، اور ان کا خانساماں ہوگا۔ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوسکتی.........ادارہ

۱. نیشنل کانگریس اور نیشنل کانفرنس میں کیا فرق ہے؟ یہ فرق کب سے نمودار ہوا اور کیوں ہوا؟

۲. آئندہ عام انتخابات میں عوام کو دھوکہ دینے میں کونسی سیاسی جماعت زیادہ کامیاب رہے گی؟ لوگوں کو بے وقوف بنانے میں سب سے زیادہ مہارت کس لیڈر کو حاصل ہے۔
(اشارے، شیر کشمیر، خالد کشمیر، غلام محمد صادق، ٹیکہ لال ٹپلو)

۳. کانگریس منڈیٹ کا اعلان ہونے کے بعد مایوس امیدواروں کی بھاری تعداد کس جماعت میں شامل ہوگی؟ ان میں سے کتنے امیدوار کانگریس امیدواروں کے مقابلہ میں آزاد امیدواروں کی حیثیت سے انتخاب لڑیں گے؟

۴. عوام کا حافظ کمزور کیوں ہوتا ہے؟ اسے قوی بنانے کے لیے کوئی دوائی ایجاد ہوئی ہے یا نہیں؟

۵. موجودہ سیکرٹری جنرل ڈیپارٹمنٹ شیخ غلام احمد عرف عمہ صاحب ثانی کی سوانح حیات پر ایک مختصر سا نوٹ لکھیے ؟ ان کے آئی، اے، ایس ہونے میں بخشی صاحب کے دادا میر نصر اللہ کا کتنا حصہ ہے؟
(اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے میر نصر اللہ، ۲ مہادیو روڈ نئی دہلی سے خط و کتابت کیجیے)۔

٦. شوپیان کے حلقۂ انتخاب سے آزاد امیدوار شمیم احمد شمیم کی کامیابی کے امکانات پر ایک مضمون لکھیئے جس میں ان کے مخالف امیدواروں کا کچا چٹھا پیش کیجیے، لگے ہاتھوں یہ بھی بتایئے کہ اس حلقۂ انتخاب سے کانگریس کس اُمیدوار کو نامزد کرے گی۔
(اشارے: غلام محی الدین داند، شیخ غلام رسول، غلام نبی میر، ریشی دیو اور غلام حسن خان۔

۷. کیا یہ صحیح ہے کہ سوپور میں جس جگہ پر صمد ملز تعمیر ہے وہ دراصل مسجد شریف کی زمین ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ بتایئے کہ اس مسجد کو ہٹانے کے لیے کن کن مولویوں سے فتویٰ حاصل کیا گیا ؟
(سوال کا جواب دینے کے لیے آپ اہل سوپور سے پوچھ گچھ کر سکتے ہیں، لیکن عبدالرزاق پنڈت کی کسی بات کا یقین نہ کیجیے کہ وہ خدا اور رسول کی جھوٹی قسمیں کھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے)

۸. خواجہ غلام محمد صادق اور ان کے ساتھیوں کے خلاف چودہ نیشنل کانفرنسی ممبروں کے میمورنڈم میں کس کس سرکاری افسر نے حصہ لیا ہے؟ ان کے نام اور ان کی جائیدادوں کی فہرستیں بھی مرتب کیجیے۔

اس میمورنڈم میں شامل کتنے الزامات صحیح ہیں اور کتنے غلط؟ ابھی تک فیلڈ سروے آرگنائزیشن کی طرف سے اس کا جواب شائع کیوں نہیں ہوا ہے؟

۹. ریاستی پولیس میں ہر سپاہی پر کتنے ڈی، ایس، پی اور ہر بس پر کتنے اے، ٹی، آئی سوار ہیں، سرینگر شوپیان روٹ پر متعین اے، ٹی، آئی کی روزانہ آمدن کا اندازہ لگایئے۔

(اس سوال کا جواب دینے کے لیے ۱۰ کا پہاڑہ اچھی طرح یاد ہونا چاہئے)

۱۰. غلام قادر خان، غلام قادر گاندربلی اور غلام قادر مصالحہ کا موجودہ جغرافیہ بیان کرو۔ یہ تینوں رستم، آج کل کیا کر رہے ہیں؟ غلام قادر خان اکثر شیر کشمیر پارک (نیا کشمیر پارک؟) میں دیکھا جاتا ہے، کیوں؟ مفصل لکھو!

پیشین گوئیاں

سال ۱۹۶۷ء اپنی ہلاکت خیزی ، انقلاب آفرینی ، ہنگامہ آرائی اور کمر توڑ مہنگائی ہماری تاریخ کے ایک نا قابلِ فراموش باب کی حیثیت سے بہت دنوں تک یاد رکھا جائے گا ۔ اِس سال کے دوران بہت سے شیرازے بکھر گئے اور کئی شہرتیں اُجڑ گئیں ۔ تاریخ بنی اور بگڑی ، زلزلے آئے اور دھماکے ہوئے ، سینکڑوں مر گئے اور لاکھوں نے جنم لیا ، اختلافات بڑھے اور فسادات ہوئے ، غرض زمانہ آگے بڑھتا گیا اور ہم پیچھے ہٹتے گئے .... ۱۹۶۸ء بھی ایک بند لفافہ ہے اور معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے لیکن علم نجوم کی مدد سے بند لفافے کی تحریر پڑھی جا سکتی ہے اور ہمارے نجومی نے شخصیات اور حادثات کی روشنی میں اس تحریر کو پڑھنے کی کوشش کی ہے ، اس کوشش کا خلاصہ قارئین " آئینہ " کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے ۔

....

شیخ محمد عبداللہ کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے گا اور وادی میں ان کا شاندار استقبال کیا جائے گا۔ پورے تین ماہ تک وہ لاتعداد تقریریں کریں گے اور ٹورسٹ سیزن شروع ہونے سے پہلے یعنی مارچ کے آخری ہفتے میں انہیں

پھر گرفتار کیا جائے گا۔اس کے بعد مظاہرے ہوں گے، لاٹھی چارج ہوگا اور گولیاں چلیں گی۔

....

خواجہ غلام محمد صادق کے خلاف ایک زبردست سازش منظّم کی جائے گی جس کا مقصد انہیں وزارتِ اعلیٰ سے سبکدوش کر کے کسی ''شمس الدین'' کو وزیر اعلیٰ بنانا ہوگا۔اس سازش میں صادق صاحب کے کچھ بہترین ساتھی اور دوست بھی شریک ہونگے ۔ یہ سازش ناکام ہوگی ،لیکن سال کے آخر میں صادق صاحب خود مستعفی ہوکر ساتھیوں کو طالع آزمائی کا موقعہ دیں گے۔

....

بخشی غلام محمد شیخ صاحب کے قریب آنے کی کوشش کریں گے، میرزا محمد افضل بیگ ان کوششوں کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے۔لیکن بخشی صاحب بہت حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہیں گے۔اس بات کا زبردست امکان ہے کہ بخشی صاحب حق خود ارادیت کے مطالبے کی حمایت کرینگے، اور ان کی جماعت نیشنل کانفرنس کو علیٰحدگی کا پرچار کرنے والی جماعت قرار دے کر خلافِ قانون قرار دیا جائے گا۔بخشی صاحب کے خلاف دائر کردہ مقدمات کا فیصلہ ۱۹۶۹ء پر ملتوی رہے گا۔

....

میرزا محمد افضل بیگ کی لیڈر شپ کو زبردست خطرہ لاحق ہونے کا امکان ہے۔محاذ رائے شماری دو حصّوں میں بٹ جائے گی اور بیگ صاحب کچھ دنوں کے لیے ناراض ہوکر اننت ناگ چلے جائیں گے،طریق کار کے متعلق شیخ صاحب اور بیگ صاحب میں اختلافات پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے،سال

کے آخر تک محاذ رائے شماری کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ایک نئی جماعت قائم کی جائے گی۔ بحیثیت مجموعی بیگ صاحب کی صحت خراب رہے گی۔

....

مولانا مولوی محمد فاروق اور شیخ صاحب کے عقیدت مند شروع میں ایک دوسرے پر جان دیں گے، لیکن کچھ عرصہ بعد ایک دوسرے کی جان لینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ فاروق صاحب کو نہیں لیکن ان کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کیا جائے گا۔ وہ مرکزی لیڈروں سے بات چیت کرنے کے لیے دہلی کا سفر کریں گے۔ عوامی ایکشن کمیٹی کی طرف سے مولانا فاروق کو پاکستان جانے کی اجازت کا مطالبہ کیا جائے گا۔

....

سید میر قاسم کے لیے یہ سال بہت ہی پریشانیاں ساتھ لا رہا ہے۔ ان کی جماعت کے خلاف اکثر انتخابی عذرداریوں کا فیصلہ ہو جائے گا اور ضمنی انتخابات میں ان کے اکثر چہیتے ہار جائیں گے۔ قاسم صاحب بخشی صاحب کے خلاف اپنی مہم تیز سے تیز تر کریں گے۔ شیخ صاحب کے متعلق انہیں کوئی اندیشہ پریشان نہیں کرے گا۔ ریاستی کانگریس میں شدید اختلافات پیدا ہونگے اور قاسم صاحب کو اپنی صدارت بچانے کے لیے اپنے بدترین دشمنوں سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔

....

شری ڈی، پی، در کی سیاسی موت کا باقاعدہ اعلان ہوگا اور ان کو ریاست بدر کرنے کا پُرزور مطالبہ کیا جائے گا۔ ڈی، پی صاحب کی ذہانت اور معاملہ فہمی کا بھرم لالچوک کے چوراہے پر پھوٹ جائے گا اور وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ

جائیں گے۔ وہ بخشی غلام محمد سے راہ ورسم پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن انہیں ہر طرف سے دھتکارا جائے گا۔ سید میر قاسم ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام کریں گے اور اس طرح اس سیاسی بازیگر کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکالا جائے گا۔

....

مولینا محمد سعید مسعودی اپنے علم وحکمت کے بوجھ تلے دبے رہیں گے اور خاموشی سے صورت حال کا مشاہدہ کرتے رہیں گے۔ بالآخر دل برادشتہ ہوکر کسی اندھیرے غار میں پناہ گزین ہوں گے۔ وہ حج بیت اللہ کا ارادہ کر کے اگلے سال حج کی تیاریوں میں مصروف ہو جائیں گے اور قوم کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچانے کے لیے خدائے قدوس سے دعائیں مانگتے ہوئے مر جائیں گے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

....

خواجہ غلام محی الدین قرہ ایک دارلفتویٰ قائم کریں گے، جہاں سے وہ معصوم اور بے ضرر قسم کے فتویٰ صادر کریں گے۔ ان کی جماعت پولٹیکل کانفرنس اپنے لیے کوئی آئیڈیالوجی تلاش کرنے کی کوشش شروع کردے گی اور بالآخر انجمن اتحاد المسلمین کی جگہ لے کر مسلمانوں کو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی تلقین کرے گی، خواجہ صاحب سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے جاسوسی ناول پڑھنا اور انگریزی فلمیں دیکھنا شروع کریں گے اور سال کے آخیر تک مولینا مسعودی کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوں گے۔

....

اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا، روپے کی قیمت روز

بروز کم ہوتی جائے گی اور گوشت کی قیمت بڑھتی جائے گی۔ ریاستی حکومت صورتِ حال کا مقابلہ کرنے میں بُری طرح ناکام رہے گی لیکن اُس سے سیاسی صورت حال پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بہت سے قصائیوں اور کوٹھ داروں کو احتیاطی نظر بندی قانون کے تحت گرفتار کیا جائے گا اور ممبرانِ اسمبلی اور کانگریسی لیڈروں کی سفارش پر نہ صرف اُن کو رہا کر دیا جائے گا بلکہ من مانی قیمتوں پر گوشت بیچنے کی اجازت دی جائے گی۔

دودھ میں پانی کا تناسب بڑھ جائے گا اور نلکوں میں پانی کم ہو جائے گا، بجلی کی پیداوار میں اضافہ اور وولٹیج میں کمی ہوگی۔ کابینہ کو وسعت دی جائے گی اور ترقیاتی پروگراموں کا دائرہ محدود کر دیا جائے گا۔ ڈاکٹروں کی تعداد اور شرح اموات میں غیر معمولی اضافہ ہوگا۔ فیملی پلاننگ پر بے انتہا روپیہ خرچ کیا جائے گا اور بچوں کی پیدائش میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

....

دو لاکھ سے زاید سیاح کشمیر وارد ہوں گے اور ان میں ایک لاکھ باسٹھ ہزار کشمیر سرکار کو بالعموم اور محکمہ سیاحت کو بالخصوص گالیاں دیتے ہوئے واپس جائیں گے۔ تمام ٹیکسی گاڑیوں کے میٹر سال بھر بے کار رہیں گے اور تانگے والے شہر میں اپنی متوازی حکومت قائم کریں گے۔ پولیس کے سپاہی اور ٹریفک آفیسر اپنی فی کس آمدن میں قابل ذکر اضافہ کر پائیں گے۔ پسنجر ٹیکس سے وصول ہونے والی رقم وصول کرنے والوں کی تنخواہوں سے بھی کم ہوگی۔

....

شہر کے کئی اہم مقامات پر غلاظت اور کوڑا کرکٹ کے کچھ نئے قطب مینار تعمیر کیے جائیں گے۔ سڑکوں کی حالت خستہ سے خستہ ہوتی جائے گی اور

میونسپلٹی کے عملے میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہے گا۔ میونسپلٹی کے انتخابات نئے سال تک ملتوی کیے جائیں گے اور موجودہ ایڈمنسٹریٹر عبدالرشید میر............ کو خرابیٔ صحت کی بناء پر ڈائریکٹر لوکل باڈیز بنا دیا جائے گا۔ میونسپل ایڈوائزری بورڈ کے ممبران کو ان کی اعلیٰ کارکردگی پر قدم بھوشن کے خطابات دیے جائیں گے۔

....

آئینگر کمیشن میں ماخوذ سرکاری افسروں کو بخشی صاحب کے خلاف دائر کردہ مقدمات میں بطورِ گواہ پیش کیا جائے گا اور اس کے بعد انہیں ترقی دی جائے گی۔ ان افسروں کو اپنے موجودہ عہدوں سے تبدیلی کر کے بہتر جگہوں پر تعینات کیا جائے گا۔ عام انتخابات میں دھاندلیاں کرنے والے افسروں کو ترقی دلانے کے لیے سید میر قاسم خاص کوششیں کریں گے۔

☆☆☆

پوسٹ مارٹم

۵ ستمبر کو پولو گراونڈ میں منعقدہ ''کانگریس ورکرس کنونشن'' میں وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے جو تقریر ارشاد فرمائی اُسے ایک ماہر جراح کے پاس پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجا گیا تھا، پوسٹ مارٹم رپورٹ قارئین ''آئینہ'' کے تفنن طبع کے لیے شائع کی جارہی ہے۔..........ادارہ

رنگ: بالکل پھیکا یعنی بے رنگ

ذائقہ: ایک ایسی پچوڑی ہوئی ہڈی، جسے ایک نہیں ہزار بار چچوڑا گیا ہو۔

کیفیت، کسی ایسے شخص کی تقریر معلوم ہوتی ہے جو بہت اونچائی سے لڑھکتا لڑھکتا نیچے آگیا ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقرر خود بھی اپنی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ تقریر کے ایک ایک لفظ سے تصنع اور ظاہر داری ٹپکتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تقریر کرتے وقت بہت غصے میں تھا۔

تقریر: میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی کسی رجعت پسند اور فرقہ پرست جماعت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ اگر مرکز میں کبھی کوئی رجعت پسند طاقت برسر اقتدار آئے تو ہم اس کا بھی مقابلہ کریں گے''۔

کیفیت: یہ بالکل غلط بات ہے۔ مقرر، مرکز کیا، مرکز کے ہوم سیکریٹری کا مقابلہ کرنے کی ہمت بھی نہیں رکھتا۔ یہ محض دھونس ہے۔ مقرر کو اس بات کا علم ہے کہ اس کا وجود مرکز کی ایک مسکراہٹ کے تابع ہے اور مرکز

میں جو بھی سیاسی جماعت برسر اقتدار آئے گی، وہ اور اس کے ساتھی اس کے وفادار ہوں گے۔

تقریر: پچھلے انتخابات میں ریاست میں پہلی بار لوگوں نے ووٹ کی شکل دیکھی۔ خود شیخ صاحب کے زمانے میں بھی ایک انتخاب ہوا تھا، کیا کوئی حلف بے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ اس انتخاب میں اس نے ووٹ کی شکل دیکھی ہے۔

کیفیت : مقرر یہ بھول گیا ہے کہ انہی انتخابات کی بنیاد پر اس کے اپنے فریب کا محل بھی قائم ہے اور اگر وہ ۱۹۵۱ء کے انتخابات کو فریب اور فراڈ ظاہر کرنا چاہتا ہے تو الحاق کی توثیق کا فیصلہ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ مقرر کو غصے میں ایسی کوئی بات نہ کہنا چاہئیے جس سے ہند کشمیر الحاق کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں، مرکزی حکومت کان کھینچ لے گی۔

تقریر: رائے شماری کبھی نہیں ہوگی، قیامت تک نہیں ہوگی۔

کیفیت: مقرر کو ضد نہ کرنا چاہئیے، اس سے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور قیامت قریب آجاتی ہے۔ مقرر کو یہ دعویٰ کرنا چاہئیے کہ رائے شماری ہو چکی ہے اور اگر دوبارہ بھی ہو جائے تو فیصلہ ہندوستان کے حق میں ہوگا۔ رائے شماری کی مخالفت کرنے سے عام طور پر یہ تاثر پیدا ہو جاتا ہے کہ مقرر رائے شماری سے نہیں رائے شماری کے نتیجہ سے خوفزدہ ہے۔

تقریر: ہم نے لوگوں کو تحریر و تقریر کی آزادی دی ہے لیکن آزادی کی بھی ایک حد ہوتی ہے یہ کوئی لامحدود چیز نہیں ہوتی۔

کیفیت: مقرر کو یہ خبط ہو گیا ہے کہ اس ریاست میں تحریر و تقریر کی جو آزادی حاصل ہے وہ صرف اُسی کے دم سے ہے۔ مقرر کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اس ریاست میں جو تھوڑی بہت آزادی ہے، اس کے لیے ریاستی عوام نے

بڑی جدو جہد کی ہے خود اس کا وزیر اعلیٰ ہونا بھی اسی جدو جہد کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے۔ اُسے یہ بات نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ اس ریاست پر بھی بنیادی حقوق کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ بنیادی حقوق مقرر نے نہیں، ہندوستان کی کانسٹی چیونٹ اسمبلی نے ہمیں عطا کیے ہیں۔

تقریر: آل انڈیا ریڈیو ایک بے کار ادارہ ہے۔ جہاں لوٹ مار، قتل غارت گری اور حادثوں کی خبریں دن میں پانچ مرتبہ نشر ہوتی ہیں۔ لیکن تعمیری خبروں کی کوئی اہمیت نہیں۔

کیفیت: مقرر سخت غصے میں معلوم ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اسے کوئی ذاتی صدمہ پہنچا ہے۔

تقریر: کل ایس، پی، کالج میں ایک معمولی سا ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا تو آل انڈیا ریڈیو نے آج تک اسے دس بار نشر کیا لیکن وہاں سے دو سو گز کے فاصلے پر یہاں جو کنونشن ہو رہا ہے اس کا ذکر تک بھی نہیں ہوا۔

کیفیت: مقرر کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ آل انڈیا ریڈیو کے نزدیک اسی خبر کی اہمیت ہوتی ہے جس سے عام لوگوں کو دلچسپی ہو۔ جس جماعت کو ضمنی انتخاب میں ڈیڑھ فیصد ووٹ بھی حاصل نہ ہوا ہو۔ آل انڈیا ریڈیو کے نزدیک اس کا وجود و عدم وجود برابر ہے، آل انڈیا ریڈیو کے کرمچاریوں کو معلوم ہے کہ مقرر کانگریسی ورکروں کی بجائے فیلڈ سروے آرگنائزیشن کے تنخواہ دار ملازموں سے مخاطب ہے اس لیے وہ اپنی ہی طرح اس کو بھی ایک سرکاری ملازم تصور کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایس، پی، کالج کی گڑبڑ کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ کشمیر میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

تقریر: اگر آل انڈیا ریڈیو کے افسروں میں یہ اہلیت نہیں کہ وہ اسے ٹھیک سے چلاسکیں تو اس ادارے کو بند کردینا چاہیئے۔

کیفیت : مقرر کو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیۓ کہ وہ ریاست جموں و کشمیر کا وزیراعلیٰ ہے۔ ہندوستان کا وزیراعظم نہیں، اس لیے اس کے حکم سے آل انڈیا ریڈیو بند نہیں ہوسکتا اور ہاں اگر ہرنا اہل ادارے کو بند کر کے جانے کا فیصلہ کردیا جائے تو سب سے پہلے مقرر اور اس کی حکومت کو چلتا کردیا جائے گا،اس لیے اس قسم کا خطرناک مطالبہ ہرگز نہ کیا جانا چاہیئے۔

☆☆☆

اسمبلی کی جھلکیاں

اگر چہ نئے منتخب شدہ ممبران کے لیے حلف اُٹھانے کی تاریخ ۲۳ مارچ مقرر کی گئی تھی، لیکن جموں میں موجودہ ممبران اسمبلی اس سے پہلے قائمقام سپیکر میر راجپوری کے چیمبر میں حلف لیتے رہے۔ آزاد ممبر شمیم احمد شمیم جو ۲۰ مارچ کو ہی جموں پہنچ گئے تھے، سے ایک دوست نے کہا کہ آپ بھی ۲۳ مارچ سے قبل ہی کسی دن جا کر حلف اُٹھا لیجیے۔ تو اُنہوں نے جواب دیا، نہیں صاحب! اپنے ہاں تو حلف نامے چرانے کی کئی وارداتیں ہو چکی ہیں، میں تو ۲۳ تاریخ کو سب کے سامنے حلف اٹھاؤں گا۔

....

۲۴ مارچ کو جب اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو سب سے پہلے اسمبلی کے سابق سپیکر میر غلام محمد راجپوری کو سپیکر منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد قائد ایوان خواجہ غلام محمد صادق، نیشنل کانفرنسی گروپ کے لیڈر پیر محی الدین شاہ صدیقی، اور جن سنگھی لیڈر پریم ناتھ ڈوگرہ نے سپیکر کے متعلق وہ سب باتیں کہہ ڈالیں، جو اسمبلی کے ہر نئے سپیکر کے بارے میں کہی جاتی ہیں، آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے کہا کہ سپیکر کے انتخاب کے بعد اسمبلی میں آزاد ممبروں کی تعداد دو سے تین ہو گئی ہے۔ کیونکہ سپیکر بھی ہماری طرح اینڈی پنڈنٹ ہوتا ہے جس طرح ہمارا تعلق کسی سیاسی جماعت سے نہیں ہوتا اسی طرح سپیکر کو بھی جماعتوں کی سطح سے بلند ہونا چاہیئے۔ آزاد ممبر علی محمد نائیک نے تجویز کیا کہ اب جب کہ

راجپوری صاحب سپیکر منتخب ہو گئے ہیں، انہیں کانگریس سے مستعفی ہو جانا چاہئیے۔راجپوری صاحب نے اس تجویز پر ''ہمدردانہ'' غور کا وعدہ فرمایا۔

....

نئی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں اکثر پرانے ممبر زیادہ تر خاموش ہی رہے۔ خواجہ شمس الدین، ترلوچن دت، غلام رسول کار، سید میر قاسم نے نہ کسی بحث میں حصہ لیا اور نہ کسی دلچسپی کا اظہار کیا۔لابی میں یہ افواہ گرم تھی، کہ یہ سارے کھلاڑی کپتان سے بے حد ناراض ہیں اور چونکہ ان میں جن کانگریس بنانے کی ہمت نہیں، اس لیے یہ خاموش رہ کر کپتان سے انتقام لے رہے ہیں۔

....

ریاستی کابینہ کے سب سے نااہل وزیر پیر غیاث الدین (جو کمیونسٹ ہونے کے باوجود اب خدا کے وجود پر ایمان لائے ہیں) اکثر ایوان سے غیر حاضر رہے۔معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت لابی میں گذارا کرتے ہیں تاکہ کسی وقت ایوان میں اتفاقاً ان کی نااہلیت کا پردہ چاک نہ ہونے پائے۔غلام نبی سوگامی کو اسمبلی میں ماہر آئین اور صاحبِ قانون کا درجہ حاصل ہے، اس مختصر سے اجلاس میں انہوں نے اتنے قانونی نکات اور آئینی مسائل اُٹھائے کہ سارا ایوان پریشان ہو گیا۔انہیں قواعد وضوابط کا سارا کتابچہ ازبر یاد ہے اور وہ ہر روز کوئی نہ کوئی آئینی نکتہ پیش کر کے ممبران کی معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔

....

جن سنگھی ممبر شری شیو چرن گپتا اور مسٹر بلگوترہ نے جب سرکار پر الزام لگایا کہ اس نے کانگریس کی انتخابی مہم پر عوامی خزانے کا لاکھوں روپیہ صرف کر

دیا ہے۔ تو وزیر خزانہ شری ڈی ، پی ، در جلال میں آ گئے اور اُنہوں نے جن سنگھی ممبروں کو چلینج کیا کہ اگر وہ وہ ثابت کر سکیں کہ الیکشن پر ایک سرکاری پیسہ بھی ہم نے صرف کیا ہے تو میں مستعفی ہو جاؤں گا، جن سنگھی ممبروں نے چلینج منظور کیا تو ڈی، پی صاحب نے انہیں آڈٹ رپورٹ مکمل ہونے تک کے لیے انتظار کرنے کو کہا۔ یہ آڈٹ رپورٹ آئندہ چار سال تک مکمل ہو جائے گی؟۔

....

نئے ایوان میں آزاد ممبر شمیم احمد شمیم کو وہی نشست الاٹ ہوئی جس پر ان کے انتخابی حریف خواجہ غلام حسن خان بیٹھا کرتے تھے، ایوان کے ایک ممبر نے شمیم صاحب سے کہا کہ یہ اچھا شگون نہیں ہے کہ آپ ایک ہارے ہوئے ممبر کی نشست پر بیٹھے ہیں، تو شمیم صاحب نے جواب دیا کہ اس سے بڑھ کر نیک شگون کیا ہو سکتا ہے کہ اس کرسی پر بیٹھا ہوں، جہاں ممبر کو بیس سال تک بیٹھنا پڑتا ہے (خواجہ غلام حسن خان بیس برس کے بعد ممبری سے محروم ہو گئے ہیں)۔

....

وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق جب گورنر کے ایڈریس پر بحث کا جواب دے رہے تھے، تو انہوں نے انتخابات کے دوران حکومت پر بے ضابطگیوں اور بدعنوانیوں کے الزامات کا جواب دینے کی بھی کوشش کی۔ اس مرحلے پر صادق صاحب نے اس اعتماد، یقین اور جرأت کے ساتھ جھوٹ بولا کہ زبان پر بے طرح یہ فلمی مصرعہ آ گیا ؎

سیّاں جھوٹوں کا بڑا سردار نکلا

☆☆☆

اسمبلی نامہ

اصلی مجرم

شری ایس۔ کے کول کے ایک سوال کے جواب میں وزیر بہانہ شری درگا پرشاد در نے کہا کہ اخبارات کی درجہ بندی کا ریاستی سرکار سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ پریس رجسٹرار آف انڈیا کرتا ہے اس پر آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے کہا کہ ڈی پی صاحب صرف جھوٹ ہی نہیں، سفید جھوٹ بول رہے ہیں اور اخبارات کی درجہ بندی کا پریس رجسٹرار سے قطعی کوئی تعلق نہیں اس پر ڈی پی صاحب بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے۔

"یہ کہنا کہ کوئی آنریبل ممبر جھوٹ بول رہا ہے، غیر پارلیمانی ہے"۔

"سپیکر صاحب! یہ فیصلہ کیجئے کہ جھوٹ بولنا زیادہ غیر پارلیمانی ہے یا یہ کہنا کہ فلاں ممبر جھوٹ بول رہا ہے"۔ سپیکر صاحب کی مسکراہٹ سے ایوان کو اس بات کا اندازہ ہُوا، کہ اصلی مجرم ڈی پی صاحب ہی ہیں۔

خطرے کا نشان

آنریبل غلام نبی وانی سوگامی کو ریاستی اسمبلی میں ماہر آئین اور ماہر قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس اجلاس کے دوران اُنہوں نے کئی آئینی نکتے ابھارے۔ ایک دن ایک پوائنٹ آف آڈر پر بولتے ہوئے انہوں نے

اپنے سارے وجود کو ہلانا شروع کر دیا۔ اس عمل کے دوران وہ اپنی سیٹ سے ہٹ کر بھگت چھجو رام کی سیٹ کے قریب ہو گئے۔

''پوائنٹ آف ڈینجر سر'' شمیم احمد شمیم نے آواز بلند کی۔ ''سوگامی صاحب پوائنٹ آف آڈر ہی پیش نہیں کر رہے ہیں، خود بھی آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں''۔ اس کے بعد سوگامی صاحب اپنی جگہ پر واپس آ کر بولتے رہے۔

حد سے زیادہ

شری محمد یونس کرناہی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر مملکت غلام رسول کار نے کہا کہ اس سڑک کو درانداز وں نے حد سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا، اس لیے کرین قابل استعمال نہیں تھی۔ بہت سے ضمنی سوالات کا جواب دینے کے بعد آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے سوال کیا۔ ''کار صاحب نے اپنے جواب میں کہا کہ درانداز وں نے سڑک کو حد سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا۔ میں وزیر موصوف سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا درانداز وں کے لیے حکومت نے نقصان پہنچانے کی کوئی حد مقرر کی تھی، اگر کی تھی، تو وہ کیا تھی اور اگر درانداز وں نے اس حد سے تجاوز کیا، تو انہیں اس کی کیا سزا دی گئی''۔

کار صاحب زبان کی ان باریکیوں کو کیا سمجھتے، جواب دیا ''درانداز وں نے بہت نقصان کیا''۔

احتجاج

''آئینہ'' کے خلاف مراعات شکنی کی تحریک پر مراعتی کمیٹی کی رپورٹ پیش کرنے میں توسیع کی تحریک پیش ہوئی، تو صرف آزاد ممبر شمیم احمد شمیم نے اس

کی مخالفت کی۔ شمیم صاحب نے کہا کہ ممبران صرف اپنے الاؤنس کے لیے رپورٹ پیش کرنے میں تاخیر سے کام لے رہے ہیں۔ اس پر آنریبل شمس الدین نے سخت احتجاج کیا اور کہا کہ شمیم صاحب کو اس طرح اس ذی عزت ایوان کے ذی عزت ممبران پر تہمت نہیں لگانا چاہیے۔ شمیم احمد شمیم نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ شمس صاحب کے اس احتجاج پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ جو جناب سپیکر صاحب نے مجھے سنایا ہے۔ ایک عبادت گاہ میں ایک صاحب کوئی ناجائز کام کر رہے تھے۔ وہاں سے کسی شریف آدمی کا گذر ہوا۔ تو اس نے عبادت گاہ میں ناجائز کام کرنے والے پر تھوک دیا۔ اس پر وہ صاحب بولے۔ کہ میں ذرا مصروف ہوں، ورنہ تمہیں بتاتا کہ خانۂ خدا پر تھوکنا کیا ہوتا ہے۔ یہ مثال شمس صاحب کے احتجاج پر صادق آتی ہے۔ شمیم صاحب اس ناجائز کام کی وضاحت بھی کیجیے۔ ڈی، پی صاحب نے کہا۔ اس میں چونکہ ڈی پی صاحب ماخوذ ہیں، اس لیے اُس کا ذکر نہ کروں گا۔ شمیم صاحب نے جواب دیا، آپ بھی تو شریک تھے، ڈی، پی صاحب نے کہا اور کانگریس ممبروں نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔

"جی ہاں، اس حد تک کہ میں آپ پر تھوکا تھا" شمیم احمد شمیم نے کہا اور حزب مخالف کے ممبروں نے جوابی قہقہہ لگایا۔

غلط فہمیاں

کانگریسی ممبر شری مکھن لعل فوطیدار نے احتجاج کیا ہے، کہ انہیں بلاوجہ میڈ انِ خالق کہا جاتا ہے۔ گذشتہ ہفتے سپیکر صاحب کی دعوت عصرانہ کے موقع پر انہوں نے مدیر "آئینہ" سے شکایت کی کہ انہیں غلط طور پر میڈ انِ خالق کہا جاتا ہے حالانکہ وہ میڈ انِ اندرابی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ خالق صاحب تو ان

کے مخالف تھے۔ انہیں اسسٹنٹ کمشنر شری اندرابی نے ساحلِ مراد تک پہنچایا ہے۔ (قارئین نوٹ فرمائیں)

پچھلی اشاعت میں ''بلا مقابلہ کامیاب'' کے عنوان سے اسمبلی نامہ میں جن عبدالغنی صاحب کا ذکر ہوا تھا۔ وہ عبدالغنی لون ہیں، عبدالغنی میر نہیں۔ عبدالغنی میر صاحب نے اس سلسلے میں مدیر ''آئینہ'' کو بتایا کہ ''حضور میں بلا مقابلہ کامیاب نہیں ہوا ہوں۔ آپ کا روئے سخن دراصل عبدالغنی لون کی طرف تھا جو واقعی بلا مقابلہ کامیاب ہوئے ہیں''۔ ادارہ اس غلطی کے لیے دونوں عبدالغنیوں سے معذرت خواہ ہے۔

زعفران زار یا نانوائی

خواجہ مبارک شاہ قادری کے ایک سوال کے جواب میں وزیر سیاحت شری نور محمد نے بتایا کہ پانپور کے زعفران زاروں کی بہار صرف چند مہینے رہتی ہے اور جو سیاح اس سے لطف اندوز ہونا چاہے وہ ہوسکتا ہے۔ یہاں سیاحوں کو کوئی خاص سہولیات بہم پہنچانے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ''کیا آنریبل وزیر کو معلوم ہے کہ پانپور سیاحوں کے لیے غیر معمولی دلچسپی اور دلکشی کا باعث ہے''۔ شری مبارک شاہ صاحب نے پوچھا۔

''جی ہاں، لیکن اس کی وجہ وہاں کے زعفران زار نہیں بلکہ وہاں کا وہ ہندو نانوائی ہے جو بہت اچھی روٹیاں بناتا ہے''۔ شمیم صاحب نے شاہ صاحب کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا اور ساری محفل زعفران زار بن گئی۔

جھینپنا

نیشنل کانفرنس کے اختر نظامی عوامی رائے دہندگی کے ترمیمی بل پر بحث کے دوران تقریر کر رہے تھے کہ انہوں نے الزام لگایا کہ پچھلے انتخابات کے

دوران بہت سے ووٹروں کو ووٹ ڈالنے سے محروم رکھا گیا۔'' آپ کے حلقہ انتخاب میں ووٹ ڈالنے والوں کی شرح فیصدی کیا تھی؟'' ڈی، پی صاحب نے دریافت کیا۔'' غالباً 60 فیصدی'' اختر نے جواب دیا۔

''اور آپ کے حلقۂ انتخاب میں ووٹ استعمال کرنے والوں کی شرح فیصدی کیا تھی''۔ شمیم صاحب نے ڈی، پی صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا اور ڈی پی صاحب کچھ جھنیپ سے گئے۔

برادری

''وزیر فرشتے نہیں ہوتے، ان سے غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں''۔ ڈی پی صاحب ایک ضمنی سوال کا جواب دے رہے تھے۔''تو کیا آنریبل انڈسٹریز منسٹر کو اس غلط بیانی کے لیے ڈسمس نہیں کیا جا سکتا'' شمیم صاحب نے ضمنی سوال پوچھا۔

''میں نے آپ سے عرض کیا کہ وزیر فرشتے نہیں ہوتے'' ڈی، پی صاحب نے جواب دیا۔

''تو کیا وہ شیطان ہوتے ہیں''۔ شمیم صاحب نے دریافت کیا۔

''جی ہاں، کچھ آپ کی برادری سے بھی تعلق رکھتے ہیں، ڈی، پی صاحب نے برجستہ کہا اور شمیم صاحب لاجواب ہو گئے۔

وضاحت

عوامی رائے دہندگی میں ترمیمی بل پر تقریر کرتے ہوئے آزاد ممبر شیمم احمد شیمم نے کہا کہ اس بل کا مقصد صرف یہ ہے کہ بخشی غلام محمد کو کسی طور الیکشن میں حصہ لینے سے روک دیا جائے۔ اس لیے میں حکمران طبقے سے گذارش کروں گا کہ وہ دفعہ ۲۴ ف میں، واضح طور پر یہ دفعہ بھی شامل کریں کہ وہ ہر آدمی جس کا نام بخشی سے شروع

ہو کر محمد پر ختم ہو جائے الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا۔ ہر وہ آدمی جس کے بیٹے کا نام بشیر احمد ہو الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا۔ ہر وہ انسان جس کے ماتھے پر زخم کا نشان ہو، الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اس طرح ان کا مقصد بھی زیادہ واضح ہو گا۔ اور بخشی غلام محمد کے انتخاب میں حصہ لینے کے تمام امکانات بھی ختم ہو جائیں گے۔

☆☆☆

۱۹۶۷ء

اندیشے

اندیشہ ہے کہ شہری اتحادی کونسل کے باوجود شہر میں فرقہ دارانہ اتحاد اور امن و امان کی فضا بہتر ہوتی جائے گی اور ہندو ایکشن کمیٹی مسلمانوں کے مطالبات منوانے کے لیے ستیہ گرہ کرنے کا اعلان کردے گی۔ اسی طرح مسلم ایکشن کمیٹیاں کشمیری پنڈتوں کی شکایات کے بارے میں حکومت کو میمورنڈم پیش کردیں گی۔

....

اندیشہ ہے کہ شہر بھر کے ہندو، مسلمان اور سکھ غنڈے اپنی ایک الگ تنظیم بنائیں گے تاکہ حالیہ فرقہ دارانہ کشیدگی سے ان کے اتحاد اور بھائی چارے میں جو فرق آگیا ہے، اُسے دور کیا جاسکے۔ غنڈوں کے ایک ترجمان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ تنظیم بالکل سیکولر بنیادوں پر قائم کی جائے گی اور اس میں کسی سرکاری غنڈے کو شامل نہیں کیا جائے گا۔ غنڈوں کا کہنا ہے کہ انہیں اس بات پر فخر ہے کہ لے دے کے شہر میں صرف انہیں کا طبقہ رہ گیا ہے جو صحیح معنوں میں سیکولر کہلانے کا حق دار ہے۔

....

اندیشہ ہے کہ بخشی غلام محمد عرف خالدِ کشمیر عنقریب ہی جن سنگھ میں شمولیت کا اعلان کردیں گے۔ ان کے حالیہ بیانات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غالباً جن سنگھ میں شامل ہو چکے ہیں۔ اب صرف باقاعدہ اعلان کرنے کی

دیر ہے۔اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ بخشی صاحب کے دیگر ساتھی محاذ رائے شماری اور کانگریس میں شامل ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کریں گے۔

....

اندیشہ ہے کہ ریاستی کانگریس نہ صرف عنقریب ہی ریاست کی اندرونی خودمختاری کا اعلان کردیگی ، بلکہ اس کے لیے با قاعدہ جدو جہد شروع کر دے گی ،اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اس صورت میں پردیش کانگریس کو معطل کر کے ایک ایڈ ہاک کمیٹی بنادی جائے گی جس میں صرف ان افسروں کو نامزد کیا جائے گا جنہوں نے حالیہ عام انتخابات کے دوران اپنی روسیاہی سے ریاستی کانگریس کو برسرِ اقتدار لایا ہے۔

....

اندیشہ ہے کہ ریاست کے وزیر خزانہ شری ڈی ، پی، درآیندہ دو ماہ کے اندر اندر ریاستی کابینہ سے مستعفی ہو جائیں گے اور ۔ گلی ہم نے کہا تھا دنیا چھوڑ جاتے ہو کے مصداق ریاست کو خیر باد کہیں گے ۔اس اندیشے کی بنیاد ڈی ، پی صاحب کا یہ معنی خیز فقرہ ہے ''شمیم صاحب اپنے دل سے یہ غلط فہمی دور کیجیے کہ میں وزارت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ،آپ دیکھیں گے میں وزارت کے بغیر بھی زندہ رہ سکوں گا۔

....

اندیشہ ہے وزیر صحت محمد ایوب خان وزیر اعلی غلام محمد صادق سے درخواست کریں گے کہ انہیں وزارت سے سبکدوش کر کے ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز یا ڈائریکٹر لوکل باڈیز بنادیا جائے ، کیونکہ یہ دونوں افسر وزیر موصوف سے زیادہ با اختیار اور خود مختار ثابت ہورہے ہیں اور منسٹر صاحب کو اپنے پی ،

اے کے طور پر استعمال کررہے ہیں۔لیکن اندیشہ ہے کہ ڈائریکٹر ہونے کے بعد مسٹر ایوب خان کے کلرک ان سے بھی زیادہ طاقتور ثابت ہوں گے اس لیے یہ بھی اندیشہ ہے کہ صادق صاحب اس کمزور وزیر کو چلتا ہی نہ کردیں۔

....

اندیشہ ہے کہ ڈاکٹر علی جان کو شری مودک کی جگہ انسپکٹر جنرل پولیس اور مسٹر مودک کو صدر ہسپتال کا سپرانٹنڈنٹ مقرر کیا جائے گا۔اس اندیشے کی بنیاد، آر،سی رینہ کا فینانشل کمشنر اور غلام محمد میر طاؤس کا ڈائریکٹر انڈسٹریز مقرر کیا جانا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ صادق سرکار، کارِنجار بدست گلکار کرانے پر بضد ہے۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

....

اندیشہ ہے کہ ''آئینہ'' کے مدیر شمیم احمد شمیم اگلے ماہ امریکہ جائیں گے جہاں وہ ''آئینہ'' کی اشاعت بڑھانے کے علاوہ اس کے لیے اشتہارات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔اپنے اس دورے میں شمیم صاحب کے صدر جانسن سے ملاقات کرنے کا خطرہ بھی موجود ہے۔

....

اندیشہ ہے کہ خواجہ غلام نبی وانی سوگامی بہت جلد سوتنتر پارٹی میں شامل ہونے کا اعلان کردیں گے۔اس اندیشے کی بنیاد اس ''خفیہ ملاقات'' پر ہے جو سوگامی صاحب نے سوتنترا پارٹی کے مسٹر ٹپوڈیا سے اوبرائے پلیس ہوٹل میں کی۔

....

اندیشہ ہے کہ عبدالمجید خان جو بخشی صاحب کی مہربانی سے راتوں رات چیف پروجیکٹ آفیسر بن گئے (اور جنہوں نے حالیہ انتخابات کے دوران ضلع

اننت ناگ میں جمہوریت کو قتل کرنے میں شاندار رول ادا کیا ہے) خودکشی کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔ان کے ایک قریبی دوست کا کہنا ہے کہ خان صاحب کو صادق صاحب سے سخت گلہ ہے کہ انتخابات کے بعد انہیں انتخابات میں کی گئی بے ایمانیوں کا مناسب صلہ نہیں ملا ہے اور انہیں ڈویژنل کمشنر کے ساتھ ارول میں رکھا گیا ہے

ے ہائے اس زور پشیماں ، کا پشیماں ہونا

....

اندیشہ ہے کہ دسمبر میں ہونے والے پنچایتی انتخابات میں وہی دھاندلیاں روا رکھی جا رہی ہیں جو عام انتخابات کے دوران دیکھنے میں آئی ہیں۔اس مقصد کے لیے حکومت غلام حسن نحویوں اور عبدالمجید خانوں کی ایک فہرست مرتب کر رہی ہے جنہیں پنچایتی انتخابات میں دھاندلیوں کی خصوصی تربیت دی جائے گی۔

مجلس شوریٰ

(شوپیان سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر پنجورہ نامی گاؤں کے ایک محل نما مکان میں کچھ سربرآوردہ شخصیتیں کسی اہم اور نازک مسئلے پر غور فکر میں ڈوبی ہوئی ہیں، ایک کونے سے ریڈیو کشمیر کی نکی آپا اور منشی جی کے لڑنے کی آواز آرہی ہے اور دوسرے کونے سے حقّے کی ہلکی سی گڑگڑاہٹ۔ کمرے میں بیک وقت تین لیمپ جل رہے ہیں لیکن اس کے باوجود روشنی اتنی کم ہے کہ بیٹھے ہوئے حضرات کا چہرہ صاف نہیں دکھائی دیتا)

حاجی صاحب آپ لوگوں نے اخبار تو پڑھ لیا ہی ہوگا، اس بدمعاش نے تو ساری حقیقت عریاں کردی، میرا بس چلے تو میں اس کو کچا چبا ڈالوں۔

خان صاحب حاجی صاحب! غصہ تھوک دیجیے یہ وہ پرانے الیکشن نہیں ہیں کہ ہم بلا مقابلہ کامیاب ہوجائیں اب کی بار مقابلہ ہوگا اور بڑے زوروں کا مقابلہ ہوگا اور الیکشن میں مخالف اُمیدوار کی ساری حقیقت عریاں کرنا ہی پڑتی ہے۔ آپ یہ سوچ لیجیے کہ ہم شمیم کے خلاف کیا کہہ سکتے ہیں، تاکہ ہم بھی اس کے خلاف ایک پملفٹ شایع کریں۔

خان چاچا یہ بات بالکل صحیح ہے ہمیں فوراً شمیم احمد شمیم کے خلاف ایک پوسٹر اور پملفٹ شائع کرکے جوابی حملہ شروع کردینا چاہیے

حاجی صاحب: میں بھی کل سے ہی سوچ رہا ہوں، کہ اس کمینے کے خلاف ضرور ایک زبردست پوسٹر شائع ہو جانا چاہئے تاکہ اسے پتہ چلے کہ خانوں کے ساتھ لڑنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

خان صاحب: اب سوچ بچار بند کر دیجئے، یہ بتایئے کہ اس کے خلاف لکھا کیا جائے۔

حاجی صاحب: بھلا یہ بھی بتانے کی کوئی بات ہے، لکھ دیجئے کہ وہ چور ہے، رشوت خور ہے، بے ایمان ہے اس نے لاکھوں روپے کی جائیدادیں بنائی ہیں اس کے پاس کئی موٹریں ہیں یہ کہاں سے آئیں۔

خان چاچا: بس بس، بند کرو اپنی تقریر۔ ہم نے ایک بھی غلط بات شائع کی تو وہ سیدھا عدالت کا رخ کرے گا اور پھر لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا اسے ہمارے مقابلے میں زیادہ جانتی ہے۔ ہم غلط بات لکھیں گے، تو اس کا اثر الٹا ہم پر ہوگا۔ وہ کرایہ کے مکان میں رہ رہا ہے اس کے پاس لاکھوں روپے کی جائیدادیں کہاں سے آئیں؟ اس کے پاس ایک ٹوٹی ہوئی سائیکل ہے ہم موٹروں کا الزام اس کے سر کیوں کر دیں گے۔ بات کرو تو ایسی کہ اس کا کوئی یقین بھی کرے۔

خان صاحب: تو پھر اس کم بخت کے خلاف لکھا کیا جائے۔

ایک چھوٹا خان: اس کے خلاف یہ کیوں نہ لکھا جائے کہ وہ دراصل پاکستانی ہے اور اس کا سارا خاندان پاکستان میں ہے۔

خان چاچا: سوچے سمجھے بغیر بات کرنے میں تمہارا جواب نہیں ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ صادق صاحب اور قاسم صاحب اس بات کا

یقین کریں گے؟ صادق صاحب تو میرے مقابلے میں شمیم کو ہی پکا ہندوستانی سمجھتے ہیں اور پھر پاکستانی قرار دینے سے لوگوں میں اور زیادہ مقبول ہو جائے گا۔

حاجی صاحب مگر یہ تو حقیقت ہے کہ اس کا سارا خاندان پاکستان میں ہے اس کو ہم اس کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔

خان صاحب اور اگر اس نے جواب میں یہ کہا کہ میرے خاندان کو جلا وطن کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق کی حکومتوں کا ساتھ دیا ہے تو اور بھی بدنامی ہوگی اور پھر آپ تو محاذ رائے شماری کے رکن ہیں، آپ یہ کیوں کر کہہ سکیں گے۔

حاجی صاحب تو پھر یہ بتا دو کہ پوسٹر اور پمفلٹ میں کیا لکھو گے؟

چھوٹا خان میں نے سُنا ہے کہ وہ بی، ایس، سی کے امتحان میں ایک مرتبہ فیل ہو گیا ہے۔

خان چاچا بھلا یہ بات کوئی بات ہے میں نے خود تو کبھی سکول کی شکل بھی نہیں دیکھی ہے۔ یہ دریافت کرو کہ اس نے کبھی کوئی بے ایمانی کی ہے، کوئی ناجائز روپیہ کمایا ہے، کسی غریب کا حق مارا ہے کسی پڑوسی کی جائیداد پر ہاتھ صاف کیا ہے، یا کبھی کسی مظلوم کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے؟

چھوٹا خان بے ایمانی تو اس نے ضرور کی ہوگی کہ وہ شکل وصورت سے یہ بڑا بے ایمان اور بدلحاظ نظر آتا ہے۔

خان صاحب "کی ہوگی" رہنے دو، یہ بتاؤ کہ کسی کو اس کی کسی بے ایمانی کا علم ہے؟

خان چاچا مجھے ایک بات یاد آگئی، یہ لکھو کہ وہ بڑا بے ایمان اور دغا باز ہے، پہلے بخشی صاحب کو نعوذ باللہ خدا مانتا تھا، اب اس کو گالیاں دیتا ہے۔

حاجی صاحب لیکن اس نے اگر ہماری خیر خیریت پوچھی تو کیا جواب دو گے؟ کھلی چٹھی میں اس نے یہی تو لکھا ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً اپنی وفاداریاں بدلتے رہے ہیں اور پھر یہ الزام تو صادق صاحب اور ان کے ساتھیوں پر بھی عائد ہوسکتا ہے۔

خان صاحب حاجی صاحب بات تو ٹھیک کہتے ہیں کچھ اور سوچیئے۔

خان چاچا میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بدمعاش کے خلاف پھر لکھا کیا جائے۔

حاجی صاحب (خوشی سے جھوم کر) لو مسئلہ حل ہو گیا۔ میرے ذہن میں ایسی ایک بات آگئی ہے کہ اب کہیں بچ کے نہیں جا سکتا۔

خان چاچا ہمیں بھی تو سناؤ۔

حاجی صاحب یہ لکھو کہ شمیم احمد شمیم مرزائی ہے۔

خان چاچا مگر وہ میرزائی تو نہیں، اس کے باپ کو نا سنور سے اسی لیے تو نکالا گیا تھا کہ وہ میرزائیت کے خلاف تھا اور شمیم کے میرزائی ہونے پر یقین کون کرے گا۔

حاجی صاحب وہ میرزائی ہے یا نہیں، اس کی مجھے فکر نہیں۔ لیکن اس کے خلاف ہم یہ پروپاگنڈا آج سے ہی شروع کر دیں گے، میں

اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ میرزائی نہیں، لیکن پروپاگنڈا کرنے میں ہرج کیا ہے؟ خان صاحب! آج ہی ایک پوسٹر لکھو، کل سے ہم اس کی تقسیم شروع کردیں گے۔

خان چاچا — حاجی صاحب! یہ سوچیئے کہ میں کانگریس کے منڈیٹ پر الیکشن لڑ رہا ہوں اور اس جماعت کے منڈیٹ پر ہندو، سکھ اور ہریجن بھی انتخابات لڑ رہے ہیں پھر بھلا میں اس کے خلاف میرزائی ہونے کا پروپاگنڈا کیونکر کرسکتا ہوں۔

حاجی صاحب — پروپاگنڈا آپ نہیں کیجیے ہم کریں گے، علاقہ شوپیاں کا مسلمان بڑا جاہل اور لاعلم ہے، اس قسم کے پروپاگنڈا سے شمیم احمد شمیم کی ساری شیخی کرکری ہو جائے گی۔ ہمیں اس علاقے کے لوگوں کی جہالت پر مکمل یقین ہے۔

خان صاحب — حاجی صاحب ٹھیک کہتے ہیں شمیم کے خلاف ہمیں کچھ تو آخر کہنا ہی ہے سب سے بہتر حربہ یہی رہے گا۔

چھوٹا خان — مگر یہ نہ بھولیئے کہ لوگ آج کل ہوشیار ہو گئے ہیں، وہ آپ سے یہ بھی پوچھیں گے کہ میرزائیت اور اسمبلی کا آپس میں کیا تعلق ہے، کیا اسمبلی میں ہندو، سکھ اور دہریے نہیں ہوتے اور پھر اسمبلی میں مذہب تو چکانا نہیں ہوتا۔

حاجی صاحب — تم چپ رہو جی، ایسی باتیں کوئی نہیں پوچھے گا، تم سمجھتے ہو کہ تمہاری طرح یہاں کے لوگ بھی عقل مند ہیں، یہ تو بیوقوفوں کی جماعت ہے۔ انہیں جو کچھ کہو، آنکھیں بند کر کے اس پر یقین لاتے ہیں۔

خان صاحب بات بنی نہیں، تاہم کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ فی الحال یہی پروپا گنڈا کرو، مگر خدا کے لیے اس مضمون کا پوسٹر، پمفلٹ شائع نہ کرو کہ میں صادق صاحب کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہوں گا۔

۱۹۶۷ء

سیلابیات

۶، ۷ اور ۸ ستمبر کی مسلسل بارش کا نتیجہ ۹ ستمبر کو سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوا اور سیلاب نے حسبِ معمول اپنی برہمی اور برہنگی کا مظاہرہ کر کے فصلوں کو نقصان پہنچایا۔ رسل و رسائل کے ذرائع کو مسدود کر دیا، بہت سی عمارتوں کو زمین بوس کر دیا۔ سینکڑوں لوگوں کو بے گھر کر دیا۔ دریاؤں کے بندھ ٹوٹ گئے۔ فلڈ کنٹرول ڈیپارٹمنٹ کی برسوں کی محنت بہہ گئی۔ کئی مقامات سے مال مویشی غرق ہو جانے کی اطلاعات بھی موصول ہوئی ہیں۔ غرض سیلاب سے جتنی بھی تباہ کاریاں وابستہ ہوسکتی ہیں، وہ دیکھنے میں آئیں اور اس طرح سیلاب اپنے پیچھے تباہی، غارت گری اور پریشانیوں کا ایک لا متناہی ہی سلسلہ چھوڑ کر چلا گیا۔ لیکن اس کا کیا کیجیے کہ ہر سیلاب کی طرح اس سیلاب کے ساتھ بھی کچھ ''دلچسپ'' اور ''ناقابل'' فراموش یادیں وابستہ ہوگئی ہیں، جو اس کی تلخیوں اور تباہ کاریوں کو بھلا دینے میں ممد و معاون ہوسکتی ہیں۔ اس بے کار نمایندے نے آپ کے تفننِ طبع کے لیے سیلاب کی ''شان نزول'' سے متعلق سیاسی جماعتوں، لیڈروں، عوام، خواص، مفادِ خصوصی اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے قیاسات جمع کیے ہیں، ان کی روشنی میں، آپ بھی اپنی رائے قائم کیجیے۔

....

ریاستی کانگریس کے ترقی پسند گروپ کا دعویٰ ہے کہ ۶، ۷، اور ۸ ستمبر کی بارشیں ایک جغرافیائی عمل کا نتیجہ تھیں۔ یعنی دھوپ کی گرمی سے پانی سے

بخارات اُٹھے۔ یہ بخارات بلندیوں پر جا کر پہاڑوں سے ٹکرائے، تو بادل بن گئے، یہی بادل بعد میں بارش بن کر برسے اور قصہ تمام ہوا، یعنی عمل تبخیر و عمل تکاثف نے اپنا جلوہ دکھایا۔

ذرا کم ترقی پسند عناصر کا اندازہ ہے کہ اگر لیڈر لوگ جلسہ گاہ پر ٹین کی چھت تعمیر نہ کرتے، تو موسم بے حد خوشگوار ہوتا، لیکن ٹین کی چھت سے اللہ میاں کو غصہ آیا، اور اس نے کہا کہ تمہاری ایسی کی تیسی۔

ضعیف الاعتقاد کانگریسی کارکنوں کا دعویٰ ہے کہ ہر بڑی تقریب کے لیے نجومیوں سے ''ساعت'' نکالنا چاہئیے۔ چونکہ ایسا نہیں کیا گیا، اس لیے ۶، ۷، اور ۸ ستمبر کی تاریخیں مقرر کی گئیں ان کا مزید خیال ہے کہ دشمنوں نے پورے پنڈال میں گنڈے تعویز بکھیر دیے تھے جس کی وجہ سے بارش نے رکنے کا نام نہیں لیا۔

بخشی صاحب کا کہنا ہے کہ میں با پیر شخص ہوں، جو چاہتا ہوں، ہو جاتا ہے۔ میرے کنونشن کے دوران کانگریسیوں نے جلسہ گاہ میں نلکوں کا پانی کاٹ دیا تھا۔ میرے پیر نے جوابی کاروائی کے طور پر کانگریسیوں کو اسی پانی میں غرق کر دیا۔

ایک نیشنل کانفرنسی لیڈر کارکن نے دعویٰ کیا کہ ۵ ستمبر سے ہی بخشی صاحب نے ۴ بڑے بڑے بزرگوں کو گھر بلایا تھا۔ ان میں دو کشمیری پنڈت اور دو مولوی صاحبان تھے۔ یہ دونوں جوڑیاں اپنے اپنے طور پر موسم کو اپنے قبضے میں کیے ہوئے تھیں، جہاں کہیں بارش رکنے کا نام لیتی، بخشی صاحب برآمدے میں زور سے کھانستے اور پنڈت و مولوی اپنے اپنے کام میں لگ جاتے۔

محاذ رائے شماری کے ایک عمر رسیدہ کارکن نے پورے حادثے پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ''آخر ہمارا بھی خدا ہے''.......... یہ کہتے ہوئے اس کے

لوک سبھا کی پریس گیلری سے

حاضر جوابی، فقرے بازی

مشتے نمونے از خروارے

سنا تھا کہ پارلیمنٹ میں بڑے حاضر جواب، زندہ دل اور بذلہ سنج قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ہم نے تو یہ دیکھا کہ موجودہ پارلیمنٹ میں سوتنتر پارٹی کے مسٹر پیلو مودی اور شمیم احمد شمیم کے علاوہ نہ کسی کو ہنسنے کا حوصلہ ہے، اور نہ ہنسانے کا سلیقہ، کبھی کبھی آنریبل اسپیکر سردار ڈھلون سنگھ اور کمیونسٹ پارٹی کے مسٹر بینرجی بھی اپنی حاضر دماغی اور فقرے بازی سے ہاؤس کی سنجیدہ اور سوگوار فضا میں قہقہے بکھیرنے کا کام کرتے ہیں۔ لیکن بہت کم، بہ حیثیت مجموعی حکمران پارٹی اور حزب مخالف کے اکثر ممبران سخت قسم کے بور، خشک اور طنز و مزاح کی حس سے محروم ہیں۔ پارلیمنٹ کے بجٹ اجلاس پر تبصرہ کرتے ہوئے ابھی حال ہی میں ایک انگریزی اخبار نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ ''اگر پارلیمنٹ میں مسٹر پیلو مودی اور شمیم احمد شمیم نہ ہوتے تو ایوان کی کارروائی بے لطف اور بے مزہ ہوتی''۔

آیئے، آپ بھی بجٹ اجلاس کے کچھ تناؤ شکن اور قہقہہ بردوش جملوں سے محظوظ ہو جایئے۔

....

برقی رو منقطع ہو جانے کی وجہ سے لوک سبھا کا پبلک ایڈریس سسٹم بار بار

ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

ایک قنوطی سیاستدان نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ صادق صاحب اور ان کے ساتھیوں نے جون جولائی میں اجلاس نہیں کیا۔ ان لوگوں کی قسمت اتنی بر فیلی ہے کہ جون جولائی میں بھی برفباری کا امکان تھا۔ (حوالے کے طور پر موصوف نے ڈیموکرٹیک نیشنل کانفرنس کے اولین کنونشن کا حوالہ دیا)۔

ایک خوش فہم پنڈت جی نے اپنے ''خوبصورت'' دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا کہ دراصل اندرا جی اور اندر دیوتا کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اندر دیوتا بارش کا دیوتا ہے اسی لیے اندرا جی جہاں بھی جاتی ہیں، اندر دیوتا اُن کے ساتھ جاتے ہیں۔

ایک کسان، جس کی فصلیں سیلاب کی زد میں آ گئی ہیں، نے نہایت مختصر الفاظ میں سیلاب کی آمد کا تجزیہ کیا، یعنی ''ہمارے گناہوں کی شامت''۔

سیلاب اپنے ساتھ کیا کچھ بہا لے گیا، ابھی تک اس کا مکمل اندازہ نہیں ہو سکا ہے لیکن ابتدائی اندازے کے مطابق مندرجہ ذیل اشیا سیلاب کی نذر ہو گئی ہیں۔

(۱) کانگریسی لیڈروں کی اُمیدیں اور آرزوئیں (۲) تقریباً دس لاکھ روپے کی تیاریاں (۳) اندرا جی کا عظیم الشان استقبال (۴) قاسم صاحب، ڈی۔ پی صاحب اور کار صاحب کی نیندیں (۵) بخشی صاحب کی پریشانیاں (۶) کانگریس نگر کی رونقیں (۷) دریاؤں کے بندھ (۸) کچھ کٹی ہوئی فصلیں اور (۹) غریبوں کے جھونپڑے۔

☆☆☆

ستمبر ۱۹۶۶ء

لوک سبھا کی پریس گیلری سے

حاضر جوابی، فقرے بازی

مشتے نمونے از خروارے

سنا تھا کہ پارلیمنٹ میں بڑے حاضر جواب، زندہ دل اور بذلہ سنج قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ہم نے تو یہ دیکھا کہ موجودہ پارلیمنٹ میں سوتنتر پارٹی کے مسٹر پیلو مودی اور شمیم احمد شمیم کے علاوہ نہ کسی کو ہنسنے کا حوصلہ ہے، اور نہ ہنسانے کا سلیقہ، کبھی کبھی آنریبل اسپیکر سردار ڈھلون سنگھ اور کمیونسٹ پارٹی کے مسٹر بینرجی بھی اپنی حاضر دماغی اور فقرے بازی سے ہاؤس کی سنجیدہ اور سوگوار فضا میں قہقہے بکھیرنے کا کام کرتے ہیں۔ لیکن بہت کم، بہ حیثیت مجموعی حکمران پارٹی اور حزب مخالف کے اکثر ممبران سخت قسم کے بور، خشک اور طنز و مزاح کی حس سے محروم ہیں۔ پارلیمنٹ کے بجٹ اجلاس پر تبصرہ کرتے ہوئے ابھی حال ہی میں ایک انگریزی اخبار نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ ''اگر پارلیمنٹ میں مسٹر پیلو مودی اور شمیم احمد شمیم نہ ہوتے تو ایوان کی کارروائی بے لطف اور بے مزہ ہوتی''۔

آیئے، آپ بھی بجٹ اجلاس کے کچھ تناؤ شکن اور قہقہہ بردوش جملوں سے محظوظ ہو جایئے۔

....

برقی رو منقطع ہو جانے کی وجہ سے لوک سبھا کا پبلک ایڈریس سسٹم بار بار

بے کار ہو رہا تھا، اور ممبران ایک دوسرے کی بات ٹھیک سے سن نہیں پا رہے تھے، اسپیکر کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی اور بہت سے ممبران اسپیکر کی توجہ اسی طرف دلانے کے لیے چلا رہے تھے، ''خاموش رہیے، اگر میں آپ کی بات ٹھیک سے سن سکتا ہوں، تو آپ کو میری بات کیوں سنائی نہیں دیتی''۔ اسپیکر نے باآواز بلند کہا۔

''جناب! آپ کو تو اسپیکر ہی اس لیے بنایا گیا ہے کہ آپ ہم سب کی باتیں سنیں، چاہے، ہم آپ کی بات سنیں یا نہ سنیں''۔ شمیم احمد شمیم نے جواب دیا اور ایوان میں بڑے زور کا قہقہہ بلند ہوا، آنریبل اسپیکر بھی اس جواب سے بڑے محظوظ ہوئے۔

....

''میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ ہر سوال کے جواب میں پاور کٹ Power Cut کا بہانہ کیوں کیا جاتا ہے''۔ سوالات کے گھنٹے میں مسٹر پیلو مودی نے احتجاج کیا۔ ''اسے شارٹ کٹ'' کہتے ہیں۔ شمیم احمد شمیم نے مسٹر مودی کی معلومات میں اضافہ کیا۔

....

کانگریس پارلیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مسٹر مورتی آندھرا سے تعلق رکھتے ہیں۔ آندھرا کی صورت حال پر بحث کے دوران وہ بہت جذباتی ہو گئے اور انہوں نے حزب مخالف پر تابڑ توڑ حملے کیے، انہوں نے اپنی تقریر سے ایک سماں باندھ دیا تھا، اور ایوان بڑی توجہ سے ان کے خیالات سن رہا تھا۔
''کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک'' مسٹر مورتی بڑے جوش میں آ کر کچھ کہہ رہے تھے۔

''کنیا کماری نہیں مینا کماری کہیے'' مسٹر شمیم نے فقرہ کس دیا اور ایوان میں اتنا طویل اور زوردار قہقہہ بلند ہو گیا کہ مسٹر مورتی بدحواس ہو گئے اور ان کی تقریر کا تسلسل ہی ختم ہو گیا۔ اس وقت اجلاس کی صدارت ڈپٹی اسپیکر مسٹر سوآل کر رہے تھے، انہوں نے مسٹر شمیم سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں آپ سے گزارش کروں گا کہ'' اور اس کے ساتھ وہ بھی ہنسنے لگے۔

....

''حکومت کا ایک چارج یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک میں امن و امان برقرار رکھے، حکومت کا دوسرا چارج یہ ہوتا ہے کہ وہ ضروریات زندگی کی قیمتوں کو کنٹرول میں رکھے، میں پوچھتا ہوں کہ حکومت اپنے کس چارج میں کامیاب ہوئی ہے؟ سوتنتر پارٹی کے پیلو مودی بڑھتی ہوئی قیمتوں پر بحث کے دوران تقریر کر رہے تھے۔

''لاٹھی چارج'' شمیم احمد شمیم نے برجستہ کہا اور ایوان میں ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا۔

....

ہماچل پردیش کے مسٹر پراشر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے تقرر کو موزوں، مناسب اور جائز ثابت کرنے کے لیے بڑا زور لگا رہے تھے، اپنی تقریر کے دوران جب انہوں نے کئی بار غیر متعلق باتیں ابھار کر موضوع سے تجاوز کیا، تو حزب مخالف کے ممبران نے اعتراض کیا، لیکن مسٹر پراشر اپنی روش پر قائم رہے۔

''مسٹر ڈپٹی اسپیکر، فاضل مقرر سے یہ دریافت کیجیے کہ وہ سپریم کورٹ کے متعلق بات کر رہے ہیں یا پٹھان کوٹ کے متعلق؟ شمیم احمد شمیم نے سنجیدگی

سے دریافت کیا اور ایوان کی سنجیدہ فضا قہقہوں سے گونجنے لگی۔ مسٹر پراشر قہر آلود نگاہوں سے مسٹر شمیم کی طرف دیکھنے لگے۔

....

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے تقرر اور تین ججوں کے استعفیٰ پر پارلیمنٹ میں ہنگامے کے دوران کانگریس کے شنکر دیال سنگھ ہاتھ میں ایک بہت بڑی کتاب لے کر چلا رہے تھے کہ یہ اس ملک کا سمدھان ہے اور اس کی رو سے سرکار کو کسی بھی شخص کو سپریم کورٹ کا جج بنانے کا اختیار ہے۔ وہ بار بار آئین کو ہاتھ میں اٹھا کر حزب مخالف کے ممبران سے مخاطب ہوکر یہ سوال کر رہے تھے، کہ کیا آپ نے آئین کا مطالعہ کیا ہے؟

''یہ سمدھان نہیں، ریلوے ٹائم ٹیبل'' معلوم ہوتا ہے، شمیم احمد شمیم نے مذاقاً کہا۔ لیکن شنکر دیال سنگھ سنجیدہ ہو گئے۔

آپ کو شرم آنی چاہیے کہ آپ سمدھان کو ریلوے ٹائم ٹیبل کہتے ہیں، آیئے دیکھئے کہ یہ سمدھان ہے یا ریلوے ٹائم ٹیبل؟ شنکر دیال سنگھ پوری قوت سے چلا رہے تھے۔

''پھر یہ ٹیلی فون ڈائرکٹری ہوگی''، شمیم صاحب نے پھر شک ظاہر کیا اور سارا ہال شنکر دیال سنگھ کی سادگی پر ہنسنے لگا۔

....

''جو جج ہر مقدمے کا فیصلہ حکومت کی مرضی اور فلاسفی کے مطابق کرے گا، اسے آپ اور جو کچھ چاہیں کہہ سکتے ہیں لیکن جج نہیں کہہ سکتے۔ جن سنگھ کے مسٹر اٹل بہاری باجپائی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے تقرر پر مسٹر موہن کمار منگلم کی تقریر کا جواب دے رہے تھے۔

''اُسے جج نہیں چمچہ کہا جائے گا'' شمیم احمد شمیم نے برجستہ طور پر کہا اور باجپائی صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے!

....

صدر جمہوریہ وی، وی، گری کے صاحبزادے مسٹر گری بھی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ آندھرا پر بحث کے دوران انہوں نے پارلیمنٹ میں پہلی بار تقریر کی، بڑے بھاری بھرکم آدمی ہیں اور شکل وصورت سے پہلوان لگتے ہیں، دورانِ تقریر انہوں نے فرمایا:

''آندھرا کی صورت حال اتنی خراب ہو چکی تھی کہ وہاں راشٹرپتی شاسن (صدر راج) نافذ کیئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا''۔

''یوں کہیے، کہ وہاں پتاجی کا راج قائم کیئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا''۔ شمیم احمد شمیم نے فقرہ کس دیا اور ایوان میں موجود سبھی ممبران ہنس دیئے۔

''آندھرا کے گورنر نے راشٹرپتی کو جو رپورٹ بھیجی ہے۔ مسٹر گری نے اپنی تقریر جاری کرتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، پتاجی کو جو رپورٹ بھیجی ہے''۔ شمیم صاحب نے پھر اصلاح دی اور بے چارے مسٹر گری کافی پریشان ہو گئے۔

اس مرحلے پر چیئرمین مسٹر صالح بھائی عبدالقادر نے مسٹر شمیم کو یاد دلایا کہ یہ مسٹر گری کی پہلی تقریر ہے اور پہلی تقریر کے دوران ممبر کو پریشان کرنا روایات کے خلاف ہے۔

....

مسٹر پیلو مودی اپنے تن وتوش اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے پارلیمنٹ کے غلام نبی سوگامی (ریاست جموں وکشمیر کے ایک سابق وزیر، جن کا وزن کئی ٹن ہے) ہیں لیکن بے پناہ ذہین، حاضر جواب اور فقرے باز، برمحل اور

برجستہ فقرے کسنے میں ان کا جواب نہیں اور مقرر بھی وہ کہ خدا کی پناہ، ان میں برائی صرف یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کا ضرورت سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

بہرکیف، یہ اس دن کی بات ہے، کہ جب کانگریس سوشلسٹ فورم کے خاتمے کا اعلان کیا گیا تھا۔ مسٹر مودی سوالات کا گھنٹہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوئے اور بڑی سنجیدگی سے مسٹر اسپیکر سے مخاطب ہو کر کہا۔

''مسٹر اسپیکر! آج ہم سے ایک زبردست بھول ہوگئی ہے''۔

''کون سی بھول؟'' اسپیکر نے حیران ہو کر پوچھا، اور سب ممبران مسٹر مودی کی طرف دیکھنے لگے۔

''ہم نے ''حسب روایت'' اجلاس شروع ہوتے ہی ماتمی قرارداد پاس نہیں کی ہے'' مسٹر مودی نے سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ ہمیں اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ کون مر گیا ہے؟'' اسپیکر صاحب نے بڑی معصومیت سے دریافت کیا۔

''کانگریس سوشلسٹ فورم'' مسٹر مودی نے کہا اور ایوان میں قہقہوں کا سیلاب امڈ آیا۔

....

کلچرل کنونشن: صدا بند کاروائی

اس مہینے کی ۲۴ اور ۲۵ تاریخ کو ٹیگور ہال میں ''دانش وروں''، ادیبوں اور فن کاروں کا جو کنونشن منعقد ہوا۔ اُس کی کاروائی خود کنونشن میں سنی گئی صدا بند آوازوں کی صورت میں پیش خدمت ہے:

....

وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو اپنے پہلو میں دیکھ کر آغا اشرف علی کو تاؤ آ گیا اور وہ بولنے لگے۔ ''سابق وزیر اعلیٰ صادق صاحب کو مرکز کی طرف سے ایک کروڑ روپے کی رقم ریاستی زبانوں کی ترقی کے لیے پیش کی گئی تھی۔ لیکن صادق صاحب نے اس ذمہ داری کو قبول نہیں کیا اور یہ رقم واپس کر دی''۔ دینا ناتھ نادم نے اصل نکتے کو نظر انداز کرتے ہوئے آغا صاحب کو ٹوکا کہ وہ غلط زبان بول کر کشمیری زبان کی ٹانگ توڑنا بند کر دیں۔

آغا صاحب اپنی رٹی رٹائی تقریر بھول کر ہکلانے لگے۔ لیکن وزیر اعلیٰ کے چہرے پر شفیق مسکراہٹ دیکھ کر اُن کی زبان پھر چلنے لگی۔

....

سردار ہربنس سنگھ آزاد کسی آئینی نکتے پر تقریر کر کے اپنی قانونی مہارت کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ پروفیسر رحمان راہی نے سٹیج پر چڑھ کر شور مچانا شروع کر

دیا۔آزاد صاحب کا پارہ چڑھ گیا اور بولنے لگے:

''حیرت ہے کہ آپ پروفیسر ہیں یا پاجی۔ یہ میری تذلیل ہی نہیں تمام ادب اور تمام ادیبوں کی تذلیل ہے اور آپ کے یہی لچھن رہے تو ادیبوں کی مجلس میں کوئی شریف آدمی آنا گوارا نہیں کرے گا''۔ ''یہ سب پاگل پن ہے۔ سب پاگل پن ہے''۔راہی صاحب بڑبڑاتے ہوئے سٹیج سے نیچے آئے۔

....

غلام نبی خیال نے محمد یوسف ٹینگ کو الیکشن لڑنے سے ڈِس کالیفے کرنے کے لیے کہا۔''یوسف ٹینگ اکاڈمی کا ملازم ہے وہ نئی تنظیم کا عہدیدار نہیں ہوسکتا''۔

''ٹینگ اکیڈمی کا ملازم ہے اُن کو ڈس کالیفے کرنا ہو تو مرکزی محکمہ جاسوسی کے ایجنٹ پر پابندی ہونی چاہیے''۔کہیں سے آواز آئی اور خیال صاحب پسینہ پونچھتے ہوئے نیچے بیٹھ گئے۔

....

کسی بات پر اختر محی الدین اور راہی میں تو تو میں میں خطرناک شکل اختیار کر گئی اور دونوں نے اپنی ادبی نقابیں اُتار کر مُکے بازوں کا لباس پہن لیا۔کوٹ نکال لیے اور ایک دوسرے پَر حملہ آور ہونے کے لیے پر تولنا شروع کردے۔اتنے میں راہی صاحب کے دو طالب علم کہیں سے آنکلے اور انہوں نے راہی صاحب کو یاد دلایا کہ اُن کی صحت ہاتھا پائی کی اجازت نہیں دیتی۔ راہی صاحب کھسیانے ہو کر کہنے لگے۔

''یہ شخص مجھ پر چار چہرے رکھنے کا الزام عائد کر رہا تھا''۔

....

ویت نام کی خون ریزی کے لیے امریکی سامراج کی مذمت کرنے کے لیے دینا ناتھ نادم نے قرارداد پیش کی تو سارے ہال میں ہنگامہ مچ گیا۔ غلام رسول سنتوش نے نادم کو مخاطب کر کے کہا: ''تم نے ہمیشہ ہم کو روس کے لیے فروخت کیا ہے۔ تم سوداگر ہو۔ تم ہمیں بیچنا چاہتے ہو''۔

پروفیسر رحمان راہی بڑے اشتعال سے بولنے لگے۔ ''یہ سازش ہے۔ نادم اس کنونشن کو تتر بتر کرنا چاہتا ہے۔ بنگلہ دیش کے معاملے پر بھی اس نے ادیبوں کے دماغ صاف کرنے کا دعویٰ کر کے اپنی جیب گرم کی تھی''۔

میر غلام رسول نازکی اپنی ریش کا سفید رنگ ایک لمحہ کے لیے بھول کر باآواز بلند پکارنے لگے۔

''یہ سیاسی شعبدہ بازی ہے۔ یہ ریزولیوشن پاس نہیں ہوگا''۔

اگر ویت نام کی خون ریزی پر ریزلوشن پاس کرنا ہے تو بنگلہ دیش کے بہاری مسلمانوں کے قتل پر بھی احتجاج کرو''۔

ہال میں سے کئی نوجوان بیک وقت پکارنے لگے۔

مائیکروفون پر ایک اور نوجوان کی آواز گونجی ''بھائیو انہیں ویت نام اور بنگلہ دیش کا غم کیوں ستا رہا ہے۔ ہماری ریاست کے تفتیشی مراکز اور جیلوں میں جو بربریت روا رکھی جا رہی ہے اُس کا بھی کوئی ذکر کرو''۔

اتنے میں دینا ناتھ نادم کو کسی نے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن چند لوگوں نے نادم صاحب کے گرد گھیرا ڈال کر اُنہیں ہال سے باہر پہونچا دیا۔

....

گورنر بھگوان سہائے کی آمد کا سگنل بج گیا تو سٹیج پر ادیبوں کی کم از کم چھ

جوڑیاں آپس میں گتھم گتھا تھیں اور مائیک کو ایک دوسرے سے چھیننے کی کوشش کر رہی تھیں"۔ قریب تھا کہ مُکہ بازی شروع ہو جاتی کہ سیکورٹی کا ایک افسر آیا اور اُس نے گورنر صاحب، گورنر صاحب کی آوازیں بلند کیں۔ لیکن اس کے باوجود ادیب باکسنگ کا مظاہرہ کرتے رہے چنانچہ جب سیکورٹی افسر نے اپنی آستین چڑھانا شروع کر دی، تو ادیبوں کو ایکدم ہوش آ گیا، اور وہ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں گھس گئے۔

....

جب ایک مرحلے پر شور وغل اپنی انتہا کو پہونچ گیا اور ہال میں "تم بدمعاش ہو"۔ "تم جواری ہو"، "تم شرابی ہو"، "تم چرس سمگلر ہو"، "تم جیب کترے ہو" کی آوازیں دھوم مچانے لگیں تو امین کامل بار بار اسٹیج پر پھُدکنے لگے اُنہوں نے مائیک پر زبردستی قبضہ کرتے ہوئے اعلان کیا۔ "میں اس وقت پہلی بار سٹیج پر آیا ہوں"۔

"خدا خیر کرے۔ اب کے کس شریف آدمی کی خانہ بربادی کا ارادہ ہے"۔ ہجوم میں سے کسی نے کھڑے ہو کر پکارا اور کامل صاحب "آداب عرض آداب" کہنے لگے۔ جیسے اُنہیں اپنے کسی خوب صورت شعر کی داد مل گئی تھی۔

کامل صاحب کے ایک معتمد ریزولیشن پیش کر رہے تھے۔ کسی انتظامی آفیسر کو کوئی تنظیم کا عہدیدار بننے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

"اور نہ کسی ایسے عرائض نویس کو جو عدالت کے روپے چرانے کے الزام میں روپوشی کی ذلت برداشت کر چکا ہو"۔

گھر کے کسی بھیدی نے کامل صاحب کے چمچے کی لنکا ڈھا دی۔

....

پران کشور کی تقریر کے دوران جب بہت زیادہ شور مچ گیا تو پران جی نے اپنی گرجدار آواز اونچی کر کے کہنا شروع کیا۔

''صاحبان۔ یہ بدتمیزی ہے۔آپ کو تھوڑی سی تہذیب سیکھنی چاہیے''۔

اس پر ہال میں طوفان بپا ہو گیا''۔ یہ آدمی کون ہوتا ہے ہم کو سبق سکھانے والا۔''اس کو نیچے اتار دو''۔اس کو گھسیٹ کر پھینک دو۔ ہال میں بیک وقت کئی لوگ چلانے لگے اور کچھ نوجوانوں نے سٹیج کا رُخ اختیار کیا۔ پران کشور نے یہ عالم دیکھا تو اُن کے چھکے چھوٹنے لگے اور انہوں نے جلدی جلدی مونچھ نیچی کر کے پکارا۔''صاحبان۔ میں معافی کا خواہستگار ہوں مجھے خدا کے لیے معاف کیجیے''۔اور اس کے بعد پران کشور کی شکل پھر نہیں دیکھی گئی۔

....

بنسی پار مو سٹیج پر چڑھ کر حاضرین پر دھونس جانے لگے۔

''اگر آپ میری بات نہیں مانیں گے۔تو میں واک آوٹ کر جاؤں گا''۔

''دفع ذلت...... خس کم جہاں پاک''۔ سامعین کی کئی آوازیں گونج اٹھیں۔ بنسی کھسیانے ہو کر اپنی سیٹ پر بیٹھنے لگے۔تو ستار شاہد نے غراتے ہوئے سوال کیا'' جاؤ جاؤ اب کیوں یہاں بیٹھنے آ گئے ہو''۔

بنسی پار مو نے کھمبا نوچتے ہوئے کہا'' جاؤ جاؤ تم کون ہوتے ہو۔تم تو جندہ گرو ہو''۔ جاو جندے بیچا کرو''۔

اور چند منٹ میں دونوں فنکار ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

سومناتھ زتشی نے سٹیج سے آواز دی

''دوڑو، دوڑو۔ ورنہ شریف عورتیں بیوہ ہو جائیں گی''۔

....

دو مخالف گروہوں کے درمیان کھینچا تانی انتہا کو پہونچ گئی تھی اور ہال میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اتنے میں تیج بہادر بھان اپنی ملنگ چال میں سٹیج پر پہونچ گئے اور صاحب صدر کو بالائے طاق رکھ کر اُن کے ہاتھ سے مائیک چھین لیا۔

''دوستو ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں پلاٹ دئے جائیں۔ اچھی نوکریاں دی جائیں۔ نقد روپے دئے جائیں اور ہمارے بچوں کو وظیفے دئے جائیں۔

''ضرور ضرور ہال میں پُر زور قہقہوں کے درمیان نعرہ گونجا اور تالیوں سے کان کے پردے پھٹنے لگے۔

ایک شخص سرینگر کے غنڈوں کے مخصوص لباس میں مائیک پر آیا اور گالیاں بکنے لگا۔ اتنے میں ہال سے آوازیں آنے لگیں۔

''یہ شخص کون ہے؟ یہ کون ہے؟

''فوطیدار......فوطیدار''۔ مائیک والے نے اپنا تعارف کرایا۔

''تمہاری ولدیت کیا ہے؟ کسی منچلے نے سوال کیا

مائیک والا ابھی کچھ نہیں کہہ پایا تھا کہ ہال کے دوسرے کونے سے ایک اور شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

''شکل وصورت سے تو کسی لٹھ باز کا بیٹا معلوم ہوتا ہے''۔

ہال میں قہقہہ گونج اٹھا اور سٹیج پر بیٹھے ہوئے دو اور ادیبوں نے فوطیدار کو دھکے دے کر سیڑھیوں پر پھینک دیا۔

☆☆☆

جون ۱۹۷۲ء

تیسرا صفحہ

انٹرویو: وزارت کی خالی جگہوں کے لیے:

ڈی پی صاحب اپنے اعمال کی دلدل میں پھنس کر وزارت کی کرسی سے گر پڑے ہیں، اور غلام رسول کار اپنے آقا کی جلاوطنی سے پہلے ہی بے کار ہو کر در در کی خاک چھان رہے ہیں۔ بے روزگاری کے اس زمانے میں جب ایک سکول ماسٹر مقرر کرنے کے لیے بارہ سو روپے کی منظور شدہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، بے کاروں کی ایک بڑی فوج میں کھلبلی سی مچ گئی ہے اور اُنھوں نے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کے نام اپنی اپنی عرضیاں ''برائے کرنے ہمدردانہ غور'' بھیج دی ہیں۔ ان عرضیوں میں امیدواروں نے وزارتی عہدوں کے لیے اپنے خاص اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ چند عرضیوں کے نمونے چراغ بیگ نے بھی حاصل کیے ہیں۔ آپ کے تفنن طبع کے لیے، مشتے نمونہ از خروارے پیش خدمت ہے۔ البتہ امیدواروں کی استدعا پر اُن کے نام نہیں دیئے گئے ہیں۔ ہاں آپ اوصاف کے آئینے میں صاحب موصوف کو پہچان لیں۔ تو انہیں کوئی شکوہ نہ ہوگا۔

پہلا امیدوار:

جناب والا! میں آج چالیس سال سے لائن میں کھڑا ہوں، لیکن وزارت

کی یہ ہرجائی معشوقہ ہمیشہ مجھے جُل دیتی ہے۔ اب انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں پتھرا گئی ہیں، آپ نے بھی مایوس کیا تو پھر کس دروازے پر جاؤں گا۔ میری خاطر نہیں تو ثواب کی خاطر ہی مجھے نوازیئے۔ میں بیک وقت فرقہ پرست ہوں اور قوم پرست بھی۔ بخشی غلام محمد کی وفاداری کے دم بھرتے بھرتے آپ کی چوکھٹ پر آن گرا ہوں۔ جب تک آپ کے پاس وزیر مقرر کرنے کا اختیار ہے، میر قاسم کو میں کبھی لفٹ نہیں دوں گا۔ اس کے علاوہ میرے رشتہ داروں کی ایک بڑی فوج بے کار ہے، اُن کو نوکر کرنے کے بعد میں وزارت سے سبکدوش ہونے کے لیے تیار رہوں گا۔

دوسرا اُمیدوار

حضورِ والا! آپ سے کیا بتاؤں کہ مجھ پر کیا گذری ہے۔ میں ہی تو وہ ستم زدہ بدنصیب ہوں جو ساڑھے تین مہینے مشیر مال رہا۔ لیکن اس کے بعد اپنے وزیراعظم کی نیا ہی ڈبو بیٹھا۔ دیکھنے میں اس قدر معتبر لگتا ہوں کہ کوئی یہ شبہ تک نہیں کرسکتا کہ میں بیک وقت چار آقاؤں کی وفاداریاں نبھا تا رہا ہوں۔ قاسم کو میں خوب پہچانتا ہوں کہ اُن کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہ چکا ہوں۔ آپ مجھے وزرات دے دیجئے تو اُس کو مزا چکھاؤں گا۔ پوری وزارت نہ دے سکیں تو آدھی وزارت میں بھی قناعت کرنے کو تیار ہوں۔

تیسرا اُمیدوار:

میں ایک ڈنڈی دار تھا۔ بخشی غلام محمد نے مجھے خاک سے اُٹھا دیا، کیونکہ وہ پہچان گئے کہ یہ آدمی بے ایمانیاں کرنے میں ایک دن نام پیدا کرے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں میں نے اُس کو ہی کاٹ کھالیا۔ میرے وزیر مقرر

کرنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اب میں بہت کم چوریاں کروں گا۔ کیونکہ میں اس سے قبل ہی، نیک کام سرانجام دے چکا ہوں۔ تین بنگلے، تین کاریں اور تین بیویاں، یہ میرا سرمایہ ہے۔ ہاں صرف میرا نااہل اور بددیانت بھائی ابھی تک آئی، اے، ایس کے لیے نہیں چنا گیا ہے۔ یہ کام ہو جائے تو میں پھر کبھی آپ کو زحمت نہیں دوں گا۔ میرے مقرر کرنے میں یہ خوبی ہے کہ پھر آپ کو الگ سے الیشن کتاب خریدنے کی ضرورت نہیں رہے گی، کیونکہ میں آپ کے اشارے کے بغیر ہی آپ کی ڈیوڑھی پر آنے والے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو کاٹنے کا ریکارڈ قائم کروں گا۔

چوتھا امیدوار

میرا وصف اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بے حد خاکسار، تابعدار ناہجار اور نابکار ہوں۔ آپ کے ہر حکم پر چار مرتبہ سربسجود ہوا کروں گا۔ آپ کے بوٹ کی پالش کیا کروں گا۔ آپ کے باڈی گارڈ کا باڈی گارڈ بنا رہوں گا۔ آپ کے ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے لیے چائے لایا کروں گا اور آپ سے تنخواہ لینے کے وقت قاسم صاحب کے لیے آپ کی جاسوسی کیا کروں گا اور آپ سے تنخواہ لے کے قاسم صاحب کی سازشوں کا تار و پود بکھیرا کروں گا۔ اس وقت فیلڈ سروے میں ملازم ہوں۔ لہٰذا میری وفاداری اور ناہنجاری کے بارے میں کسی مزید سرٹیفکیٹ کی گنجائش نہیں۔ اسمبلی میں بلا مقابلہ کامیاب ہو کر آیا ہوں۔ لیکن آپ سے اس قدر حیا آتی ہے کہ آج تک مجھے ایوان میں منہ کھولنے کی ہمت نہیں پڑی ہے۔ الغرض بے حد کارآمد، بے ضرر اور حسبِ ضرورت خطرناک آدمی ہوں۔

چند دلچسپ اطلاعات (چراغ بیگ کے قلم سے)

وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کے ایک ساتھی نے قاسم صاحب پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ کیسے محبِ وطن کہلائے جا سکتے ہیں۔ جب کہ انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ قاسم صاحب ریاستی کانگریس کے لیڈروں میں سب سے زیادہ کثیر العیال آدمی ہیں۔

....

مرزا محمد افضل بیگ کا کہنا ہے کہ آزادی تقریر کا تو میں حامی ہوں لیکن یہ آزادی تحریر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ شہری آزادیوں کی تعریف میں آزادی تحریر کو نہیں لانا چاہتے۔ کیونکہ اُن کی رائے میں آزادیٔ تحریر سرپھرے ادیبوں اور صحافیوں کو لیڈرانِ کرام پر اول جلول لکھنے کی ترغیب دیتی ہے جو جمہوری تحریک کے صحت مند ارتقاء کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔

....

شیخ محمد عبداللہ آج کل جس انداز سے چندہ جمع کرنے کے لیے دوکانوں کا دورہ کر رہے ہیں، اُس کے اگرچہ تسلی بخش نتائج سامنے آئے ہیں اور درگاہِ شریف کی عمارت کے لیے ایک بڑی رقم جمع ہو چکی ہے، لیکن بعض چالاک لوگوں نے اس کا علاج بھی دریافت کر ہی لیا ہے۔ شیخ صاحب ابھی پچھلی دوکان پر ہوتے ہیں کہ اگلا دوکاندار فوچکر ہو جاتا ہے اور شیخ صاحب بے بس ہو کر خالی بوتلوں خالی ڈبوں کا منہ تکتے رہتے ہیں۔

....

کشمیری پنڈت آج کل مطالعہ کر رہے ہیں کہ ڈی، پی صاحب کے چلے جانے سے جو سیٹ خالی ہوئی ہے، اُس کے لیے کسی کشمیری پنڈت کو نامزد نہیں کیا جانا چاہیے۔ بلکہ اس کا مشاہرہ جمع کر کے شیتل ناتھ بھیجا جانا چاہیے، تاکہ چند بے کار کشمیری پنڈت نوجوانوں کے لیے روزگار کا بندوبست ہو سکے۔

....

صادق صاحب کے سرینگر سے چلے جانے کے بعد یہاں خبروں کا جو قحط پیدا ہو گیا ہے، اُس کو دور کرنے کے لیے بعض مقامی اخبارات نے اغوا کی خبروں کو گھڑنے کا مقابلہ شروع کر دیا ہے۔ اغوا کی جس قدر خبریں آج مقامی اخبارات میں چھپتی ہیں، اُن کو دیکھ کر کبھی کبھی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ شہر میں ایک بھی شریف بہو بیٹی باقی نہیں رہی ہے۔

....

شہر کے مشہور ظریف جناب محمد افضل مخدومی نے اپنے چہرے پر ریش مبارک اُگانا شروع کر دی ہے۔ جب کسی ستم ظریف نے اُن سے اس بارے میں استفسار کیا تو مخدومی صاحب نے اقبال کا یہ مصرع دہرایا ع

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں

....

مرزا غلام احمد بیگ نون نے اپنی ممبری کا صلہ چکانے کے لیے سید میر قاسم کے یہاں تین عدد عمدہ چادریں، مشکہ بدجی چاول کے پانچ خردار اور سیب کی دس پیٹیاں روانہ کر دی ہیں۔ قاسم صاحب نے اُنہیں یقین دلایا ہے کہ جب میں صادق صاحب کا تختہ اُلٹنے میں کامیابی حاصل کروں گا تو آپ کو ضرور وزارت کا منصب عطا کروں گا۔

....

کراچی بار کے وکلاء نے پاکستان میں آمریت کے خلاف جس طرح جلوس نکالا ہے، اُس سے سرینگر بار کے وکیلوں میں بھی ایک نئی اُمنگ پیدا ہوگئی ہے۔ایک اطلاع کے مطابق بہت جلد یہ نوجوان وکلاء ایک جلوس نکال کر بار میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے۔

....

شہر کے بعض ادیبوں نے اب ایک نیا دھندا شروع کردیا ہے۔گھر میں کچھ خانہ ساز انجمنیں قائم کی جاتی ہیں۔جن کے عہدے داروں کے فرائض اپنے عزیزوں کو بخش دئے جاتے ہیں اور اس کے بعد کلچرل اکادمی سے مالی امداد کی درخواست کی جاتی ہے۔ ماہرین نے اسے گھریلو دستکاریوں کے فروغ کی ایک روشن مثال قرار دیا ہے۔

☆☆☆

دسمبر ۱۹۶۸ء

قدم بہ قدم

جموں میں بجٹ اجلاس شروع ہونے کے پہلے ہی دن سے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے تھے، پہلی ہی نشست میں اسمبلی کے سپیکر خواجہ شمس الدین نے ریاستی آئین کو معطل کر کے اپنے خلاف پیش کی گئی عدم اعتماد کی تحریک پر ووٹ لینا چاہا ہے، تو مجھے محسوس ہونے لگا کہ اب کی بار یہ اجلاس شاید مقررہ معیاد سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔

....

اب کی بار آنریبل سپیکر خواجہ شمس الدین ہر نشست کے خاتمے پر ایوان کو برخاست کرتے ہوئے کہتے کہ ’’انشاء اللہ‘‘ کل ہم صبح ساڑھے نو بجے پھر ملیں گے، ۱۲ / مارچ کو ڈیڑھ بجے ایوان کی کاروائی ختم ہونے کا اعلان کرتے ہوئے سپیکر صاحب نے ’’انشاء اللہ‘‘ کا ترجمہ کر دیا، انہوں نے فرمایا، آج کی کاروائی ختم ہوتی ہے، اگر خدا نے چاہا، تو پرسوں سنیچر کو ہم ساڑھے نو بجے صبح پھر ملیں گے......‘‘۔

اگر خدا نے چاہا.......... کیا شمس الدین صاحب کو پہلے ہی دن سے آنے والے واقعات کا علم تھا؟

....

گورنر کے خطبے پر شکریہ کی تحریک کے دوران بحث میں حصہ لیتے ہوئے میں نے مطالبہ کیا، کہ چونکہ اس ایوان کا نمائندہ کردار مشکوک ہے اور خود سید میر قاسم نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے، کہ انہوں نے ۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں فراڈ کیے ہیں، اس لیے اس اسمبلی کو ختم کر کے نئے انتخابات کیے جانے چاہئیں۔ اُس وقت حکمران جماعت کے دونوں گروہوں کو میری بات نا گوار گذری، لیکن ٹھیک آٹھ دن بعد وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق اخبار نویسوں کو یہ بتا رہے تھے، کہ پارلیمنٹری پارٹی کی میٹنگ میں بہت سے ممبروں نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اس اسمبلی Dissolve کر دینا چاہئے، جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!۔

....

اجلاس کے پہلے دن سے ہی سید میر قاسم کے ساتھی ممبراں صادق گروپ کے ممبراں کو ورغلانے میں مصروف تھے، اور ورغلانے کا یہ عمل ایم، ایل، اے ہوسٹل، ڈاک بنگلے، ایوان اور لابی ہر جگہ پر جاری تھا، ساری دنیا کو اس کا علم تھا، لیکن صادق صاحب اور ان کے وزیر آخری وقت تک بالکل بے خبر تھے، ۱۲ مارچ کو اجلاس ختم ہونے کے بعد میں وزیر صنعت پیر غیاث الدین کے ہمراہ گھر جا رہا تھا، وہ راستے بھر سیاسیاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے رہے، ان کا خیال تھا کہ ”قاسم گروپ کے ممبران سخت مایوس اور نا امید ہیں“۔ اس تجزیے کے صرف سات گھنٹے بعد قاسم صاحب اور ان کے ساتھیوں نے وہ شب خون مارا کہ پیر غیاث الدین اپنا سارا فلسفہ بھول گئے۔

....

۱۳ مارچ کو جب ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی، کہ ۳۵ کانگریسی ممبران نے

صادق صاحب کی قیادت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ تو ان ۳۵ ممبروں میں میاں بشیر احمد وانگنت کا نام بھی شامل تھا۔ دن کے ایک بجے کے قریب میں نے میاں بشیر کو ڈاک بنگلے میں لیجسلیٹو کونسل کے ممبر پیر غلام جیلانی کے ہمراہ دیکھا تو میں نے پوچھا کہ کہیئے میاں صاحب! یہ آپ کے بارے میں کیا سُنا ہے، ''یہ تو بالکل گپ ہے، میں ابھی ریاسی سے آرہا ہوں، میں نے بھی ریڈیو پر ہی سُنا، کہ ان لوگوں نے ہمارا نام بھی بھاگنے والوں میں شامل کر دیا ہے، میں تو اس کی تردید کررہا ہوں''، میاں بشیر نے کچھ اس طرح جواب دیا کہ مجھے ان کی بات پر یقین آ گیا!

شام کو میں مفتی سعید (سابق نائب وزیر) کی قیام گاہ پر صادق گروپ کے باغی ممبروں سے ملنے کے لیے گیا تو سب سے پہلے میاں بشیر سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا ''میاں صاحب؟ وہ دن والی بات صحیح تھی یا یہ صحیح ہے''۔

''اب تو یہی صحیح سمجھ لیجیے، میاں بشیر احمد نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پایا ہوں کہ کونسی بات صحیح سمجھوں؟

....

۱۳ مارچ کو جب گورنر نے وزیر اعلیٰ کی سفارش پر قانون سازیہ کے دونوں اجلاس برخاست کیے، تو ساڑھے تین بجے کے قریب اخبار نویسوں کی ایک جماعت گورنر سے تبادلہ خیال کے لیے راج بھون گئی، گورنر صاحب سے پنتالیس منٹ تک بات چیت کے بعد جب ہم لوگ باہر آئے تو باہر قاسم گروپ کے چودہ ممبران اسمبلی و کونسل دھرنا لگائے بیٹھے تھے، دھرنا لگانے والوں میں مکھن لعل فوطیدار، عبدالغنی لون اور غلام رسول کار، ''ہائے جمہوریت''، ''وائے جمہوریت'' کی گردان کررہے تھے۔

''جناب آپ نے ایوان برخاست کر کے ریاست کے چالیس لاکھ عوام کے ساتھ ناانصافی کی، غلام رسول کار نے فریاد کی۔

''جمہوریت کا قتل عام ہو رہا ہے اور بچارے ممبران کو ہراساں کرنے کے لیے سٹیٹ گراج کی جیپیں استعمال ہو رہی ہیں۔ عبدالغنی لون نے احتجاج کیا۔ ''جناب ہم تو صرف جمہوریت کا تحفظ چاہتے ہیں اور آپ سے انصاف چاہتے ہیں'' مکھن لعل فوطیدار نے آہ وزاری کی اور مجھ سے نہ رہا گیا۔

''کیوں بھئی مکھن لعل، یہ جمہوریت اس دن کہاں گئی تھی جب ۱۹۶۷ء میں تم اور حسام الدین کھنہ بل کے ڈاک بنگلے میں، میرے ووٹ چرا رہے تھے اور پھر وہ مخالف امیدواروں کے حلف نامے چرا کر بلا مقابلہ کامیاب ہونا جمہوریت کی کس کتاب میں لکھا تھا''...... میں نے جمہوریت کی دہائی دینے والوں کو ان کے شاندار ماضی کی یاد دلائی۔

....

کولگام کے ممبر اسمبلی محمد یعقوب بٹ کا شمار صادق صاحب کے معتمد ترین ساتھیوں میں ہوتا تھا، بجٹ اجلاس شروع ہونے کے دو تین روز بعد ہی وہ میرے پاس آئے اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگے، کہ یہ اجلاس ۱۴ مارچ سے پہلے ہی برخاست کردیا جائے گا، میں نے پوچھا کہ ''کیوں ایسی کیا بات ہے؟''۔

آپ دیکھ لیں گے، کہ کیا ہوگا، لیکن میں بتائے دیتا ہوں کہ ایوان ۱۵ مارچ کے بعد نہیں ملے گا، اور ہاوس Parsonage ہو جائے گا۔ محمد یعقوب بٹ مجھ سے جب ملتے، اپنی بات دہراتے، ۱۲ مارچ کو وہ میری نشست پر آکر بیٹھ گئے اور کہنے لگے، کہ مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ یہ اسمبلی ہی Dissolve نہ ہو جائے، میں نے پوچھا کہ اخبار میں یہ خبر چھاپ دوں، تو

بولے، چھاپ دو، میرا نام نہ لینا''۔ محمد یعقوب بٹ قاسم گروپ سے مل چکے تھے، میں یہ جانتا تھا لیکن مجھ سے وہ یہ باتیں کیوں کرتے تھے، یہ میں ابھی تک نہیں سمجھا ہوں۔

....

وزیر خزانہ شری گردھاری لعل ڈوگرہ جب بجٹ پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر ختم کر چکے، تو میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''امید ہے کہ یہ اب آپ کا آخری بجٹ ہوگا''۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں، اور میں خوش ہوں گا، کہ آپ یہاں آ کر خود یہ بجٹ پیش کریں، ڈوگرہ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا:

''میں یوں نہیں آؤں گا میں تو اس وقت چرن سنگھ بننے کی کوشش کر رہا ہوں''۔ میں نے ڈوگرہ صاحب کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی، لیکن اس آدمی نے تو کچھ نہ سمجھنے کی قسم کھائی ہے، اس لیے وہ کچھ نہیں سمجھے!

☆☆☆

مارچ ۱۹۷۰ء

چھین لو

ان دنوں سارے ملک میں ''چھین لو'' کا چکر چل رہا ہے اور ملک کی تمام ترقی پسند جماعتیں بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں چھیننے میں مصروف ہیں اپنے ہاں زمینداروں کی زمینیں بہت پہلے چھینی جا چکی ہیں۔ اس لیے ''زمین چھین لو'' تحریک سے یہاں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں ہوا ہے۔ میرے خیال میں زمین کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جنہیں ان کے نقلی مالکوں سے چھین کر اصلی مالکوں کے حوالے کر دینا چاہئے مثلاً اقتدار.......... میرا اپنا خیال ہے کہ موجودہ حاکموں سے اقتدار چھین کر اسے عوام کے سپرد کر دینا چاہئے، اسی طرح اپنے ہاں بیک وقت کئی چھین لو تحریکیں شروع کی جاسکتی ہیں۔ قارئین کی توجہ کے لیے کچھ نمونے ذیل میں دیے جا رہے ہیں، امید ہے ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔

....

چھین لو اُس منسٹر سے اس کی کرسی جو اپنے منصب کا اہل نہیں ہے۔ چاہے وہ پورا منسٹر ہو، منسٹر آف سٹیٹ ہو یا ڈپٹی منسٹر ہو۔

....

چھین لو سرکاری کار اور جیپ اس سرکاری افسر سے، جس میں اُس کی بیوی سماجی تعلقات بڑھانے جاتی ہے، بچے سکول اور کالج جاتے ہیں۔ ملازم گوشت، سبزی اور راشن لینے جاتے ہیں اور چرس کی تجارت کے لیے بھی یہ سرکاری گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں۔

....

چھین لو گوشتابے، رستے، کباب، مرغا اور طبق ماز ان لیڈروں کی تراميوں سے جو شادی بیاہ میں اپنے لیے ۲۰ کلو گوشت پکانے کا سیاسی فتویٰ دیتے ہیں۔

....

چھین لو ایڈیٹری اُن ایڈیٹروں سے جو دوسروں کے اخبار تو کیا خود اپنا اخبار بھی نہیں پڑھتے، کیونکہ وہ پڑھنا ہی نہیں جانتے۔ جن کے اخبار دوسرے لکھتے ہیں اور ان گمنام ''تحریرنگاروں'' کو کوئی نہیں جانتا۔

....

چھین لو اُن نام نہاد پروفیسروں سے پروفیسری، ریڈروں سے ریڈری اور لیکچرروں سے لیکچرری جن کو درس وتدریس تو کیا، بات کرنے کی تمیز نہیں۔

....

چھین لو اُن ادیبوں سے اُن کی تصانیف، جو انہوں نے دوسری زبانوں کی کتابوں سے غلط ترجمے کر کے بھان متی کے کنبے کی طرح جوڑی ہیں اور جن کے معانی اور مطالب وہ خود بھی نہیں سمجھتے۔

....

چھین لو فیملی پلاننگ والوں سے اُن کے تمام لوپ جو وہ خواتین کو موت کے نزدیک پہنچانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

....

چھین لو ریڈیو سے اُن کے وہ اناؤنسر جن کی آوازوں پر گدھوں اور بھینسوں کو رشک آتا ہے اور جن کے تلفظ سے کانوں کو دورہ پڑنے لگتا ہے۔

....

چھین لو منسٹروں اور سرکاری افسروں سے ٹیلی فون، جن پر اُن کی بیویاں گھنٹوں سرینگر، جموں اور دلی کی سہیلیوں سے ساڑیوں کے ڈائزین، زیورات اور کتوں کے مزاج کے موضوعات پر گفتگو کرتی ہیں۔

....

چھین لو کم از کم اُس منسٹر سے اس کے گھر اور دفتر کا ٹیلی فون جو اسے ہلدی کے لوکل، نیشنل اور انٹر نیشنل بھاؤ دریافت کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

....

چھین لو منسٹروں، سابق منسٹروں اور سرکاری ملازموں سے اُن کے شاندار محل، جو انہوں نے ناجائز آمدنی سے بنوائے ہیں۔

....

چھین لو منسٹروں، سابق منسٹروں اور سرکاری افسروں سے وہ سارے بیک بیلنس جو ان کے اور ان کے عزیزوں کے ناموں پر ہیں۔

....

چھین لو شری، ایس، کے سہگل سے پلاننگ کمیشن کہ وہ پلاننگ کے بغیر اپنا کمیشن وصول کر رہے ہیں اور جنہوں نے اپنا سائن بورڈ ابھی تک نہیں بنوایا۔

....

چھین لو ان ڈاکٹروں اور کمپونڈروں کے پرائیوٹ مطبوں سے وہ دوائیں جو وہ سرکاری دواخانوں سے چرا کر لاتے ہیں۔

....

چھین لو ڈاکٹر پی، جی دیو سے انجینئرنگ کالج کی پرنسپلی، کیونکہ مونس رضا کی طرح وہ انجینئرنگ سے نابلد ہے۔

....

چھین لو منوہر ناتھ کول سے کواپریٹو بنک کی صدارت، کیونکہ وہ بیک وقت دو کرسیاں نہیں سنبھال سکتا۔

....

چھین لو اُن تمام ''ممبران اسمبلی'' سے اُن کی اسمبلی جو بلا مقابلہ منتخب ہوئے ہیں۔

....

چھین لو اُس کاتب سے اس کا قلم، جو ایڈیٹر اور مضمون نگاروں کی تحریروں میں اصلاح کرتا ہے۔

....

چھین لو ایڈمنسٹریٹر سے میونسپلٹی، جس نے شہر میں پاخانے اور پیشاب گھر تو نہیں بنوائے لیکن سارے شہر کو پاخانہ اور پیشاب گھر بنا دیا۔

☆☆☆

اگست ۱۹۷۰ء

تیسرا صفحہ

اعلان گمشدگی

سرینگر ۲۳ نومبر۔ ریاستی حکومت کے دو منظور شدہ ہسپتال ''گم'' ہو گئے ہیں اور انہیں تلاش کرنے کا کام وزیر اعلیٰ نے انسپکٹر جنرل پولیس کو سپرد کیا ہے ''گمشدگی'' کا دلچسپ واقعہ آج وزیر اعلیٰ جناب غلام محمد صادق نے خود پیش کیا۔ اُنہوں نے پولیس پریڈ سے خطاب کرتے ہوئے حیران کن لہجے میں کہا کہ ہم نے جموں اور سرینگر میں جدید طرز کے دو ہسپتال قائم کرنے کی تجویز منظور کی تھی اور اس سلسلے میں ٹینڈر وغیرہ بھی منظور کیے گئے تھے لیکن یہ دونوں ہسپتال کہاں گئے؟ کہاں اٹکے؟ انسپکٹر جنرل پولیس کو اس سلسلے میں تحقیقات کرنی چاہیئے۔

(روز نامہ خدمت ۲۵ نومبر ۱۹۷۰ء) دو ہسپتالوں کی ''گمشدگی'' کی اطلاع وزیر اعلیٰ نے خود انسپکٹر جنرل پولیس کو دی ہے اور یہ خبر ریاستی کانگریس کے آفیشنل آرگن ''خدمت'' مین شائع ہوئی ہے اس لیے اس کی صحت کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ چراغ بیگ کو جہاں اس بات کا غم ہے کہ دو عدد ہسپتال لاپتہ ہو گئے وہاں اس بات کی خوشی ہے کہ وزیر اعلیٰ کو بھی اس گمشدگی کی اطلاع مل گئی ہے۔ یہ غالباً ''گمشدگی'' کا پہلا واقعہ ہے کہ جو وزیر اعلیٰ کی نوٹس میں آیا ہے اور اسی لیے انہوں نے کسی قدر حیرت اور تعجب

کا اظہار کیا ہے انہیں شاید معلوم نہیں کہ اس ریاست میں آئے دن گمشدگی کی اتنی وارداتیں رونما ہوتی رہتی ہیں کہ دو ہسپتالوں کی گمشدگی سے صادق صاحب کو حیرت ہوئی ہو تو ہو، عام لوگوں کو کوئی تعجب نہیں ہوا ہے، انہیں صرف اس بات پر حیرت ہوئی کہ صادق صاحب تک یہ ''اطلاع'' کیوں کر پہنچ گئی؟ کیونکہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ صادق صاحب کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا اور خود چراغ بیگ کا بھی یہی خیال ہے کہ ہسپتالوں کی گمشدگی پر صادق صاحب کا اظہار حیرت اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے۔

جناب صادق صاحب کی حیرت میں اضافہ کرنے کے لیے چراغ بیگ ''گمشدگی'' کے کچھ ایسے واقعات کی نشاندہی کرنا چاہتا ہے کہ ان کے مقابلے میں دو ہسپتالوں کی ''گمشدگی'' کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ مجھے اُمید ہے کہ صادق صاحب انسپکٹر جنرل پولیس کو ان وارداتوں کا سراغ لگانے کے لیے بھی ہدایت کریں گے۔

....

فروری ۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں کچھ امیدوارانِ اسمبلی کے کاغذاتِ نامزدگی میں سے حلف نامے چوری ہو گئے تھے اور آج عرصہ چار سال سے یہ حلف نامے لاپتہ ہیں۔

....

کریوہ مانلو (شوپیان) کو پانی کی بہم رسانی کے لیے صادق صاحب نے چھ لاکھ روپے کی لاگت سے جو نہر تعمیر کروائی تھی وہ کہیں کھو گئی ہے اور تلاشِ بسیار کے بعد میں اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا ہے۔

....

تیسرا صفحہ

اعلان گمشدگی

سرینگر ۲۳ نومبر۔ریاستی حکومت کے دو منظور شدہ ہسپتال ''گم'' ہو گئے ہیں اور انہیں تلاش کرنے کا کام وزیر اعلیٰ نے انسپکٹر جنرل پولیس کو سپرد کیا ہے ''گمشدگی'' کا دلچسپ واقعہ آج وزیر اعلیٰ جناب غلام محمد صادق نے خود پیش کیا۔اُنھوں نے پولیس پریڈ سے خطاب کرتے ہوئے حیران کن لہجے میں کہا کہ ہم نے جموں اور سرینگر میں جدید طرز کے دو ہسپتال قائم کرنے کی تجویز منظور کی تھی اور اس سلسلے میں ٹینڈر وغیرہ بھی منظور کیے گئے تھے لیکن یہ دونوں ہسپتال کہاں گئے؟ کہاں اٹکے؟ انسپکٹر جنرل پولیس کو اس سلسلے میں تحقیقات کرنی چاہئیے۔

(روز نامہ خدمت ۲۵ نومبر ۱۹۷۰ء) دو ہسپتالوں کی ''گمشدگی'' کی اطلاع وزیر اعلیٰ نے خود انسپکٹر جنرل پولیس کو دی ہے اور یہ خبر ریاستی کانگریس کے آفیشنل آرگن ''خدمت'' مین شائع ہوئی ہے اس لیے اس کی صحت کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ چراغ بیگ کو جہاں اس بات کا غم ہے کہ دو عدد ہسپتال لا پتہ ہو گئے وہاں اس بات کی خوشی ہے کہ وزیر اعلیٰ کو بھی اس گمشدگی کی اطلاع مل گئی ہے۔ یہ غالباً ''گمشدگی'' کا پہلا واقعہ ہے کہ جو وزیر اعلیٰ کی نوٹس میں آیا ہے اور اسی لیے انہوں نے کسی قدر حیرت اور تعجب

کا اظہار کیا ہے انہیں شاید معلوم نہیں کہ اس ریاست میں آئے دن گمشدگی کی اتنی وارداتیں رونما ہوتی رہتی ہیں کہ دو ہپستالوں کی گمشدگی سے صادق صاحب کو حیرت ہوئی ہو تو ہو، عام لوگوں کو کوئی تعجب نہیں ہوا ہے، انہیں صرف اس بات پر حیرت ہوئی کہ صادق صاحب تک یہ ''اطلاع'' کیوں کر پہنچ گئی؟ کیونکہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ صادق صاحب کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا اور خود چراغ بیگ کا بھی یہی خیال ہے کہ ہسپتالوں کی گمشدگی پر صادق صاحب کا اظہار حیرت اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے۔

جناب صادق صاحب کی حیرت میں اضافہ کرنے کے لیے چراغ بیگ ''گمشدگی'' کے کچھ ایسے واقعات کی نشاندہی کرنا چاہتا ہے کہ ان کے مقابلے میں دو ہسپتالوں کی ''گمشدگی'' کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ مجھے اُمید ہے کہ صادق صاحب انسپکٹر جنرل پولیس کو ان وارداتوں کا سراغ لگانے کے لیے بھی ہدایت کریں گے۔

....

فروری ۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں کچھ امیدوارانِ اسمبلی کے کاغذاتِ نامزدگی میں سے حلف نامے چوری ہو گئے تھے اور آج عرصہ چار سال سے یہ حلف نامے لاپتہ ہیں۔

....

کریوہ مانلو (شوپیان) کو پانی کی بہم رسانی کے لیے صادق صاحب نے چھ لاکھ روپے کی لاگت سے جو نہر تعمیر کروائی تھی وہ کہیں کھو گئی ہے اور تلاشِ بسیار کے بعد میں اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا ہے۔

....

مہاجرین کی لاکھوں نہیں، کروڑوں روپے کی جائیداد کا کوئی اتا پتہ معلوم نہیں اور مہاجرین کے باغات کی لاکھوں روپے کی آمدن سرکاری خزانے کے بجائے کسٹوڈین اور ڈپٹی کسٹوڈین کے مال خانوں میں جمع ہو رہی ہے۔ بڑی بڑی کوٹھیاں، عالی شان قالین اور لاکھوں روپے کا قیمتی فرنیچر سب کھو گیا ہے۔

....

ریاست کے ہسپتالوں کے لیے خریدی جانے والی ادویات میں سے ہر سال لاکھوں روپے کی قیمتی ادویات ہسپتالوں تک پہنچنے کی بجائے پرائیوٹ دوا خانوں میں کھو جاتی ہیں اور ہسپتالوں میں دوائی کے بدلے مریضوں کو پانی دیا جاتا ہے۔ یہ چوری اتنی منظّم اور اتنے مہذب پیمانے پر جاری ہے کہ شاید انسپکٹر جنرل پولیس بھی اس کا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہوں۔

....

صدر ہسپتال سرینگر میں بہت سے مریض ڈاکٹروں کی لاپرواہی، بے رحمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اپنی زندگی کھو دیتے ہیں۔ زندگی، جو پھر کبھی واپس نہیں ملتی۔ یوں کہیئے کہ معالج مریضوں کی زندگیاں چرا لیتے ہیں اس کا کوئی سدِ باب ممکن ہے یا نہیں؟۔

....

سرکاری سٹوروں میں سے ہر سال لاکھوں روپے کا لوہا، سیمنٹ اور دوسرا سامان چرایا جاتا ہے۔ دو سال قبل کچھ ''چوروں'' کو پکڑا بھی گیا تھا لیکن اس کے بعد چوری کا سلسلہ زیادہ سائنٹفک طریقے پر منظّم کیا گیا اور اب کسی چور کے پکڑنے کی کوئی خبر سننے کو نہیں آتی۔

....

اس سال کے شروع میں پلوامہ تحصیل ایجوکیشن آفس سے ۷۰ ہزار روپے کی رقم چوری ہوگئی تھی یہ سال ختم ہورہا ہے لیکن ۷۰ ہزار روپے کی یہ رقم ابھی تک چوروں کے پاس محفوظ ہے۔

....

شوپیان تحصیل کی بلڈنگ بنانے کے لیے جو اسی ہزار روپے کی رقم مخصوص کی گئی تھی وہ کچھ عرصے سے لاپتہ ہے اور معلوم نہیں کہ اُسے کون لے اڑا ہے۔

....

دو سال قبل سنٹرل جیل سرینگر سے تین قیدی گم ہوگئے تھے۔ اس گمشدگی کی تحقیقات کے لیے انسپکٹر جنرل پولیس کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس تحقیقات کا کیا ہوا، اور وہ قیدی اب کہاں ہیں؟۔

....

حکومت کے کئی منصوبے صادق صاحب کے کئی واضح احکامات اور ان کی کابینہ کے بہت سے فیصلے سرکاری فائلوں میں گم ہوکر ایک عرصے سے لاپتہ ہیں۔ اسی طرح ہزاروں لوگوں کی تقدیریں فائلوں کے بھنور میں گرفتار، اپنی بدقسمتی پر ماتم کر رہی ہیں۔ بیوروکریسی کی بھول بھلیوں میں کھوئے ہوئے منصوبوں اور الجھی ہوئی تقدیروں کو بچانے کے لیے انسپکٹر جنرل پولیس تو کچھ نہیں کر سکتے، لیکن صادق صاحب بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

اب رہی دو عدد ہسپتالوں کی بات، اس ضمن میں چراغ بیگ صرف یہ کہے گا کہ صادق صاحب اور ہم سب کو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ ان دو ہسپتالوں میں ابھی مریضوں کو داخلہ نہیں ملا تھا۔ ورنہ ہسپتالوں کے ساتھ ساتھ مریض

"اندرانامہ"

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے سرینگر وارد ہونے سے پہلے خواجہ غلام محمد صادق اور بخشی غلام محمد آپس میں یوں لڑ پڑے جیسے چھوٹے چھوٹے بچے گڈے گڈیوں کا بیاہ رچاتے ہوئے کبھی کبھی اُلجھ جاتے ہیں۔ بخشی صاحب کہتے ہیں کہ اندرا جی آئیں گی تو میں بھی ان کا استقبال کروں گا، صادق صاحب نے جواب دیا خبردار، اندرا جی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تمہاری خیر نہیں۔ وہ میری مہمان ہے اور اس کا استقبال صرف میں کروں گا۔ بخشی صاحب نے کہا، جا جا! تیری مہمان ہے؟ وہ تو میری دعوت پر یہاں آئی ہے، صادق صاحب بولے، ارے، رہنے بھی دے، چہ، پدی، چہ پدی کا شوربا، تیری دعوت پر تو اندرا کا نوکر بھی نہ آئے گا۔ یہ بحث چل ہی رہی تھی کہ دوسرے دن اندرا جی آ گئیں اور دونوں بچے کچھ دیر کے لیے سنبھل گئے۔

....

ہوائی اڈے کے بیرونی گیٹ سے اندر سجے ہوئے شامیانے کے دونوں طرف سرینگر کے زنانہ کالج کی طالبات شریمتی گاندھی کا استقبال کرنے کے لیے کھڑی تھیں۔ اندرا جی کا جہاز اترنے سے کچھ دیر پہلے سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد ہوائی اڈے میں داخل ہوئے۔ تو طالبات نے غیر ارادی طور پر تالیاں بجا بجا کر ان کا خیر مقدم کیا، طالبات کی یہ "بے ہودگی" دیکھ کر بہت سے متعلقہ لوگ سٹپٹائے، لیکن کر ہی کیا سکتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان

بھی غائب ہو جاتے اور ہاں اس گمشدگی سے صادق صاحب کو یہ سبق حاصل کرنا چاہئے کہ کاغذات پر دستخط کرنے سے نہ عوام کے مسئلے حل ہوتے ہیں اور نہ تعمیری منصوبے، جب تک وہ بیوروکریسی کی قید سے آزاد ہو کھلی فضا میں سانس لینے کا تجربہ نہ کریں ہسپتال تو کیا، ایک دن ان کی ساری حکومت لاپتہ ہو جائے گی۔ صادق صاحب کو سال میں ایک بار نہیں کئی بار ''دامنِ کوہ'' کی قید سے آزاد ہو کر دیہات کا دورہ کرنا چاہئے۔ اس سے زندگی کے متعلق ان کے نقطۂ نظر میں ایک صحت مند تبدیلی پیدا ہوگی۔ وہ اگر سرکاری افسروں اور چاپلوسوں کی ''دیوارِ چین'' توڑ کر باہر آ جائیں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ ان کے بہت سے منصوبے اور فیصلے ''گم'' ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

۱۹۷۰ء

”اندرانامہ“

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے سرینگر وارد ہونے سے پہلے خواجہ غلام محمد صادق اور بخشی غلام محمد آپس میں یوں لڑ پڑے جیسے چھوٹے بچے گڈے گڈیوں کا بیاہ رچاتے ہوئے کبھی کبھی اُلجھ جاتے ہیں۔ بخشی صاحب کہتے ہیں کہ اندرا جی آئیں گی تو میں بھی ان کا استقبال کروں گا، صادق صاحب نے جواب دیا خبردار، اندرا جی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تمہاری خیر نہیں۔ وہ میری مہمان ہے اور اس کا استقبال صرف میں کروں گا۔ بخشی صاحب نے کہا، جا جا! تیری مہمان ہے؟ وہ تو میری دعوت پر یہاں آئی ہے، صادق صاحب بولے، ارے، رہنے بھی دے، چہ، پدی، چہ پدی کا شوربا، تیری دعوت پر تو اندرا کا نوکر بھی نہ آئے گا۔ یہ بحث چل ہی رہی تھی کہ دوسرے دن اندرا جی آگئیں اور دونوں بچے کچھ دیر کے لیے سنبھل گئے۔

....

ہوائی اڈے کے بیرونی گیٹ سے اندر سجے ہوئے شامیانے کے دونوں طرف سرینگر کے زنانہ کالج کی طالبات شریمتی گاندھی کا استقبال کرنے کے لیے کھڑی تھیں۔ اندرا جی کا جہاز اترنے سے کچھ دیر پہلے سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد ہوائی اڈے میں داخل ہوئے۔ تو طالبات نے غیر ارادی طور پر تالیاں بجا بجا کر ان کا خیر مقدم کیا، طالبات کی یہ ”بے ہودگی“ دیکھ کر بہت سے متعلقہ لوگ سٹپٹائے، لیکن کر ہی کیا سکتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان

طالبات کو اس جرم میں دو روپیہ فی طالبہ جرمانے کی سزا دی گئی۔

....

ہوائی اڈے پر بخشی غلام محمد نے شریمتی گاندھی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی کئی کوششیں کی۔ لیکن جواہر لال کی بیٹی نے خالی نمستے پر ہی ٹرخا دیا، بخشی صاحب یہ بات ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اندرا جی سے میری بات چیت کامیاب رہی ہے۔ اندرا جی نے یہ ثابت کر دیا کہ بات چیت ہوئی ہی نہیں ہے، کامیابی، ناکامیابی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔

....

ہوائی اڈے سے گیسٹ ہاؤس پہنچتے ہی وزیر اعظم کانگریسی کارکنوں اور منتروں کے ایک وفد سے ملیں، اسی میٹنگ کے دوران شری نور محمد (وزیر مملکت تعلیم و سیاحت) نے مسز گاندھی کو بتایا کہ بخشی صاحب کا ماضی اتنا داغدار ہے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کے اشتراک سے کانگریس بدنام ہو جائے گی۔ شریمتی گاندھی نے کہا، ہاں، مجھے معلوم ہے اور میں بخشی صاحب کا ہی نہیں، آپ سب کا ماضی بھی جانتی ہوں، اس کے بعد نور محمد نے کیا کہا، مجھے معلوم نہیں، لیکن ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک کانگریسی کارکن کا بیان ہے کہ نور محمد کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

....

کانگریس ورکرس کی میٹنگ میں جب پیر غیاث الدین (سابق وزیر) اور عبدالغنی گونی (حال وزیر) نے شریمتی گاندھی سے کہا کہ ۱۹۷۲ء کے انتخابات کے متعلق کسی قسم کی پریشانی یا اندیشے کا کوئی جواز نہیں۔ تو مسز گاندھی مسکرا دیں۔ ایک عینی مشاہدین کا بیان ہے کہ کچھ ہی دیر بعد انہوں نے اننت

ناگ کے سابق ڈپٹی کمشنر عبدالخالق کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ آج کل کہاں ہیں؟ اور انہیں جب بتایا گیا کہ وہ ریٹائر ہو چکے ہیں تو وہ ایک بار پھر غیاث الدین اور گونی کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔ تم لوگوں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو جائیں گی۔

....

۱۵ رجولائی کو وزیر اعظم کے اعزاز میں، پولو گراؤنڈ میں جو جلسہ عام منعقد ہوا، اس میں حاضرین کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ چلچلاتی دھوپ میں گھنٹوں انتظار کرنے والا اتنا بڑا اجتماع سرینگر میں شاذ ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ سنا ہے کہ اس دن شام کو مجاہد منزل میں شیخ صاحب اور بیگ صاحب آپس میں بیٹھ کر یہ سوچ رہے تھے کہ یہ کشمیری لوگ ہیں کس کے ساتھ؟ اتنا بڑا مجمع دیکھ کر شریمتی گاندھی نے بھی سوچا ہوگا کہ یہ اتنے سارے لوگ اگر میرے ساتھ ہیں تو شیخ عبداللہ کے ساتھ کون ہے؟۔

....

جلسے میں بخشی غلام محمد بھی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لائے تھے اور انہیں بڑی مشکل سے پریس گیلری میں جگہ مل گئی۔ تیز دھوپ میں بیٹھے بیٹھے بخشی صاحب پسینے میں شرابور ہو رہے تھے، لیکن اُنہوں نے آخر دم تک وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیا۔ وہ بڑی حسرت سے اس ایک لاکھ کے مجمع کو دیکھ کر نہ معلوم کیا سوچ رہے تھے؟ غالباً یہ سوچ رہے تھے، کہ ان کم بختوں نے بھی مجمع اکٹھا کرنے کے سب گُر سیکھ لیے ہیں"۔

....

جلسہ گاہ میں شریمتی گاندھی کے تشریف لانے سے قبل، سید حسین (ممبر

پارلیمنٹ) گردھاری لال ڈوگرہ (وزیرخزانہ) غلام نبی سوگامی (ایم ، ایل ، اے) اور آغا سید احمد (ممبر پارلیمنٹ) ڈائس کے قریب کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ ایک سی ، آئی ، ڈی آفیسر نے انہیں وہاں سے اٹھا دیا کہ حفاظتی قواعد کی رُو سے کوئی شخص ڈائس کے قریب نہیں بیٹھ سکتا۔ ڈوگرہ صاحب اور سید حسین نے لاکھ زور دیا کہ بھئی ہم بہت شریف آدمی ہیں ۔ یہاں سائے میں بیٹھے ہیں ، ہمیں بیٹھنے دو ، سی ۔ آئی ، ڈی آفیسر نے ایک نہ مانی ، اور ان سب شریفوں کو وہاں سے اٹھا دیا اور دبی زبان سے کہا " بڑے آئے شریف کہیں کے ، شکل و صورت سے تو دس نمبری لگتے ہیں " ۔

....

مسز گاندھی کے سرینگر وارد ہونے سے دو چار دن قبل بڑے زوروں سے یہ پروپاگنڈا ہو رہا تھا کہ ۱۵ جولائی کو جلسۂ عام میں وہ کشمیر کے متعلق کوئی اہم اعلان کرنے والی ہیں ۔ لیکن شریمتی گاندھی نے جب اپنی تقریر کا زیادہ حصہ سوکھے اور بے کاری کے مسائل پر صرف کیا تو بہت سے لوگ (جن میں ، میں بھی شامل ہوں) مایوس نظر آنے لگے ۔

....

مسز گاندھی نے اپنی تقریر میں ریاست کے پنج سالہ پلانوں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے کہا ، کہ پہلے پنج سالہ پلان میں ریاست کو صرف ڈیڑھ کروڑ روپے کی رقم دی گئی حالانکہ پہلا پلان ڈیڑھ کروڑ نہیں ، ساڑھے گیارہ کروڑ روپے کا تھا ۔ میرے ایک دوست نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مسز گاندھی نے ٹھیک کہا ہے ، کل رقم ڈیڑھ کروڑ خرچ ہوئی ہے باقی دس کروڑ کا گول مال ہوا ہے اور اب اندرا جی کو اس کا پتہ چل گیا ہے ۔

....

پولوگراؤنڈ میں وزیراعظم کے اعزاز میں منعقدہ پبلک جلسے میں اس وقت نازک صورتِ حال پیدا ہوگئی، کہ جب مفتی محمد سعید (سابق نائب وزیر) پیر حسام الدین، محمد اشرف، مکھن لال فوطیدار (ایم، ایل، اے) نے قائد کارواں، صادق صاحب زندہ باد کے ساتھ ساتھ میر کارواں سید میر قاسم زندہ باد کے نعرے لگانے کا مطالبہ کیا۔ اُنہوں نے پردیش کانگریس کے سیکریٹری شری منکت رام سے کہا، کہ اگر سید میر قاسم زندہ باد کے نعرے نہ لگائے گئے تو وہ اور ان کے ساتھی جلسے سے اٹھ کر چلے جائیں گے۔ منکت رام نے انہیں سمجھا بجھا کر راضی کرنے کی کوشش کی، لیکن اننت ناگ کے ممبرانِ اسمبلی اپنی ضد پر قائم رہے۔ بعد میں غلام رسول کار کی مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہوگیا یاد رہے کہ قاسم صاحب اس دن نہ صرف جلسے میں موجود نہ تھے بلکہ ہندوستان میں بھی موجود نہ تھے۔ اس واقعہ سے کانگریس کے ''اندرونی اتحاد'' کا اندازہ ہوتا ہے۔

....

سرینگر سے روانہ ہونے سے قبل مدیر ''آئینہ'' شمیم احمد شمیم نے وزیر اعظم کی خدمت میں ''آئینہ'' کے سالنامے پیش کیے۔ ''آئینہ'' کا شیخ صاحب نمبر پیش کرتے ہوئے شمیم صاحب نے مسز گاندھی سے کہا کہ اب جب کہ آپ ہوم منسٹر بھی ہیں یہ نمبر آپ کے بہت کام آئے گا۔

''وہ کیوں؟ مسز گاندھی نے استفسار کیا،'' اس میں یہاں کے سب لیڈروں کا چال چلن درج ہے۔ شمیم صاحب نے وضاحت کی اور اندرا جی ہنس پڑیں۔

☆☆☆

اگست ۱۹۶۸ء

لوگ سوچتے ہیں کہ:-

شیخ محمد عبداللہ بہت دنوں سے خاموش کیوں ہیں؟ نہ کوئی بیان، نہ تقریر، کہیں چالیس سال بعد ان پر یہ عقدہ تو نہیں کھلا کہ بعض اوقات خاموشی سے وہ کام لیے جاسکتے ہیں، کہ جو تقریر و تحریر سے بھی نہیں لیے جاسکتے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خامشی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہے اور ۹ اگست کو ان کے دل کا غبار طوفان بن کر نکلنے والا ہے۔

....

میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب ابھی تک پُر تکلف ضیافتوں میں برابر شریک ہو رہے ہیں۔ کیا وہ مسلمانوں کو اصراف، فضول خرچی اور بے جا رسوم و رواج کی پابندی سے نجات دلانا اپنا فرض نہیں سمجھتے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ یکم اگست کو قاضی یار (زینہ کدل) میں ان کی ہدایت پر ریلجس میرتج کمیٹی کے ان تین ممبران کو بُری طرح زد و کوب کیا گیا کہ جو مسلمانوں کو رسومات بد سے پرہیز کرنے کی تلقین کر رہے تھے؟ کیا واز پورہ کے ''وازہ گاں'' کے مفادات تمام ملتِ اسلامیہ کے مفادات سے زیادہ مقدس اور محترم ہیں؟۔

....

میرزا محمد افضل بیگ نے نہایت سنجیدگی، توجہ اور انہماک سے وکالت شروع کر دی ہے اور وہ ہائیکورٹ سے اب رفتہ رفتہ عدالتِ مطالبہ خفیفہ تک پہنچ گئے ہیں۔ وکالت سے یہ گہری دلچسپی کہیں سیاست سے فرار کا آغاز تو

نہیں؟ کیونکہ سیاست ہی کی طرح وکالت کی بھول بھلیاں بھی بہت دلفریب، دلچسپ اور دلنواز ہوتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حق خوداریت کا مقدمہ ہار کر بیگ صاحب کا چرسیوں کی وکالت کرنا معنی خیز بھی ہے اور عبرتناک بھی!

....

ماسکو میں سید میر قاسم اور شری درگا پرشاد در کے درمیان کیا بات چیت ہوئی ہوگی؟ اس بات چیت میں بخشی صاحب کا نام کتنی بار اور صادق صاحب کا ذکر کتنی مرتبہ آیا ہوگا؟ دونوں دوست ایک دوسرے سے گلے مل کر روئے ہوں گے یا ایک دوسرے کی نظریں بچا کر، کچھ لوگوں کا خیال ہے، کہ درگا پرشاد جی نے روسی زبان میں کہا ہوگا "یار اس پردیس میں میرا کلیجہ پھٹ رہا ہے۔ مجھے واپس بلانے کو کوئی انتظام کرلو، قاسم صاحب نے فیض کا یہ مصرعہ دہرایا ہوگا۔

چند روز فقط میری جان ، چند روز !

....

مولانا محمد مسعودی کو خودکشی کے جرم میں گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا؟ یہ شخص دوستوں کی بے وفائی ، زمانے کی بے دردی ، حالات کی ستم ظریفی اور سیاستدانوں کی بے مروتی کا انتقام اپنے آپ سے کیوں لے رہا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ مولانا اپنے زخموں کی نمائش کر کے اس اندھیرے میں ، کچھ دیر کے لیے روشنی کا اہتمام کریں۔

....

بخشی غلام محمد کی نئی دوڑ دھوپ کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ بخشی صاحب نے نئی دہلی کے سوداگروں کو کوئی نیا مال بیچ کر اپنا کھویا ہوا اعتبار دوبارہ حاصل کرلیا ہو۔ پہلگام میں مفتی محمد سعید، پیارے لعل ہنڈو اور میر لسجن

کی خفیہ ملاقاتیں کہیں آنے والے واقعات کا پیش خیمہ تو نہیں ہیں ؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پینے نظر آئیں تو کوئی غیر معمولی حادثہ رونما ہوتا ہے۔

....

وزارت سے فراغت پاتے ہی پیر غیاث الدین کو شیخ محمد عبداللہ سے اس درجہ عشق کیوں ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اخبار میں شیخ صاحب کی مدح اور ان کے محافظوں کی قدح میں کالموں کے کالم سیاہ کر رہے ہیں؟ کہیں شیخ صاحب سے ان کی بڑھتی ہوئی محبت، وزارت سے محرومی کے خلاف ایک خاموش احتجاج کی حیثیت تو نہیں رکھتی؟

....

جماعت اسلامی کے سیف الدین قاری اور پولیٹیکل کانفرنس کے پیرزادہ علی شاہ و غلام احمد میر کس جرم کی پاداش میں نظر بند ہیں؟ اکثر لوگوں کے خیال میں ان تینوں حضرات کو سٹیٹ پیپلز کنونشن میں آزادی سے اظہار رائے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ان تینوں نظر بندوں سے اب یہ توقع رکھنا، کہ انہیں ہندوستان کے سیکولرازم اور جمہوریت پر مکمل وشواس ہوگا کیوں کر ممکن ہے۔

....

سرینگر کے صدر ہسپتال کو کس ستم ظریف نے شفا خانے کا نام دیا ہے؟ جہاں مریضوں کی جیب کاٹی جاتی ہو، ان کے زخموں پر نمک چھڑکا جاتا ہو، انہیں دھکے دے دے کر سیڑھیوں سے نیچے گرا دیا جاتا ہو اور جہاں ہر اُس چیز کا فقدان ہو کہ جو بیماری کے تشخیص اور علاج کے لیے بے حد ضروری ہو۔ اس جگہ کو شفا خانے کی بجائے ذبح خانہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا، اور اِس اعتبار سے

ڈاکٹر صاحبان کو قصائی صاحبان کہنا موزون ہوگا۔

....

سرینگر سے شائع ہونے والے اکثر اخبارات آئے دن گرلز سکولوں کی استانیوں کے خلاف بے بنیاد اور غیر ذمہ دارانہ مراسلے اور خبریں کیوں چھاپتے رہتے ہیں؟ کیا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بے زبان استانیاں اِس گندی صحافت کے خلاف احتجاج نہیں کرسکتیں ؟ بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ استانیوں کے خلاف مراسلات شائع کرانے میں ان بدمعاشوں کا ہاتھ ہوتا ہے، کہ جوان کو بدنام کرکے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔

....

وہ سٹیٹ پیپلز کنونشن کیا ہوا؟ کیا سٹیرنگ کمیٹی کے ارکان کوئی متفقہ حل پیش کرنے میں ناکام ہوئے ہیں؟ کیا کنونشن اپنے اندرونی تضادات کی کشمکش کا شکار ہوکر اپنی طبعی موت مرچکا ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بدلے ہوئے سیاسی حالات میں کنونشن کی افادیت کچھ کم ہوگئی ہے۔بعض لوگوں کا اندازہ یہ ہے کہ کنونشن شیخ صاحب اور فاروق صاحب کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلاف کی نذر ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

....

سرینگر کی میونسپلٹی کا فائدہ کس کو ہے اور اگر اس ادارے کو کلیتاً ختم کردیا جائے تو اس سے شہری زندگی پر کیا اثر پڑے گا؟ بعض دوراندیشوں کا خیال ہے کہ اگر میونسپلٹی کے تمام عملے کو چھٹی کرکے شہر بدر کردیا جائے تو شہر میں صفائی اور حفظانِ صحت کا معیار مقابلتاً بہت بلند ہوجائے گا۔کچھ ستم ظریفوں کی رائے ہے کہ سرینگر میونسپلٹی کا نام بدل کر ''ادارہ غلاظت ونجاست'' رکھا جائے تا کہ

نام اور کام میں کچھ تو مناسبت نظر آئے !۔

....

انجینئرنگ کالج کے تین استادوں کو ملازمت سے سبکدوش کرنے میں کیا مصلحت ہے اور انہیں کس شکایت کی بنیاد پر یہ سزا دی گئی ہے؟ کیا حکومت کا خیال ہے کہ اس ادارے میں اب ہمیشہ کے لیے امن وامان قائم ہو جائے گا اور کیا اس بات کا اطمینان کر لیا گیا ہے کہ ان تین استادوں کی سبکدوشی کے بعد کالج تمام شر پسند عناصر سے پاک وصاف ہو گیا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ سبکدوش ہونے والے اساتذہ کو کالج کے نا اہل پرنسپل مسٹر دیو کی سفارش پر چھٹی کر دی گئی ہے کیونکہ مسٹر دیو اور مسٹر داوے کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس طرح وہ اپنی نا اہلیت اور نا قابلیت پر پردہ ڈال سکیں گے !۔

....

کشمیری زبان کے مشہور شاعر رحمان راہی کو سرینگر کے دماغی ہسپتال میں داخل کر لینا چاہیئے کہ ان کا دماغی توازن کچھ عرصے سے بگڑ ہوا نظر آتا ہے ریڈیو کشمیر کے آڈی ٹیوریم میں کچھ سوالات کا جواب دیتے ہوئے اُنہوں نے یہ ارشاد فرمایا: کہ بحثیت شاعر مجھ پر کوئی سماجی یا اخلاقی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی مجھے اس سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ میری شاعری سے قاتلوں کو تقویت ملتی ہے یا مقتولوں کو، ظالم کو شہ ملتی ہے یا مظلوم کو، میں تو شاعر ہوں، خالص شاعر، ایک دوست نے تجویز کیا ہے کسی من چلے کو ایک نوکدار پتھر سے راہی کا سر پھوڑ دینا چاہیئے اور جب راہی احتجاج کرے تو اسے یہ بتانا چاہیئے کہ پتھر تو غیر جانب دار ہے اس کو کیا معلوم کہ کس کا سر زخمی کر دیا۔

☆☆☆

اُلجھنیں

پچھلے چند ہفتوں کے دوران سیاسیات کشمیر نے کچھ ایسے رنگ بدلے ہیں کہ بڑے بڑے سیاسی پہلوان، قانون داں اور مہدہ خان چکر میں پڑ گئے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کرے؟ سیاسی لیڈروں کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس اُلجھن میں ہیں کہ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کہاں جا کر دم لیں گے؟ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے سیاسی کارکن اس مخمصے میں ہیں کہ وہ حالات کی برق رفتاری کا ساتھ دے سکیں گے یا نہیں؟ ''وفادار'' سرکاری ملازموں کو یہ پریشانی، کہ وہ اپنی وفاداری کو کس کھونٹی پر لٹکا دیں؟ غدار دوستوں کو یہ تشویش کہ اپنی وفاداری کا یقین کیوں کر دلائیں؟ غرض ہر شخص، ایک نہ ایک مصیبت کا شکار اور کسی نہ کسی اُلجھن میں گرفتار۔ ہمارے نمائندے نے کچھ قابل ذکر اُلجھنوں کی فہرست مرتب کر کے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اس فہرست کو آپ کی خدمت میں پیش کریں تا کہ حالات، واقعات اور حادثات کے ساتھ ساتھ کچھ قابل ذکر لوگوں کی نفسیات سمجھنے میں بھی مدد ملے۔

....

شیخ محمد عبداللہ اس اُلجھن میں ہیں، کہ انہیں کیا کرنا چاہئے؟ وہ ریاست میں اپنے داخلے پر پابندی کا احترام کرتے ہیں، تو اُن کی سیاسی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی خلاف ورزی کریں گے تو حکومت کو انہیں گرفتار کرنے کا جواز مل جائے گا۔ یعنی وہ ریاست سے باہر رہیں تو ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

نام اور کام میں کچھ تو مناسبت نظر آئے !۔

....

انجینئرنگ کالج کے تین استادوں کو ملازمت سے سبکدوش کرنے میں کیا مصلحت ہے اور انہیں کس شکایت کی بنیاد پر یہ سزا دی گئی ہے؟ کیا حکومت کا خیال ہے کہ اس ادارے میں اب ہمیشہ کے لیے امن و امان قائم ہو جائے گا اور کیا اس بات کا اطمینان کر لیا گیا ہے کہ ان تین استادوں کی سبکدوشی کے بعد کالج تمام شر پسند عناصر سے پاک وصاف ہو گیا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ سبکدوش ہونے والے اساتذہ کو کالج کے نا اہل پرنسپل مسٹر دیو کی سفارش پر چھٹی کر دی گئی ہے کیونکہ مسٹر دیو اور مسٹر داوے کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس طرح وہ اپنی نا اہلیت اور نا قابلیت پر پردہ ڈال سکیں گے !۔

....

کشمیری زبان کے مشہور شاعر رحمان راہی کو سرینگر کے دماغی ہسپتال میں داخل کر لینا چاہئے کہ ان کا دماغی توازن کچھ عرصے سے بگڑ ہوا نظر آتا ہے ریڈیو کشمیر کے آڈیٹوریم میں کچھ سوالات کا جواب دیتے ہوئے اُنہوں نے یہ ارشاد فرمایا: کہ بحیثیت شاعر مجھ پر کوئی سماجی یا اخلاقی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی مجھے اس سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ میری شاعری سے قاتلوں کو تقویت ملتی ہے یا مقتولوں کو، ظالم کو شہ ملتی ہے یا مظلوم کو، میں تو شاعر ہوں، خالص شاعر، ایک دوست نے تجویز کیا ہے کسی من چلے کو ایک نوکدار پتھر سے راہی کا سر پھوڑ دینا چاہئے اور جب راہی احتجاج کرے تو اسے یہ بتانا چاہئے کہ پتھر تو غیر جانب دار ہے اس کو کیا معلوم کہ کس کا سر زخمی کر دیا۔

☆☆☆

اُلجھنیں

پچھلے چند ہفتوں کے دوران سیاسیات کشمیر نے کچھ ایسے رنگ بدلے ہیں کہ بڑے بڑے سیاسی پہلوان، قانون داں اور مہدہ خان چکر میں پڑ گئے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کرے؟ سیاسی لیڈروں کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس الجھن میں ہیں کہ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کہاں جا کر دم لیں گے؟ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے سیاسی کارکن اس مخمصے میں ہیں کہ وہ حالات کی برق رفتاری کا ساتھ دے سکیں گے یا نہیں؟ ''وفادار'' سرکاری ملازموں کو یہ پریشانی، کہ وہ اپنی وفاداری کو کس کھونٹی پر لٹکا دیں؟ غدار دوستوں کو یہ تشویش کہ اپنی وفاداری کا یقین کیوں کر دلائیں؟ غرض ہر شخص، ایک نہ ایک مصیبت کا شکار اور کسی نہ کسی الجھن میں گرفتار۔ ہمارے نمائندے نے کچھ قابل ذکر الجھنوں کی فہرست مرتب کر کے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اس فہرست کو آپ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ حالات، واقعات اور حادثات کے ساتھ ساتھ کچھ قابل ذکر لوگوں کی نفسیات سمجھنے میں بھی مدد ملے۔

....

شیخ محمد عبداللہ اس الجھن میں ہیں، کہ انہیں کیا کرنا چاہیۓ؟ وہ ریاست میں اپنے داخلے پر پابندی کا احترام کرتے ہیں، تو اُن کی سیاسی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی خلاف ورزی کریں گے تو حکومت کو انہیں گرفتار کرنے کا جواز مل جائے گا۔ یعنی وہ ریاست سے باہر رہیں تو ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

وہ ریاست میں آنے کی کوشش کریں تو حکومت کا مقصد پورا ہوتا ہے اسی کشمکش میں دو ہفتے گذر گئے۔ آئندہ وہ کیا کریں گے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

....

میرزا افضل بیگ نے صرف ایک ماہ قبل یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر حکومت انہیں اسمبلی میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے دروازہ بند کرے، تو وہ کھڑکی سے کود یں گے، حکومت کھڑکی بند کردے گی تو وہ چھت سے ٹپکیں گے، چھت سے راستہ نہ ملے تو وہ دیوار میں سوراخ کر کے داخل ہوں گے۔ ان دنوں وہ دلی میں بیٹھ کر یہ سوچ رہے ہیں کہ اب ''اندر'' جانے کے لیے نہیں، اندر سے باہر نکلنے کے لیے کوئی ایسا سوراخ کرنا پڑے گا کہ جس سے ان کی جماعت کے سینکڑوں کارکن باہر آسکیں گے، بیگ صاحب کی الجھن یہ ہے کہ وہ خود نہ اندر ہیں نہ باہر، بلکہ بیرونی خلا میں پرواز کر رہے ہیں۔

....

عوامی ایکشن کمیٹی کے سربراہ میر واعظ مولوی محمد فاروق اس الجھن میں مبتلا ہیں کہ یہ نامراد حکومت انہیں گرفتار کیوں نہیں کرتی، اگر شیخ صاحب اور بیگ صاحب پر علیحدگی پسندی یا پاکستان نوازی کا الزام ہے تو وہ اس الزام سے کب بری ہیں، جو حکومت انہیں نظر انداز کر رہی ہے میر واعظ صاحب سخت پریشان ہیں کہ ریاستی حکومت کا یہ تجاہل عارفانہ ان کے حق میں مفید ثابت نہ ہوگا اور انہیں کسی قیمت پر بھی ریاست بدر کیا جانا چاہیئے۔ مولانا فاروق کو اس بات پر سخت تعجب اور تاسف ہے کہ حکومت نے محاذ رائے شماری کو تو خلافِ قانون جماعت قرار دیا ہے لیکن عوامی ایکشن کمیٹی کو نظر انداز کیا ہے۔

....

بخشی غلام محمد کی الجھن یہ ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کے اس سوال کا کیا جواب دیں کہ ہم کہاں ہیں؟ اُن سے ان کی جماعت .... نیشنل کانفرنس کے اکثر کارکن یہ پوچھتے ہیں کہ ہم نیشنل کانفرنس میں ہیں، یا نیشنل کانگریس میں...... اور بخشی صاحب کو چونکہ ابھی خود بھی اس سوال کا جواب معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں، اس لیے وہ زبردست الجھن میں مُبتلا ہیں۔ پارٹی چیرمین شری شیام لعل صراف نے بخشی صاحب سے مشورہ کیے بغیر یہ اعلان کر دیا کہ ہم پٹھانکوٹ تک نیشنل کانفرنس ہیں اور پٹھانکوٹ سے آگے کانگریس ہیں۔ یعنی ہم بیک وقت کوٹ پتلون اور ساڑھی میں ملبوس ہیں۔ صراف صاحب کی اس وضاحت سے بخشی صاحب کی الجھنوں میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

....

کانگریسی لیڈروں اور کارکنوں کی اکثریت اس الجھن میں گرفتار ہے کہ ان کی عقیدت اور وفاداری کا جغرافیہ کیا ہونا چاہیئے؟ وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کی حالیہ بیماری کے بعد سے اس الجھن میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے اور کارکنوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا ہے، کہ ان کا لیڈر کون ہے؟ صادق صاحب سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہیں، قاسم صاحب کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ ہیں۔ ایک کانگریسی لیڈر نما کارکن کا کہنا ہے کہ ایسی مشکل صورت پچھلے چوبیس پچیس برسوں میں نہ آئی تھی، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

....

جن سنگھ کے پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ اور بلدیو سنگھ سخت ذہنی عذاب میں مبتلا ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کریں۔ کل ہند سطح پر جن سنگھی لیڈر شیخ محمد عبداللہ، میرزا افضل بیگ اور ان کی جماعت محاذ رائے شماری پر

پابندی عائد کرنے کے حق میں ہیں، لیکن ریاستی سطح پر پنڈت جی اور بلدیو سنگھ کو یہ کاروائی اس لیے ناپسند ہے کہ اس سے ڈاکٹر کرن سنگھ کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے میں مشکل پیش آئے گی۔ دونوں لیڈر اسی کشمکش میں مبتلا ہیں کہ قومی لیڈر شپ کا احترام کر کے خاموش رہیں یا احتجاج کا علمِ بغاوت بلند کریں۔

....

مولانا محمد سعید مسعودی، گوشہ نشینی کے باوجود بے حد پریشان ہیں کہ ان کے تجویز کردہ علاج سے بیمار روبہ صحت ہونے کی بجائے مرض الموت میں مبتلا ہو گیا ہے۔ کئی سال ہوئے مولانا نے بندوق کی بجائے صندوق کا نسخہ تجویز کیا تھا اور چار سال کی تاخیر کے بعد جب صندوق والے نسخے پر عمل درآمد شروع ہونے والا تھا تو دفعتاً بندوق چل گئی اور صندوق ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں اُڑ گیا۔ اب بندوق ہی بندوق ہیں اور صندوق کہیں نظر نہیں آتا۔ مولانا کو یہ فکر لاحق ہے کہ یہ خونِ ناحق بھی ان ہی کے اعمال نامے میں درج کیا جائے گا۔

....

سابق وزیر مال سفیر شری درگا پرشاد در کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ماسکو کے چڑیا گھر سے فرار کیسے ہوں اور فرار ہو کر جائیں کہاں۔ کچھ نیم حکیموں نے انہیں سفارت سے مستعفی ہو کر لوک سبھا کے لیے انتخاب لڑنے کا مشورہ دیا ہے اور اب الجھن یہ ہے کہ وہ انتخاب لڑیں تو کہاں سے؟ کیونکہ ابھی تک کسی حلقۂ انتخاب نے انہیں اپنا متبنیٰ بنانے کی کوئی پیشکش نہیں کی ہے۔ ویسے درگا پرشاد جی نے آج تک کبھی انتخابات لڑنے کی حماقت نہیں کی ہے۔ معلوم نہیں اس بڑھاپے میں وہ یہ حماقت کریں یا نہیں؟

....

سرینگر کے پارلیمانی حلقہٗ انتخاب کے کانگریسی کارکنوں کے سامنے یہ الجھن ہے کہ وہ لوک سبھا کے وسط مدتی انتخاب میں بخشی صاحب کے لیے کس منہ سے ووٹ مانگیں؟ صرف ایک ماہ قبل بخشی صاحب کانگریسی لیڈروں کے فرمان کے مطابق ''بددیانت، غاصب، ناقابلِ اعتبار اور قابل گردن زدنی'' تھے اور اب وہ بہ یک جنبش قلم، سوشلزم، سیکولرازم اور جمہوریت کے قابلِ احترام ستون بن گئے ہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ عوام کا حافظہ اتنا کمزور نہیں کہ وہ کانگریسی رہنماوں کے کل کے بیانات آج بھول جائیں۔ لوگوں کو تو ابھی تک چار سال قبل کی وہ انتخابی مہم بھی یاد ہے کہ جب کانگریسی لیڈر راور ورکر گھر گھر جاکر بخشی صاحب کو کشمیری عوام کا سب سے بڑا دشمن ثابت کرنے کے لیے قسمیں کھایا کرتے تھے۔ اب یہی لوگ انہیں سب سے بڑا محبّ وطن ثابت کرنے کے لیے ہر ممکن جھوٹ بولنے پر مامور کیے گئے ہیں اور یہ بچارے جائز طور پر اس الجھن میں مبتلا ہیں کہ ان کی قسموں کا اعتبار کون کرے گا۔

....

ضلع اننت ناگ کے پارلیمانی امیدوار شیم احمد شمیم کو یہ فکر ہے کہ انتخاب کے ضروری اخراجات کے لیے روپے کہاں سے آئیں گے جب کہ کانگریسی امیدوار محمد شفیع قریشی کو یہ غم کھائے جارہا ہے کہ ان کے حق میں ووٹ دینے کے لیے ووٹر کہاں سے آئیں گے؟ یعنی اول الذکر کو نوٹوں کی اور موخر الذکر کو ووٹوں کی تلاش ہے۔ غرضیکہ دونوں ایک ایسی الجھن میں مبتلا ہیں کہ جس کا کوئی فوری حل ممکن نہیں!۔

☆☆☆

۱۹۷۰ء

سٹیٹ پیپلز کنونشن کی جھلکیاں

سٹیٹ پیپلز کنونشن کا دو سرا اجلاس ۸ جون سے شروع ہو کر ۱۳ جون کو ختم ہو گیا اور اس میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ساٹھ سے زیادہ تجاویز پیش ہوئیں اور پچاس کے لگ بھگ تقریریں ہوئیں ۔ تجویزوں اور تقریروں کے اس خشک ماحول میں کبھی کبھی نوک جھونک اور شوخیوں کے شگوفے بھی پھوٹتے رہے ، ہمارے نمائندے نے انھی شگوفوں سے ایک گلدستہ تیار کیا ھے جسے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ھیں .... ادارہ

....

پروگرام کے مطابق ۸ جون کو کنونشن کی کاروائی کا آغاز ٹھیک دس بجے ہونا تھا، لیکن ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے تک ڈیلی گیٹ حضرات مجاہد منزل کے صحن میں ٹہل رہے تھے اور کنونشن کی کاروائی پونے بارے بجے کے قریب شروع ہو گئی۔ بات دراصل یہ ہے کہ کشمیر میں ڈیڑھ، دو گھنٹے کی تاخیر کوئی بات نہیں سمجھی جاتی، اور شیر کشمیر سے لے کر پیرِ فرتوت تک کوئی بھی کشمیری اپنے آپ کو وقت کا پابند نہیں سمجھتا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق کنونشن ۱۰ تاریخ کو ختم ہونا چاہیے تھا، لیکن کاروائی کے طول پکڑنے کی وجہ سے کنونشن میں مزید تین دن دن کی توسیع کرنا پڑی، ایک صاحب نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ آخر ۲۳ سالہ

پرانا مسئلہ ہے اسے حل کرنے میں کم از کم ۲۳ دن تک غور و فکر کرنا ضروری ہے!

....

اب کی بار مجاہد منزل باقاعدہ دو حصوں میں بٹ گیا تھا، ڈائس کے دائیں طرف ریٹائرڈ افسروں، مولوی صاحبان اور مفتی صاحبان کا اجتماع تھا اور بائیں طرف ترقی پسند نوجوان، وکلا، سیاسی کارکن اور بیرونی مہمان تشریف فرما تھے۔ درمیان میں زیادہ تر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ جو ہر تقریر اور ہر تجویز کی تائید میں اپنا سر ہلاتے تھے یا وقتاً فوقتاً تالیاں بجاتے تھے ہال میں دائیں اور بائیں بازو کی یہ تقسیم آخری دن تک برقرار رہی۔

....

اجلاس کی کاروائی شروع ہوتے ہی آئینی نکتوں پر وہ زوردار گھمبیر بحث شروع ہوگئی کہ افتتاحی اجلاس کا زیادہ تر حصہ انہی آئینی گھتیوں کو سلجھانے میں صرف ہوا۔ خواجہ غلام حسن خان (ریٹائرڈ چیف انجینئر) اور خواجہ مبارک شاہ نقشبندی (ریٹائرڈ سیشن جج) ایسی ایسی قانونی موشگافیاں پیدا کرتے رہے کہ آخر میں شمیم احمد شمیم کو یہ کہنا پڑا کہ "صاحبو! یہ کوئی عدالت نہیں ہے کہ آپ قانونی اور آئینی باریکیوں میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ہم یہاں ایک سیاسی مسئلے کا حل ڈھونڈنے کے لیے آئے ہیں۔ وکالت چھوڑ و اور کام کی بات کرو۔

....

خواجہ غلام حسن خان نے سٹیرنگ کمیٹی کی طرف سے پیش کردہ ریزو لیوشن پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ کشمیر کے مسئلے کا حل ہماری جنگ آزادی کی بنیادی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہئے، میں

پوچھتا ہوں کہ کون سی جنگ آزادی اور کن کی جنگ آزادی۔

''یہ وہی جنگ آزادی ہے، جو ہم اس وقت لڑ رہے تھے، کہ جب آپ سرکاری ملازمت میں تھے۔ شیخ صاحب نے غصے کی ہلکی سے آمیزش کے ساتھ خان صاحب کی معلومات میں اضافہ کیا۔

....

خواجہ مبارک شاہ نقشبندی ایک شرارتی بچے کی طرح ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد اچک کر ڈائس پر حملہ آور ہوتے تھے اور ہر بار شیخ صاحب کو انہیں قابو میں رکھنے کے لیے اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال کرنا پڑتا۔ نقشبندی صاحب نون میں نکتہ پیدا کر کے دراصل اپنی قانونی قابلیت کا مظاہرہ کرتے تھے، لیکن ان کی توضیح اور تشریح اتنی دور از کار ہوتی تھی کہ یہ سامعین کو قائل کرنے کی بجائے ان کی تفریح کا سامان بنتی۔

....

کشمیر ہائیکورٹ کے ریٹائرڈ جج مسٹر شمیری چھ روزہ کاروائی کے دوران اکثر وقت گاؤ تکیئے کے سہارے ٹانگیں پسار کر لیٹے رہے۔ ان کی دیکھا دیکھی مبارک شاہ نقشبندی بھی ٹانگیں پھیلا کر خراٹے مارتے رہے۔ اس طرح دونوں بزرگوں نے سوئی ہوئی قوم کو سوتے رہنے کی ترغیب دے ک اپنا فرض پورا کر لیا۔

....

سٹیرنگ کمیٹی کے ریزولیوشن میں سیکولر ڈیموکریسی کی اصطلاح پر اعتراض کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے سیف الدین قاری نے کہا کہ انہیں لفظِ سیکولر پر اعتراض نہیں ہے، لیکن ہندوستان میں سیکولرازم کا جو حشر ہوا

ہے اس کے پیشِ نظر میں یہ سمجھتا ہوں کہ سیکولر لفظ غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے۔
جب ترمیم شدہ ''سیکولر قوتوں'' کی تعریف کی گئی تو قاری صاحب نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ انہیں لفظِ سیکولر پر اعتراض ہے۔ اور جب تک اسے حذف نہ کیا جائے وہ مطمئن نہیں ہوں گے۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک غیر ریاستی اخبار نویس نے مجھے سے پوچھا کہ ''قاری صاحب جن سنگھ سے تعلق رکھتے ہیں یا جماعتِ اسلامی سے؟''۔

....

روگھناتھ ویشنوی ایڈوکیٹ نے اپنے مقالے میں زیادہ تر مختلف سیاسی لیڈروں سے اپنی گفتگو اور خط و کتابت کا احوال درج کیا تھا اور یہی نہیں، اُنہوں نے ملاقات کے وقت اور جگہ کے متعلق بھی وسیع معلومات فراہم کی تھیں۔ ویشنوی صاحب کے بیان کے مطابق اُنہوں نے وزیراعظم کوسی گن کو ۱۹۵ الفاظ پر مشتمل ایک تار بھی ارسال کیا تھا اور اس کے علاوہ وزیراعظم ہندوستان اور صدر پاکستان کو کئی رجسٹرڈ خط بھی روانہ کیے، جن کی ان کے پاس با قاعدہ رسید موجود ہے۔ ایک دوست نے ویشنوی صاحب کے مقالے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ آدمی اپنی آمدنی کا اسی فیصد حصہ ڈاک خانے اور تار گھر کی نذر کرتا ہوگا''۔

....

مفتی بشیر الدین اور مفتی رشید الدین کی رقابت، کنونشن کی کاروائی کے دوران کبھی کبھی غیر معمولی دلچسپی پیدا کرتی رہی۔ ایک بار مفتی بشیر الدین نے کسی موضوع پر تقریر کرنے میں پہل کی، مفتی رشید الدین سے رہا نہ گیا وہ جلدی میں ایزار بند باندھتے ہوئے مائیک پر پہنچ گئے تاکہ تقریروں کی اس

جنگ میں مفتی بشیر الدین مفتی اعظم نہ بن بیٹھے۔ مفتی رشید الدین کی اس بد حواسی سے حاضرین خوب محظوظ ہوئے۔

....

مفتی بشیر الدین صاحب نے کشمیر کے مسئلے کا حل پیش کرتے ہوئے اسے ریاستی عوام کی بجائے پچاس لاکھ فرزندانِ توحید کا مسئلہ قرار دیا تھا سامعین میں سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا پنڈت پریم ناتھ بزاز فرزندانِ توحید میں شامل ہیں، مفتی صاحب اس غیر متوقع سوال سے گھبرا گئے اور اُنہوں نے اپنی غلطی کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"بزاز صاحب تو ۹۹٪ مسلمان ہی ہیں" یہ ایک فیصد کمی کیا ہے؟ کسی نے دریافت کیا۔"

"یعنی ختنہ باقی ہے، شیخ صاحب نے برجستہ کہا اور سارا ہال پانچ منٹ تک قہقہوں سے گونجتا رہا۔

....

کشمیر کے مشہور تاجر اور واحد پارسی شہری مسٹر (لپسٹن) یسٹن جی نے کشمیر کے مسئلے کا یہ حل تجویز کیا کہ موجودہ جنگ بندی لائن کو مستقل قرار دے دیا جائے، ان کے خیال میں جنگ بندی لائن کے اس پار رہنے والے کشمیری نہیں ہیں اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ خواجہ غلام حسن خان نے ان سے دریافت کیا: " آپ کی رائے میں جنگ بندی لائن کے اُس پار رہنے والے کشمیری نہیں ہیں؟ اس تعریف کی روشنی میں آپ اور آپ کے کنبے کے پانچ افراد کشمیری ہیں یا نہیں؟ کیونکہ آپ بمبئی اور آپ کی بیوی کراچی کی رہنے والی ہیں لپسٹن جی نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ غالباً اس لیے کہ یہ بہت

نازک سوال تھا"۔

....

سیکولرازم پر بحث کے دوران مولانا مسعودی کے فرزند شبیر احمد مسعودی سرگوشیوں میں سیکولرازم کی مخالفت کرر ہے تھے ۔اُنہوں نے سیکولرازم کی مخالفت میں نیچے بچھے ہوئے قالین کونوچ ڈالا لیکن کھڑے ہوکر تقریر کرنے کی ہمت نہیں کی ۔ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک ڈیلی گیٹ نے پوچھا کہ جو کچھ مجھ سے کہہ رہے ہو وہ مائیک پر جاکر سب سے کیوں نہیں کہتے تو شبیر صاحب نے جواب دیا کہ مناسب نہیں ہے، اس سے غلط فہمی پیدا ہو جائے گی ، ایک دوست نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا محمد سعید مسعودی کا بیٹا ہے کبھی کھل کے بات نہیں کرے گا۔

....

جموں کے کمل شرما نے اپنے پیپر میں دعویٰ کیا تھا کہ کشمیر سے ہزاروں کشمیری پنڈت ،اپنی جائیدادیں فروخت کر کے جموں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں آباد ہورہے ہیں اوراس کی وجہ عدم تحفظ کا شدید احساس ہے،کمل شرما کے خیال میں کشمیری پنڈتوں کا یہ اخراج کشمیر کے سیکولرازم کی روایات کے شایانِ شان نہیں ۔ پیپر پر بحث کے دوران شمیم احمد شمیم نے دریافت کیا کہ کہ کیا مسٹر کمل شرما،ان ہزاروں کشمیری پنڈتوں میں سے ایک کا نام لے سکتے ہیں کہ جس نے جان ، مال یا مستقبل کو خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے اپنی جائیداد بیچی ہو۔

بہت سے ایسے لوگ جموں میں آباد ہیں۔کمل شرما نے جواب دیا۔آپ ایک کا نام بتا سکتے ہیں۔مسٹر شمیم نے دریافت کیا۔جی نہیں، میں نے یہ افواہاً

سنا ہے، کمل شرما نے اعتراف کیا۔

....

عوامی ایکشن کمیٹی کے ایک سرکردہ کارکن غلام حسن انقلابی نے اپنے پیپر میں یہ انکشاف کیا، کہ پاکستانی آئین میں کشمیر کو ایک خصوصی درجہ دیئے جانے کی گنجائش موجود ہے۔

شری وید بھسین نے دریافت کیا کہ انقلابی صاحب کس آئین کی بات کر رہے ہیں کیونکہ پاکستان میں پچھلے دس بارہ سال سے کوئی آئین ہی نہیں ہے، انقلابی صاحب اس سوال سے کچھ پریشان سے ہو گئے۔ تو شیخ صاحب نے ان کی مشکل حل کر دی ''غالباً انقلابی صاحب ۱۹۵۶ء کے آئین کی بات کر رہے ہیں۔

....

ریاستی ہائیکورٹ کے سابق جج مسٹر شہمیری نے یہ تجویز پیش کی کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ شہمیری صاحب نے کہ اُنہوں نے مشہور سرُوَدیہ لیڈر جے پرکاش نرائن کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مصالحت کرنے کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کر دی تھیں'' تو کیا جے پرکاش نرائن نے آپ کی خدمات سے استفادہ کیا؟ میرزا افضل بیگ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ شہمیری صاحب سے دریافت کیا ''جی نہیں''، شہمیری صاحب نے بڑی معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔

''اُنہوں نے بہت اچھا کیا'' بیگ صاحب نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا اور مجاہد منزل کا ہال قہقہوں سے گونج اُٹھا۔

....

جماعت اسلامی کے سیف الدین قاری صاحب کنونشن کے پہلے اجلاس سے لے کر آخری اجلاس تک کنونشن کی کاروائی میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ کاروائی کے پہلے دن سیکولرازم کے سوال پر بحث چھیڑ کر وہ اپنی کارکردگی سے بہت مطمئن نظر آتے تھے لیکن آخری روز جب انہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تو اُنہوں نے یہ الزام عائد کیا کہ کنونشن کے منتظمین نے چُن چُن کر اپنے آدمی لائے ہیں ۔یعنی اگر قاری صاحب کی تجویز مان لی جاتی تو کنونشن صحیح معنوں میں نمائندہ تھا اور اب جب ان کی تجویز کثرت رائے سے نہیں، اتفاق رائے سے نامنظور ہوگئی تھی تو وہ کنونشن کی نمائندہ حیثیت پر معترض ہوئے۔اس پر بھی انہیں یہ دعویٰ ہے کہ وہ سچے مسلمان ہیں!

....

پیرزادہ علی شاہ کے پیپر پر بحث کے دوران کنونشن کے چیرمین شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستانی حملے سے پہلے ہم نے موجودہ وزیراعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کو پاکستانی لیڈروں سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا تھا اور صادق صاحب جب اُن سے ملے تو.......... ''یہ غلط ہے، صادق صاحب وہاں کسی سے نہیں ملے، وہ وہاں ہوٹل میں تھے''۔ڈاکٹر اشرف نقشبندی نے شیخ صاحب کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''نہیں صادق صاحب، لیاقت علی خان اور دوسرے لیڈروں سے ملے اور ....شیخ صاحب نے ڈاکٹر اشرف سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ غلط ہے، ڈاکٹر اشرف نے اپنی بات دہرائی اس پر شیخ صاحب کو بڑا تاؤ آیا اور اُنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو جھاڑ پلائی کہ جب انہیں واقعات کا علم

نہیں ہے تو وہ کیوں ٹانگ اڑاتے ہیں۔

"ڈاکٹر اشرف نقشبندی صاحب صادق صاحب کے پڑوس میں رہتے ہیں، اس لیے زیادہ بہتر جانتے ہوں گے"۔ شمیم احمد شمیم نے ڈاکٹر نقشبندی کی وکالت کرنا چاہی مگر بے سود!

میرے ساتھ ایک بیٹھے ہوئے دوست نے کہا "یہ سب نقشبندی ایک جیسے ہیں۔

....

"سیکولرازم پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ہال کے "دائیں بازو" کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ دور میں کوئی مسلمان ملک بھی سیکولرازم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ تو اس پر خواجہ غلام حسن خان اور مولوی عباس نے سخت احتجاج کیا۔

"پنڈت پریم ناتھ بزاز ہماری طرف دیکھ کر ہمیں چیلنج دے رہے ہیں، انہیں اپنا چیلنج واپس لینا ہوگا"۔ ریٹائرڈ چیف انجینئر غلام حسن خان چلائے۔

"میں کوئی چیلنج نہیں دے رہا ہوں، اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہوں۔" بزاز صاحب نے اپنی صفائی پیش کی۔

"لیکن پھر ہماری طرف کیوں دیکھ رہے ہیں"۔ خان صاحب نے سوال کیا، بزاز صاحب سے اِس سوال کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔

....

اجلاس کے آخری دن چار ساڑھے چار گھنٹے کی بحث کے بعد جب سٹیرنگ کمیٹی کی طرف سے پیش کردہ قرارداد کثرتِ رائے سے پاس ہوگئی اور چیرمین نے ایجنڈا کا دوسرا آئیٹم اٹھایا تو پولیٹکل کانفرنس کے غلام احمد میر نے

یہ دریافت کیا، کہ آئینی خاکے سے متعلق قرارداد کا کیا ہوا؟

'' آئینی خاکہ بھی اسی قرارداد کا ایک حصہ ہے اور وہ آپ نے پاس کرلی ہے۔'' شیخ صاحب نے میر صاحب کو سمجھاتے ہوئے کہا '' ہمیں معلوم ہی نہیں اور یہ کارروائی غلط ہے''۔ میر صاحب نے احتجاج کیا اور شیخ صاحب کو سخت تاؤ آ گیا، اُنہوں نے کہا:

'' قرارداد ایک ماہ سے آپ کے پاس ہے، اس پر ابھی چار گھنٹے سے بھی زائد بحث ہوئی اور اس بحث میں آپ نے بھی حصہ لیا اور آپ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہی نہیں یہ کب پاس ہوئی۔ میں اس پر مزید بحث کی اجازت نہیں دے سکتا''۔

'' میر صاحب نے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی بجائے واک آؤٹ کر لیا اور پیرزادہ علی شاہ نے میر صاحب کی غلطی کو دہرایا، کیونکہ پولٹیکل کانفرنس والے ایک غلطی کو کوئی بار دہرانے پر یقین رکھتے ہیں۔

....

اجلاس کے آخری دن سٹیرنگ کمیٹی کے دو ممبر میر واعظ مولانا محمد فاروق اور شری بلراج پوری لا پتہ تھے ایک اطلاع کے مطابق مولانا فاروق کی طبیعت ناساز تھی اور بلراج پوری سیکولرازم کو بچانے کی بجائے اپنے دوست بچن سنگھ پنچھی کی جان بچانے کے لیے جموں گئے ہوئے تھے۔

....

اجلاس کی کارروائی ختم ہونے سے پہلے خواجہ غلام حسن خان نے سٹیرنگ کمیٹی سے مخاطب ہوتے کہا کہ '' زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، پچھلے اور اس سیشن کے دوران بھی بہت سے مندوبین ملکِ عدم کو روانہ ہو چکے ہیں، اس لیے

استدعا ہے کہ تیسرا اسیشن سال دو سال کے وقفے کی بجائے ڈیڑھ دو ماہ کے وقفے کے بعد ہی طلب کرلیا جائے۔

شیخ صاحب نے خان صاحب کو یقین دلایا، کہ تیسرا اجلاس ان کی موت سے پہلے ہی طلب کیا جائے گا۔

....

محاذ رائے شماری کے ایک سر کردہ کارکن میرزا محمد یعقوب بیگ نے اپنے پیپر میں پنڈت پریم ناتھ بزاز پر یہ الزام لگایا کہ وہ ہندوستان کے وزیر اعظم اور جے پرکاش نرائن کی طرح کشمیری عوام کے حقِ خودداریت کے دشمن ہیں شمیم احمد شمیم نے محمد یعقوب بیگ سے دریافت کیا کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک آپ نے ایک بار بھی کشمیری عوام کے لیے حق خودداریت کا مطالبہ کرنے کے جرم میں کوئی تکلیف نہیں اٹھائی بلکہ آپ کے خیال میں اس وقت تک سب ٹھیک تھا، لیکن بزاز صاحب کو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۲ء تک کئی بار کشمیری عوام کے لیے حق خودداریت کا مطالبہ کرنے کی پاداش میں ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت نے جیل خانوں میں بند رکھا، پھر آپ کس طرح اپنے آپ کو حقِ خودداریت کا علمبردار اور بزاز صاحب کو اس کا دشمن تصور کرتے ہیں۔

"بزاز صاحب کا سٹیٹ پیپلز کنونشن کے سربراہوں میں شامل ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کشمیر عوام کے حق خودداریت کے حامی ہیں۔ شیخ صاحب نے مداخلت کر کے معاملہ رفع دفع کر دیا۔

....

چھ روزہ کنونشن کے دوران شیخ صاحب نے کل ملا کر پچیس تقریریں کی

ہوں گی اور ہر تقریر کا حجم اوسطاً پونا گھنٹہ ہوتا تھا۔ ان کی بعض تقریریں تاریخی اہمیت اور خطابت کے لحاظ سے بے مثال تھیں لیکن انہیں ایک ایک بات پچاس مرتبہ دہرانے کی عادت ہے اور اس وجہ سے اُن کی تقریروں کا حجم ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ شیخ صاحب کی دو درجن تقریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوست نے کہا، کہ ہمارے ہاں کے سیاسی لیڈروں کو محمد علی جناح سے صرف ایک بات سیکھنا چاہیے یعنی کم آمیزی۔

☆☆☆

آئینہ نما

آئینہ نما

آئینہ نما
1937 - 1980

آئینہ نما
[5]

آئینہ نما
(۳)
مرتب
قرۃ العین

آئینہ نما

آئینہ نما

آئینہ نما

آئینہ نما
[5]

آئینہ نما
(۳)